نورِ عرفان صدق

مفصل حدیث

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حدیث مفضّل

یہ حدیث بحار الانوار جلد توحید کا ترجمہ ہے جس کو کہ آج سے ۶۰ سال قبل جناب مولانا محمد ہارون صاحب قبلہ مرحوم اعلی اللہ مقامہ نے کیا تھا۔ چونکہ یہ کتاب اب نایاب ہے اس لئے ٹرسٹ اس کتاب کو مفاد عامہ کے لئے دوبارہ اصل لاگت سے کم قیمت پر شائع کر رہا ہے تاکہ عام لوگوں تک یہ جواہر پارہ پہنچ جائے۔

ٹرسٹ مذکور کسی مالی منفعت کے پیش نظر دینی کتب کی طباعت پسند نہیں کرتا بلکہ مقصد صرف دینی خدمت کرنا ہے۔

پیر محمد ابراہیم ٹرسٹ

۳۶۳ سراج الدولہ روڈ۔ بہادر آباد سوسائٹی۔ کراچی ۵

پہلا ایڈیشن ——— ۱۰۰۰

(مطبوعہ جاوید پریس کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ اقرارا بنعمتہٖ واستسلاما لعزتہ والصلوٰۃ علی نبیہٖ وحبیبہٖ محمد خیر بریتہٖ وعجیب صنعتہٖ وغریب قدرتہ وعلی اھلبیتہٖ وعترتہٖ سیما علیٰ اخیہ وصفوتہٖ وحامل شریعتہٖ وامین ملتہٖ صلوٰۃ وسلاماً متصلا متواترا لا انقطاع لمدتہ ولا احصاء لعدتہٖ۔

وبعد۔ اہل عقول پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ عمدہ علوم و معارفت پروردگار عالم ہے کیونکہ انسان کو صرف دو عالموں سے تعلق ہے۔ ایک عالم دنیا دوسرا عالم آخرت دنیا میں تو اُن چیزوں کی معرفت بضرورت زندگی لازم ہوتی ہے جن پر ابقائے حیات وبقائے تمدن ہے۔ لیکن چونکہ یہ عالم زندگی یقینی فانی ہے لہذا اس جہان کی فکر مقدم ہے۔ اس لئے ہمیں اس بات کے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہم کیا ہیں۔ کون ہیں = ہمارے گرد پیش کیا کیا چیزیں ہیں۔ وہ کیونکر ہیں۔ کیوں ہوئیں۔ کس نے بنائیں۔ ہمیں کس نے بنایا۔ وہ کیسا ہے۔ وہ ہم سے کیا چاہتا ہے۔ وہ کس عظمت کا ہے۔ کس طاقت کا ہے۔ کس صفت کا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اگر ہم اُس سے بالکل غافل رہیں۔ اس کی معرفت حاصل نہ کریں، اُس کی عبادت نہ کریں تو ہمیں اُس دوسرے عالم میں جانے کے بعد سخت سزا دے۔ تکلیف میں ڈالے۔ ہم پر عذاب کرے۔ اور ہماری غفلت کا سبب ہم سے دریافت کرے تو اس وقت ہم کچھ جواب نہ دے سکیں اس لئے ہمیں نہایت ضروری ہوا

کہ واقعی حالت اُس کی معلوم کریں۔ اور جہاں تک ہو سکے اُس کی مرضی کے مطابق کام کریں۔

یہاں تک تو شاید ہر قوم و ملت کے آدمی مانتے ہیں کہ ہم فانی ہیں۔ ہم قابلِ سزا و جزا بھی ہیں۔ ہم سے بالاتر کوئی ہمارا مدبر و مصلح بھی ہے۔ البتہ وہ لوگ جو بالکل سائنس کے بندے ہیں ان کو اس میں تامل ہے کہ آیا ہمارا کوئی پیدا کرنے والا ہے یا نہیں۔ مگر جس وقت وہ بھی باقاعدہ عقل سے غور کرتے ہیں تو اُن کو بھی یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ضرور کوئی نہ کوئی اِس عالم کا اور نیز ہمارا خالق ہے جو بڑا حکیم مدبر۔ عالم۔ قادرِ عظیم و جلیل ہے؟

داعیٔ مذہب دُنیا میں جتنے آئے اُن سب کا یک زبان یہی قول رہا کہ کوئی اس جہان کا پیدا کرنے والا ضرور ہے خواہ ہندو طریق پر انھوں نے دعوت کی ہو۔ یا عیسائی طریق پر۔ یا مجوسی طریق پر۔ یا اسلامی طریق پر!! مگر طریقے مختلف تھے۔

مجوس۔ پارسی۔ جو بہت قدیمی مذہب ہے۔ اُن کا تو یہ خیال رہا کہ خالق دو ہیں۔ ایک نور، ایک ظلمت نیکی کا خالق نور ہے، بدی کا خالق ظلمت ہے۔ نور کا نام یزداں رکھا۔ اور ظلمت کا نام اہرمن۔ مگر نور کو زیادہ طاقتور مانتے رہے۔ اسی لئے آتش پرستی اختیار کر لی۔ اب وہ آگ ہی کو اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ ہنود اگرچہ دعویٰ توحید کرتے ہیں اور زبانی طور پر خالق عالم کو واحد مانتے ہیں مگر عملاً اُس کے برخلاف ہیں پتھر کی مورتیں اپنے ہاتھ سے بناتے اور ان کی پرستش کرتے

رہیں۔ مٹی کے جانور بنا بنا کر اُس کو سجدہ کرتے ہیں جو بالکل شانِ موحد کے خلاف ہے۔

عیسائی مذہب کا داعی اگرچہ بڑا سچا بڑا پاک باز۔ بڑا برگزیدہ۔ بڑا عارف بڑا عابد تھا۔ اُس نے توحید تو ضرور سکھائی مگر اُس کے ماننے والے اُس کے اصلی مقصود کو یا تو سمجھے نہیں یا شدت محبت کی وجہ سے غلو کرنے لگے۔ اور حضرت عیسیٰؑ اور روح القدس کو خالق عالم کا شریک بنا دیا۔ اور تثلیث کے قایل ہو گئے۔ اس لئے یہ بھی موحد نہ رہے۔

یہود۔ زمانہ سابق کے تو بالکل خدا کو سمجھ ہی نہ سکے اس کے لئے بیٹا تجویز کر دیا تھا حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا جانتے تھے۔ مگر اب کا حال معلوم نہیں ان لوگوں کے کیا خیالات ہیں تاہم ایسے ہیں کہ ہندو۔ عیسائی۔ اہل اسلام اور مجوس سے ان کی رائے الگ ہے۔

اہل اسلام کو یہ دعویٰ ہے کہ ہم موحّد ہیں۔ چنانچہ اُن کا قرآن جسے یہ لوگ کتاب خدا کہتے ہیں وہ بھی توحید کی تعلیم دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ قل ھو اللّٰہ احد اللّٰہ الصّمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔ مگر اس فرقے میں بہت سے فرقے ہو گئے اور ہر ایک نے توحید میں ایک جداگانہ راہ اختیار کر لی۔ چنانچہ کچھ لوگ خدا کے جسم ہونے کے قایل ہو گئے۔ کوئی اُس کے لئے مکان تجویز کرنے لگا۔ کوئی اس میں حادث تجویز کرنے لگا۔ کوئی اُس کے دیدار

کا مشتاق بنا۔ کوئی اس کی صورت کا شیدا ہوگیا۔ کوئی اس کو خواب میں دیکھنے لگا اور کوئی جاگتے میں غرض ان لوگوں نے اگرچہ دو خدا لفظاً نہیں مانے مگر واقعتاً بڑا حصّہ مسلمانوں کا صرف نام کا موحد رہا۔ باقی سب علامات و اقوال مشرکین کے سے اختیار کر لئے۔ اگر آپ میرے اس دعوے کی تصدیق چاہتے ہیں تو میرے اس آئندہ بیان کو پڑھئے۔ آپ کو ہر مذہب کا حال توحید کے متعلق معلوم ہو جائے گا اور اہلِ مذاہب کے خیالات کا اندازہ ہو سکے گا۔ اس کے بعد دیکھئے گا کہ عقل کیا کہتی ہے۔ اور خالق کو کیسا ماننا چاہیئے۔

میں مذاہب کے حالات اسی بنا پر لکھوں گا جو ان مذاہب والوں کی کتابوں میں مندرج ہیں یا ملل و نحل شہرستانی میں مذکور ہیں اس کی واقفیت اور سچائی کے ذمہ دار وہ کتابیں جن سے یہ باتیں اخذ کی جائیں گی[1]

اہل مذاہب اگرچہ دنیا میں بے شمار ہیں مگر مشہور مذاہب اور موجود بالفعل جو

---

[1] اس بیان سے میرا مقصود یہ نہیں ہے کہ کسی مذہب پر ناجائز حملہ کروں یا بلا وجہ اس پر نکتہ چینی کو کام میں لاؤں بلکہ صرف واقعی حالات کا دکھانا مقصود ہے جس سے صحیح اور غلط رائے کا تفرقہ معلوم ہو سکے اگر ان اہل مذاہب میں سے کوئی صاحب ملت میرے بیان میں غلطی پائے اور انھیں اپنے مذہب کی خوبی بدلایل عقلیہ اسلام کے اصول سے بہتر ثابت ہو چکی ہو تو ان کو اعلان دیا جاتا ہے کہ اسلام کی توحید سے وہ اپنی توحید کو عقلی دلایل سے بہتر ثابت کر دے میں ان کا ہم مذہب ہم خیال ہونے کے لئے تیار ہوں بشرطیکہ وہ اپنی رائے پر کوئی برہان انی یا لمی قائم کر سکیں۔

قابل اعتبار رہ سکتے ہیں یہ ہیں (۱) مجوس (جن کو پارسی بھی کہتے ہیں) (۲) ہنود (۳) یہود (۴) نصاریٰ (۵) اہل اسلام اور اہل اسلام میں مشہور بڑے فرقے دو ہیں۔ ۱ اہل سنت والجماعت (جن کے مشہور فرقے دو ہیں اگرچہ تعداد فرق ان کی بہت ہے ۱ اشاعرہ ۲ متعزلہ) ۲ فرقہ اہل اسلام شیعہ امامیہ اثنا عشریہ ہے۔ اگرچہ مطلق شیعہ کے بھی بہت سے فرقے ہیں۔ مگر مشہور بڑا فرقہ یہ ہے۔ ان سب کے اعتقادات کی مختصر مختصر حالت گزارش کی جاتی ہے۔

مجوس۔ میرا خیال ہے کہ یہ فرقہ بہت قدیم ہے اور غالباً ہنود کے مذہب سے بھی مقدم ہو۔ یہ دونوں فرقے بہت سی باتوں میں متفق ہیں، اور اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کا ماخذ ہے۔ مثلاً مجوس بھی آفتاب کو قابل عبادت و حمد و ستائش جانتے ہیں ہنود بھی۔ مجوس بھی چاند کو قابل پرستش سمجھتے ہیں ہنود بھی۔ مجوس بھی آگ کو معبود جانتے ہیں۔ ہنود بھی۔ یہ بات تو بالتفصیل آگے معلوم ہوگی مگر یہاں اس قدر معلوم کرنا چاہئے کہ مجوس کے مذہب کی نسبت ملل و نحل کے مصنف محقق عالم عبدالکریم شہرستانی نے کیا لکھا ہے۔

یہ بھی معلوم رہے کہ اس مذہب کی کئی شاخیں ہیں اگرچہ حاصل ان سب کا تقریباً ایک ہی طرف رجوع کرتا ہے۔ ۱ ثنویہ۔ شہرستانی لکھتے ہیں۔ ثم الثنویۃ اختصت بالمجوس حتیٰ اثبتوا اصلین اثنین مدبرین قدیمین یقتسمان الخیر والشر والنفع والضر والصلاح والفساد لیسمون

احدھما النور والثانی الظلمۃ و بالفارسیہ یزدان داھرمن جس کا حاصل یہ ہے کہ ثنویہ فرقہ مجوس سے خاص ہے۔ ان لوگوں نے دو اصلیں مدبر قدیم ثابت کی ہیں یعنی خالق عالم خدا دو ہیں۔ ان دونوں نے نیکی۔ بدی۔ نفع نقصان۔ صلاح و فساد کو آپس میں بانٹ لیا ہے۔ ایک نیک کام کرتا ہے۔ دوسرا بد کام۔ ایک کا کام نفع پہنچانا ہے دوسرے کا کام نقصان۔ ایک کا کام صلاح پیدا کرنا ہے۔ دوسرے کا کام فساد۔ ان دونوں میں ایک کا نام نور ہے دوسرے کا نام ظلمت۔ فارسی میں ان کو یزداں اور اھرمن کہتے ہیں" جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے اعتقاد میں دو خدا اور دو خالق ہیں۔ جتنے اچھے کام ہوتے ہیں یزدان سے ہوتے ہیں۔ اور جتنی برائیاں ہیں اہرمن سے ہوتی ہے" (اب رہی یہ بات کہ دو خالق کا ہونا ممکن بھی ہے یا نہیں عقل بھی تجویز کرتی ہے یا نہیں یہ آگے معلوم ہوگا)

۲ کیومرثیہ۔ ان کے نزدیک صرف یزداں تو قدیم ہے۔ اہرمن حادث و مخلوق ہے

یزدان نے ایک مرتبہ غور کیا کہ اگر میرا کوئی مخالف ہوتا تو کیا ہوتا۔ یہ خراب فکر جو اُسے لاحق ہوئی تو اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظلمت پیدا ہو گئی۔ اُسی ظلمت کا نام اہرمن ہے۔ چونکہ اہرمن فاسد فکر سے ہوا تھا اس لئے اُس کے مزاج میں شر و فساد تھا۔ آخر اس نے نور (یزداں) پر چڑھائی کی اور خوب اُن کے اور

اُن کے لشکروں میں جنگ ہوئی۔ مگر فرشتوں نے بیچ بچ کر اُن کے درمیان صلح کرا دی۔ وہ صلح اس طور پر قرار پائی کہ عالم سفلی تو خالص اہرمن کے قبضہ میں رہے اور عالم علوی یزداں کے قبضے میں۔ لیکن سات ہزار برس کے بعد اہرمن اپنا قبضہ اُٹھاوے اور پھر دونوں عالم یزداں کے ہو جائیں۔ خلاصہ صفحہ ۷۴

ملل و نحل شہرستانی۔ برحاشیہ ملل و نحل ابن حزم ظاہری۔ (اس بنا پر اگر فرض بھی کر لیا ہے کہ یہ موحد ہے اور اہرمن کو حادث مانتا ہے۔ تب بھی اس مذہب کی تنگ خیالی اسی سے ظاہر ہے کہ اپنے معبود کو ایسا جانتا ہے کہ اس میں خراب اور اچھی دونوں فکریں آیا کرتی ہیں اس میں خوف بھی پیدا ہوتا ہے۔ اُسے مخالف کا ڈر بھی ہو سکتا ہے۔ مخالف کا ڈر بھی ہو سکتا ہے۔ اُس کے دماغ بھی ہے۔ جس سے وہ فکر و غور کرتا ہے اور جب دماغ ہوا تو جسم بھی ضرور ہو گا۔ لہٰذا خدائے تعالےٰ جسے وہ یزداں کہتے ہیں اچھا خاصہ آدمی ہو گا جس میں ان سب مذکورہ بالا باتوں کا ہونا ممکن ہے۔ پھر تو یہ پروردگار کبھی قدیم اور واجب الوجود نہ ہو سکے گا۔ وہ بھی اگر اس کے قدیم ہونے کے قائل ہیں تو اُن کی غلطی ہے۔ کیونکہ جو مجسم ہو اور اُس میں فکر ردی و صحیح دونوں پیدا ہو سکیں وہ حادث اور ممکن الوجود ہو گا نہ واجب الوجود۔ اور قدیم۔ اس کی تشریح آگے معلوم ہو گی۔)

۳ زروانیہ۔ ان کا خیال یہ ہے کہ نور (جو ان کا خدا ہے) نے نوری اشخاص پیدا کئے تھے اور وہ سب کے سب روحانی و ربانی تھے۔ لیکن اُن میں کا بڑا شخص۔ جو

زروان تھا اُس کو کسی معاملہ میں شک پیدا ہو گیا۔ اس شک کی وجہ سے اہرمن شیطان پیدا ہوا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ زروان نو ہزار نو سو ننانوے برس تک ریاضت کرتا رہا کہ اس کے کوئی بیٹا پیدا ہو مگر نہ ہوا۔ آخر اُسے یہ سوجھ ہوا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ شاید یہ عالم کچھ بھی نہیں ہے۔ محض دھوکا ہے اس خیال فاسد کی وجہ سے اہرمن پیدا ہو گیا اور اس علم کی وجہ سے ہرمز۔ مگر دونوں کا حمل ایک ہی پیٹ میں قرار پایا۔ اہرمن چونکہ حیلہ گر تھا۔ اس لئے جھٹ ماں کا پیٹ پھاڑ کر نکل آیا اور تمام دنیا پر قبضہ کر لیا۔ پھر بہت دنوں بعد ہرمز کو سلطنت دنیا ملی۔

بعض زروانیوں کا یہ خیال ہے کہ خدائے تعالیٰ میں یا تو کوئی خراب و ردی فکر تھی یا کوئی بدبودار چیز تھی جس سے اہرمن (شیطان) پیدا ہوا۔ (اس مذہب کی عقلمندی اسی سے ظاہر ہے کہ وہ اپنے معبود کے لئے بدبودار چیز۔ ردی فکر۔ بیٹے کا پیدا ہونا۔ ہرمز۔ اہرمن معبود کے بیٹے ہیں وغیرہ وغیرہ تجویز کرتا ہے۔

ممسخیہ ہے۔ ان کا خیال ہے۔ کہ نور (خدا تعالیٰ) تنہا تھا۔ خالص تھا۔ پھر اُس کا ایک حصہ مسخ ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ظلمت پیدا ہوئی۔ (اب بھی دونوں مدبر عالم ہیں)۔ (آدمی پر فالج گرنا اور اُس کے کسی عضو کا بیکار ہو جانا تو سنا ہے اور دیکھا بھی ہے۔ مگر معلوم نہیں مجوسیوں کے خدا پر کیسا مادہ فاسد گرا جس نے اس کو بیکار اور مسخ کر دیا۔ میرے خیال میں ان کے ایسے مہمل خدا پر فالج ہی گرا ہو گا جس سے

اُس کا ایک حصہ بیکار ہو گیا اور اس سے اہرمن پیدا ہوا۔ پناہ بخدا دنیا میں اس عقل کے بھی لوگ ہوتے ہیں۔)

۹ زردشتی۔ زردشت مدعی نبوت کے پیرو۔ یہ زردشت گشتاسپ بن لہراسپ بادشاہ ایران کے زمانہ میں تھا۔ اس کی رائے میں خدا واحد ہے۔ لاشریک ہے۔ مگر عالم کا مبدا اس کے نزدیک بھی نور اور ظلمت ہے۔ انہیں دونوں کے خلط ملط سے تمام عالم پیدا ہوا ہے۔

۱۰ مانویہ۔ مانی بن فاتک کا فرقہ۔ یہ شخص زمانہ شاپور بن اردشیر میں تھا۔ جو زمانہ حیات مسیح علیہ السلام سے متاخر ہے۔ اس نے خیال کیا ہے کہ عالم مصنوع و مرکب تو ہے مگر دو قدیم اور ازلی اصلوں سے بنا ہے۔ ایک نور دوسرے ظلمت یہ دونوں ازلی الوجود اور ابدی الوجود ہیں۔ نہ کبھی معدوم تھے نہ کبھی معدوم ہوں گے۔ یہ دونوں قوتیں ہیں جس میں حس سماعت۔ بصارت بھی موجود ہے۔ نفس صورت فعل اور تدبیر میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا نفس اچھا دوسرے کا بُرا۔ ایک کی صورت اچھی دوسرے کی بُری۔ ایک کا فعل اچھا دوسرے کا بُرا ہے۔

غرض یہ تمام فرقے مجوس کے نور و ظلمت کے قایل ہیں۔ سوائے زردشتیوں کے اور باقی تمام فرقے انہیں دو کو خدا مانتے ہیں۔ خیر و شر کا فاعل انہیں کو سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہ فرقہ موحد نہیں ہے۔ علاوہ اس کے جو خرابی اس خیال میں ہے وہ

یہ ہے کہ دو خدا یا بعبارت آخری دو خالق قدیم ازلی کا ہونا ناممکن ہے۔ کیوں کہ جب دو قدیم ازلی ہوں گے۔ تو یقیناً دونوں مرکب ہوں گے اور جو چیز مرکب ہے وہ حادث ہوتی ہے قدیم نہیں ہو سکتی۔

نیز یہ خیال کہ یزدان۔ یا نور صرف قدیم ہے مگر اس میں فکر ردی یا عفونت تھی جس سے ظلمت یا اہرمن یا شیطان پیدا ہوا۔ اس یزدان کی نہایت درجہ کمزوری کو ثابت کرتا ہے۔ ہمیں تو ایسا خدا نہیں چاہئے جس میں بدبو گندیدگی۔ نقص۔ فکر فاسد ہو۔ علاوہ بریں ایسا خدا حادث ہوگا جس میں اس قسم کی حادث چیزیں پائی جاتی ہوں۔ پھر تو اس کے لئے کسی اور خدا کی ضرورت ہوگی جس نے اسے پیدا کیا اور وہ خود خدا نہیں ہو سکے گا۔

اس فرقہ کی کمزوری زیادہ تر اس سے سمجھی جاتی ہے کہ یہ لوگ آفتاب۔ چاند۔ آگ اور صبح۔ غرض ہر روشن چیز کو قابل عبادت و پرستش جانتے ہیں حالانکہ یہ سب کے سب کسی خالق کے مخلوق ہیں اور کسی صانع کے مصنوع ہیں۔ حادث ہیں عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ بے حس و بے ادراک ہیں۔ قابل زوال ہیں۔ کسی کی عبادت کا احساس نہیں کر سکتے۔ پھر اصلی اور حقیقی معبود کو چھوڑ کر ان مصنوعات کی پرستش کرنی عجیب ہے۔ معلوم نہیں کہ کیونکر ان کے بانیان مذہب نے ایسے کمزور خیالات اختیار کئے تھے۔

اس امر کا ثبوت کہ یہ لوگ آفتاب۔ چاند۔ آگ اور صبح کو پرستش کے

قابل جانتے ہیں۔ ان بیانات سے ثابت ہوتا ہے جو ژند پاژند میں مذکور ہیں۔

آفتاب کی حمد و ثنا مع متن و شرح

گویا خدائے تعالے زردشت کو سکھاتا ہے کہ تم اس طرح آفتاب سے دعا کرو
اور اس کی ثنا و صفت کیا کرو۔ درود بر تو از شہائے یزداں و فرجہاش یعنی سلام و
تحیت کہ دعائے جاویداں زلیستن بود بر تو۔ اے روشنگر بزرگ تر دگر دندہ و ستودہ خجستہ
دہمایوں تر تابندہ از آفرنیدہ بے مایہ و مادہ کش یعنی روشن شدہ از نور خالق خود
کہ بے ہمتا و بے امتداد زمان ترا آفریدہ۔ گردندہ در فزوں مہر مسترگش آفرنیدہ خود
بگردش سپہر خود کہ پاک است از بذیرفتن۔ کشودہ شدن و پارہ گشتن و تازہ بیکر گرفتن
دکہنہ بیکیہ گذاشتن و گردش راست ناچرخی۔ یعنی گردش کنندہ بگردش فلک خودش کہ از
قبول کشادہ شدن و خرق و تجدید صورت بری است از حرکت مستقیم برکران ناچرخی
حرکت مستقیمہ چرخی کہ حرکت دوری باشد" ژند پاژند صـ ۳۳-۳۴

غرض اسی طرح کئی ورق تک آفتاب کی ثنا و صفت و حمد و نماز کے طریقے
مندرج ہیں۔ پھر اس کے بعد چاند کی نماز ہے۔ چنانچہ اس کے بھی چند جملے نذر ناظرین
ہیں۔ صـ ۳۹ نموفیتہ و تباعہ نموفیتہ دیتہ۔ نماز بماہ دیدہ شدہ و نماز بدیداد
اد و خشنوزہ اہید بہ مزدا ثم وہی سہ گفتن فرہ دسانہ ہرگاہ کہ باشد۔ مانگہ مہ گو
چترمہ گی غشچہ البودوا یتاگی فسچہ فوعردسرہ و باشنوترہ لیا غچہ وہماسچہ خشنوترا بچہ

فرہ ستہ پچہ۔ ماہ گوسفند تخمہ را وکا دایبوہ داوار و گوسفند پہ سر ورہ ایزش و نیائش و دعا۔ و خوشنودی و ستایش می کنم"

غرض کئی ورق تک چاند کی نماز ندکور ہے۔ اس کے بعد آگ کی نماز ہے جس میں

نمہ سی آتر ش مزدا آہرہ پہو وا فرشتہ تیرہ تہ۔ نماز بتو اے آتش بلند تریں ولایق ستائیدن و پیدا کردہ اور مزد نیک پیدائش پیدا کنندہ"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں ۳۳ زند پازند باشترہ بوبا اہماعہ یزہ یسر تو بادہ فرایزاعتہ الیسموزلیستو بر سموزستوکا عوز ستوہا۔ نیک بختی باد شخصے راکہ ترا ہمیشہ مے ستاید الیسم بدست و برسم بدست و جیوام بدست و ہاون بدست گرفتہ یعنی ہر کس کہ ایں آلات ہائے یزش را بدست گرفتہ اور ا بستاید بدو نیکبختی باد"

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ میں تمام طاقتیں مثل خدا کے تسلیم کی گئی ہیں۔ ص ۷۵ ژند پاژند۔ والیائی آتوش فترہ آہورہہ مزد آ رسو خاثرم آسو سرائیتیم آسجیتیم۔ فوعرہ خاثرم فوعرد سراجیتیم فوعروجیتیم۔ اے آتش عزیز اور مزد تیز آسانی و تیز بہ وہش و تیز روشنی و بہ آسانی و بہ پرورش و بہ زندگی بخش بمن سیتیم سفالو خشوہ ورم ہزدام اشترجرہ تیم تسبیحہ مسہ تم ہزاغنم ار و وناشہ خرہ تیم تسبیحہ مسہ تم مزاعتم افیرہ آترم یزیام تسبیحہ ہام دہ تیم۔ بزرگی و دانش و شیرینی و فصاحت زبان و ہوشیاری برائے رواں و پس ازاں خرد بزرگ کہ بابزرگی نامضطرب باشد و پس ازاں ہمت نیک مردانگی بخش بمن"

غرض اسی طرح کی دعائیں آگ سے کی گئی ہیں اور آگ کی حمد و ثنا ادا کی گئی ہے۔ اس کے بعد صبح کو دعا دی گئی ہے اور اس کی بھی نماز کا طریقہ لکھا گیا ہے۔ ژند پاژند کے دیکھنے والے کو معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کے مصنف کے نزدیک جس طرح معبود حقیقی قابل پرستش ہے اسی طرح سورج۔ چاند۔ آگ۔ صبح بھی قابل پرستش ہیں۔ اور ان کو اس طرح خطاب کیا گیا ہے جیسے خدائے تعالےٰ کو خطاب کرنا چاہئے۔ اور ان سے اسی طرح دعائیں مانگی گئی ہیں۔ جیسے خدائے تعالےٰ سے دعا مانگی جانی چاہئے۔ ان کو صاحب روح۔ صاحب حواس۔ صاحب ادراک۔ صاحب عقل۔ صاحب گوش و چشم تسلیم کیا گیا ہے۔ ان میں قدرت تسلیم کی گئی ہے۔ غرض جو ایک خدائے حقیقی کی صفت ہونی چاہئے وہ ان میں مان لی گئی ہے۔ مگر باوجود اس کے ان کو خدا کا بنایا اور پیدا کیا ہوا بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ مجھے زردشت پیغمبر مجوس سے اس بات کا تعجب ہے۔ کیونکہ یہ تو خالق عالم کے وجود اور اس کے قدم کے قایل ہیں پھر کیوں کر ان کو جرأت ہوئی کہ ایسی بے حس چیزوں کی بھی عبادت کرنے کا طریقہ لوگوں کو سکھایا۔ کیا سوائے معبود حقیقی کے کوئی مخلوق بھی پرستش کے قابل ہو سکتا ہے۔ اگر ہو سکتا ہے تو پھر معبود حقیقی اور ان مخلوقات میں کیا فرق رہا۔

اب دیکھو اس مقام پر اسلام کی توحید کو۔ اہل اسلام خدائے تعالیٰ

کے سوا کسی کو قابل پرستش نہیں سمجھتے۔ ہاں عناصر و موجودات عالم کو مخلوق۔ خدا۔ عجیب صنعت خدا کا نمونہ۔ اُس کے آثار قدرت جانتے ہیں۔ مگر ان کو قابل عبادت نہیں جانتے۔ کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب چیزیں بے حس و ادراک ہیں۔ ان میں اتنی طاقت نہیں کہ بالارادہ کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا اُن کا طبیعی فعل ہے جس کا اُن کو خود ادراک نہیں ہوتا جیسے ملہٹی کا اثر کھانسی کو دفع کرنا۔ کنین کا اثر بخار کو روکنا۔ سنکھیا کا اثر زندہ کو مار ڈالنا ہے۔ مثلاً یہ افعال خواص طبیعی ہیں اُن کے اختیار و ارادہ سے اُن کا کوئی فعل نہیں ہوتا۔ یہ سب اپنے وجود میں دوسرے کے محتاج ہیں۔ خصوصاً آگ تو حد سے زیادہ دوسری چیز کی محتاج ہے ایک تو ایندھن کی ضرورت ہے۔ اگر ایندھن نہ ہو فوراً بجھ جاتی ہے۔ دوسرے روشن کرنے والے کی ضرورت ہے۔ آپ سے آپ آگ پیدا نہیں ہو جاتی بلکہ اُس کے اسباب و آلات مہیا کئے جاتے ہیں اُن سے آگ نکالی جاتی اور پھر بڑھائی جاتی ہے۔ پھر کس قدر افسوس ہے کہ جو چیز ہمارے اختیار میں ہو اور ہمارے علاوہ اور اور چیزوں کی محتاج ہو اُس کو ہم سجدہ کریں۔

یہ تو حال زردشتیوں کا ہے۔ جو خدائے واحد کے وجود کے بھی قائل ہیں۔ لیکن اُن کا کیا حال ہوگا جو نور و ظلمت ہی کو دراصل خدا جانتے ہیں۔ یا صرف نور ہی کو خدا جانتے ہیں اور ظلمت کو اُس سے پیدا مانتے ہیں۔ اُن کے

نزدیک تو آفتاب۔ چاند۔ آگ سب ہی خدائے حقیقی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ مذہب موحد نہیں ہے اور صفات معبود حقیقی کو بالکل نہیں سمجھ سکا ہے۔ ان میں صرف زردشتی کسی قدر موحد ہیں مگر چونکہ آگ وغیرہ کی عبادت کرتے ہیں اس لئے یہ بھی مشرک ہو گئے۔

ہنود۔ بھی اپنے تئیں موحد کہتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ۔ زبانی طور پر خدائے تعالیٰ کے بہت سے ایسے صفات بیان کرتے ہیں جو بالکل صحیح ہیں۔ مثلاً خدائے تعالیٰ نرنکار ہے۔ خالق ہے۔ مالک ہے۔ حی وقیوم ہے وغیرہ۔ مگر عملی طور پر اور نیز ان کی کتب کی تعلیم کے طریقے پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ واقعی تو اُن کا مذہب کچھ اور ہے مگر مسلمانوں کی صحبت کے اثر سے ایسا ہو گیا ہے کہ یہ لوگ زبانی طور پر موحد بن گئے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ لوگ اگر غور کریں گے تو ضرور مسلمانوں کے اس معاملہ میں شریک ہو جائیں گے۔ اُن کا عمل بالکل توحید کے بر خلاف ہے بتوں کی پرستش کرنی جنہیں آدمی خود ہی اپنے ہاتھوں سے بناتے ہیں کس قدر تعجب خیز ہے۔ کیوں کہ علاوہ اُس نقصان کے آدمی ہی کے مصنوع و مخلوق ہوتے ہیں۔ یہ بھی خرابی ہے کہ نہ تو وہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ نہ ہاتھ پاؤں ہلا سکتے ہیں۔ نہ نفع پہنچا سکتے ہیں۔ نہ نقصان۔ اگر تم انھیں سونے کا خول پہنا دو تو انہیں کچھ نہیں۔ اگر پھٹا چیتھڑا پہنا دو تو انہیں کچھ خبر نہیں۔ توڑ ڈالو تو انہیں محسوس نہیں ہوتا۔ بڑی حفاظت سے رکھو تو انہیں

کوئی ادراک نہیں ہوتا۔ اس پر زیادہ تر قابلِ افسوس تو یہ بات ہے کہ یہ مورتیں جگائی جاتی ہیں اُن کے آگے گھنٹیاں بجائی جاتی ہیں تاکہ جاگیں اور اُن کی دعاؤں کو سنیں۔ کیا معبود کی یہی شان ہونی چاہیے؟

ان کی کتابیں بھی توحید کا سبق نہیں سکھاتیں۔ مسئلہ حلول یعنی یہ کہ پروردگار تمام چیزوں میں حلول کرتا ہے۔ یا یہ کہ تمام چیزیں عین خدائے تعالیٰ ہیں۔ ان کی کتابوں میں موجود ہے۔ دیکھو۔

(۱) آئی تر ابرہمنا۔ منتر اوّل صفحہ ۲۶۔ انسان کا جسم بنا کے اُس نے (خدا نے) اُس کے کاسہ سر کو پھوڑ ڈالا اور اس کے وسیلہ سے روح ہو کر داخل ہوا اس لئے یہ (روح) برہم ہے (یعنی خدا ہے)۔

(۲) تی تر ابرہمنا صفحہ ۸۷۔ پرمیشور نے اپنے آپ میں چاہا کہ تمام چیزوں کو پیدا کروں اور اپنے اس ارادے کو پورا کرنے کے لئے وہ تپسیا کرنے لگا۔ اس کے بعد اُس نے تمام چیزوں کے مادے کو پیدا کیا اور تب اُس نے ان کو اپنی روح دی اور اس طرح سے وہ خود ہی تمام چیزیں بن گیا۔ خواہ وہ دیدنی یا نادیدنی تھیں۔ وہ خود ہی گیان اور اگیان بنا اور خود ہی ست اور است ہوا۔ اگر کوئی آدمی کسی چیز کو پرمیشور نہ جانے تو وہ ہاویہ دوزخ میں جائے گا۔

(۳) سوتتا سوتر۔ منتر ۳۔ تو ہی عورت ہے اور تو ہی آدمی ہے۔

تو ہی لڑکا ہے اور تو ہی لڑکی ہے اور تو ہی خود ہر ایک چیز ہے"

(۴) منتر یرک - ادہائے ۲ - پاؤ ۳ - سوتر ۴۴ "وید سکھلاتا ہے کہ پرمیشور ہی خود ہر ایک چیز ہے"

(۵) شریرک - ادہائے ۲ - پاؤ ۳ - سوتر ۴۵ - پرمیشور فرماتا ہے کہ تمام جیو میرے بھاگ ہیں وہ کہاں کہتا ہے؟

بھاگوت گیتا - ادھائے ۱۵ - اور ادھائے ۱۳ - میں"

(۶) گوپت برہمنا میں لکھا ہے -

"وہ جو خدمت کرتا ہے برہم ہے - جو چوری کرتا ہے وہ وہ بھی برہم ہے - جیو ہو کے ہیں - ہر ایک چیز میں رچ گیا ہوں"

رگ وید - بھاگ ۲ - سوکت ۹۰ صفحہ ۹۴۳ صرف پرمیشور ہی یہ تمام دنیا ہے - جو کچھ ہو چکا ہے وہی تھا اور جو کچھ ہوگا وہی ہوگا - وہ مرتا نہیں موت اس کے قبضہ میں ہے اور خوراک کھا کر وہ بڑھتا ہے"

(خدائے تعالیٰ خوراک کھاتا ہے - عجیب)

منتر دہم - گھوڑے اور تمام حیوانات جو دو قطار دانت رکھتے ہیں - گائے - بکری - بھیڑ - اس سے نکلتے ہیں -

منتر ۱۱ - جب وہ تمام چیزیں بنا چکے (یعنی خدا صاحب) تو انہوں نے

نے اس کو کتنے حصوں پر تقسیم کیا۔"

اُس کا مُنہ کیا تھا۔ اُس کے بازو کیا تھے۔ اُس کی رانیں کیا کہلاتی تھیں اور کیا اُس کے پاؤں۔

منتر ۱۲۔ برہمن اُس کا مُنہ تھے۔ راجینا۔ اُس کے بازو تھے۔ وہ جو ویش تھے اُس کی رانیں ہوئے اور شودر اُس کے پاؤں سے نکلے۔

منتر ۱۳۔ چاند اُس کے دماغ (مانس) سے نکلا۔ سورج اُس کی آنکھ سے۔ اندر اور اگنی اُس کے مُنہ سے۔ والیو (ہوا) اُس کے سانس سے۔

اتھروید۔ کانڈ ۱۹۔ سوکت ۶۔ منتر ۵-۷ اُس کا مُنہ کیا ہے؟ اُس کے بازو کیا ہیں۔ اُس کی رانیں کیا ہیں۔ اُس کے پاؤں کیا ہیں۔ برہمن اُس کا مُنہ ہیں۔ راجا اُس کے بازو ہیں۔ ویش اُس کی رانیں ہیں۔ اور شودر اُس کے پاؤں ہیں۔ اُس کے مُنہ سے اندر اور اگنی اتپن ہوئے۔ اس کے سانس سے والیو۔ اُس کی ناف سے زمین و آسمان کا درمیانی فاصلہ اُس کا سر آسمان ہے۔ اُس کے پاؤں سے دنیا پیدا ہوئی۔ اور چار اطراف اس کے کانوں سے نکلے۔"

یہ تمام عبارتیں گھرِفک سنگھ صاحب اور میور کے ترجمے سے لی گئی ہیں جو اُنھوں نے بصورت لکچر کے سٹر مارٹن کلارک صاحب کی مدد سے لکھے

ہیں۔ ان تمام عبارتوں سے توحید کے معاملہ میں بہت کچھ قصور سمجھ میں آیا۔ اوّل تو وحدت وجود کا مسئلہ سمجھا گیا۔ حالانکہ بالکل خلافِ عقل ہے کہ خدا اور مخلوقات ایک ہی ہوں۔ اگر ایسا ہو گا تو لازم آئے گا کہ ایک آدمی مثلاً جب سچ بولتا ہے تو دراصل وہ خدا ہی ہے اور جب جھوٹ بولتا ہے تو دراصل وہ خدا ہی ہے۔ جس وقت زنا کرتا ہے تو وہ خدا ہی ہے اور جس وقت اپنی زوجہ سے صحبت کرتا ہے تو وہ خدا ہی ہے جب ظلم کرتا ہے تو وہ خدا ہی ہے اور جب انصاف کرتا ہے تو وہ بھی خدا ہی ہے۔ لہٰذا دنیا میں کوئی شخص قابلِ خدمت نہیں رہے گا۔ کیونکہ جو کچھ وہ کرتا ہے خدا ہی کا فعل ہے اس میں کسی کو دخل نہیں ہے۔

اس میں ایک اور خرابی یہ لازم آئے گی کہ عبادت اور تقیا بالکل فضول ٹھہرے گی اس لیے کہ جب آدمی مثلاً خود ہی خدا ہے تو وہ کس کی عبادت کرتا ہے کیا اپنی ہی؟ کیا کوئی عقل اس بات کو تجویز کر سکتی ہے؟ کہ ایک شخص معبود بھی ہو اور عابد بھی۔ مالک بھی ہو۔ غلام بھی۔ خالق بھی ہو مخلوق بھی۔ اللہ بھی ہو بندہ بھی؟ جب یہ نہیں ہے تو عبادت بیکار ہے۔ حالانکہ یہ لوگ عبادت کرتے ہیں۔ پھر اس کے کیا معنی ہیں؟

تیسری خرابی جو اس سے لازم آتی ہے یہ ہے کہ خدا فانی بھی ہو اور باقی بھی۔ کیونکہ اپنی ذات سے تو وہ باقی ہے مگر جب آدمی۔ گھوڑا۔

خچر۔ پتھر۔ درخت۔ گھانس وغیرہ ہوا تو فانی ہوا کیوں کہ یہ سب چیزیں فانی ہیں۔ نیز یہ کہ بے تغیر بھی ہو یا تغیر بھی۔ کیونکہ یہ سب چیزیں متغیر اور ایک حال سے دوسرے حال پر بدلتی رہتی ہیں۔

پھر ان بیانات سابقہ سے خدا کی کمزوری بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اُس کو جہان کے پیدا کرنے کے واسطے عرصہ تک تپسیا کرنا پڑا تھا کیسا کمزور وہ خدا ہوگا جو صرف اپنے حکم سے جہان کو پیدا نہ کر سکا بلکہ عرصہ تک اس کو ریاضت کرنی پڑی۔

پھر سابقہ عبارتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدائے تعالےٰ مرکب ہے تب تو اُس کے منہ۔ رانیں۔ پیٹ۔ ناف۔ پاؤں وغیرہ ہوئے۔ جن سے برہمن راجا۔ شودر۔ ویش۔ پیدا ہوئے۔ اور جب وہ مرکب ہوا تو حادث ہوا۔ قدیم نہ ہوا۔ حالانکہ اُس کو قدیم ازلی مانا گیا ہے۔ یہ ہے کمی توحید۔ اس کو خوب سمجھو۔

مجھے اس بات سے بھی بہت تعجب ہے کہ جب بادیان مذہب ہنود نے خدا شناسی کے میدان میں قدم رکھا اور اس کے وجود اور قدامت اور خالقیت رازقیت علم۔ قدرت وغیرہ صفات کمالیہ کو سمجھ اور اس کو قابل عبادت جان لیا۔ تو پھر کیا ہو گیا کہ اندر (آسمان یا بالائی قوت) اگنی (آگ) ہفتہ۔ سورج۔ صبح۔ شام ہوا۔ پانی۔ زمین کی بھی عبادت کرنے لگے۔ کیا یہ کم جو

تعظیم کے لئے جھکایا جاتا ہے اسی قابل ہے کہ ایسی مخلوق چیزوں کے آگے جھکے جن میں اختیاری کوئی طاقت نہیں بلکہ صرف خالق کے حکم سے کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں۔ کیا پانی کو یہ اختیار ہے کہ جب ہم اس کی بندگی کریں گے تو ہمیں کسی وقت ڈوبنے سے بچا لے گا؟ کیا اگر آگ کی عبادت کریں گے تو ہم کو نہ جلائے گی۔ کبھی ایسا نہ ہوگا۔

اگر صد سال گبر آتش فروزد چو یک دم اندراں افتد بسوزد۔

اس پر جو ہم دیکھتے ہیں کہ ویدوں میں صرف انہیں کی عبادت کی ہدایت کی گئی ہے اور انہیں کی عبادت کے طریقے بتائے گئے ہیں تو سخت تعجب ہوتا ہے۔

ہمارے پاس رگ وید کا حصہ۔ انوکا اٹھارواں سکت (۱) تک ماسٹر لچھمن داس صاحب ہیں سنیٹ سٹیفر کالج دہلی کا ترجمہ کیا ہوا موجود ہے مطبوعہ مطبع مرتضوی۔ اس میں سوائے آگ۔ سورج۔ چاند۔ اندر۔ وغیرہ کی عبادت کے اور کچھ ذکر ہی نہیں۔ خدائے تعالےٰ کا تو کہیں نام بھی معلوم نہیں ہوتا۔"

شروع ہی کتاب سے آگ کی پرستش کی تعلیم دی گئی ہے۔

ورک (۱) میں اگنی دیوتا کی جو ہوم کا نیما گرو۔ کارکن اور دیوتاؤں کو نذریں پہنچانے والا۔ اور بڑا ثروت والا ہے۔ حمد کرتا ہوں (حمد کرتا ہوں)۔

ورک (۵) ایسا ہو کہ اگنی جو نذروں کا پہنچانے والا اور علم کا حاصل

کرنے والا اور سچا نامور دیوتا ہے۔ معہ دیوتاؤں کے یہاں آوے۔

سکت ۳۔

(۱) اے اگنی معہ تمام دیوتاؤں کے سوم کا رس (میٹھا عرق) پینے کو ہمارے پوجا میں آ اور زندگی پیش کر۔

(۸) اُن دیوتاؤں کو جن کی ہم پرستش کرتے ہیں سوم کا رس ارگ۔ چمرجیتی وقت پلا۔

(۳) اے اگنی اندر۔ وایو۔ برسپتی۔ مترا۔ اگنی۔ پستمان۔ بھاگا۔ اوتیاوں اور مروت کے گروہوں کو نذر پیش کر۔ (یہ سب نام دیوتاؤں کے ہیں جن کی پرستش کی جاتی ہے)۔

سکت ۶

(۱) یہ تیز اور نعمتوں سے پُر سوم کا چڑھا گیا ہے۔ اے وایو (ہوا) آ اور اس چڑھائے ہوئے رس کو پی۔

(۲) ہم اندر (آسمان) اور وایو (ہوا) دونوں دیوتاؤں کو جو دیولوگ میں رہتے ہیں۔ سوم کا رس پینے کو بلاتے ہیں (دیوتا کو رس پلایا جاتا ہے۔)

انوکا ۱۲۔ سکت ۱۔

(۳) اگنی خوراک کے مانند خوشگوار ہے۔ زمین کے مانند وسیع

ہے۔ پہاڑ کے مانند تیر کاریوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ پانی کی مانند خوش نما ہے۔ وہ گھوڑے کے مانند ہے جس کو رن میں حملہ کرنے کو لاتے ہیں اور بہنے والے پانی کے مانند ہے اُسے کون روک سکتا ہے؟"

غرض اسی طرح۔ اندر (آسمان) ہوا۔ اگنی۔ مارت جو اندر کا مددگار دیوتا ہے۔ اسونوں۔ ورن۔ تروتی۔ وغیرہ دیوتاؤں کی عبادت کے طریقے اور ان کی حمد اس تمام حصہ رگ وید میں مذکور ہے اس کے علاوہ خدائے تعالےٰ کی کہیں ایک حرف میں بھی حمد وثنا نہیں۔ *

یہود۔ ان کے پانچ فرقے ہیں ۱؎ سامریہ ۲؎ صدوقیہ جو حضرت عزیر نبی کو خدا کا بیٹا بناتے ہیں ۳؎ عنانیہ ۴؎ ربانیہ ۵؎ عیسویہ (اصحاب ابو عیسیٰ

---

* یہ گمراہی صرف اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ عناصر و افلاک نجوم کے جو اثرات عالم میں دیکھے گئے تو ابتدائی زمانے کے آدمی جن کی عقلیں محدود۔ علم محدود تھے ان کو اپنا معبود سمجھنے لگے۔ یہ تو سمجھے نہیں کہ سب مخلوقات ہیں۔ ہمارے ہی فائدے کے لئے ان کو کسی اور مدبر عالم نے پیدا کیا ہے وہاں تک تو نظر پہنچ نہ سکی انہیں مادہ و مادیات میں پھنس کر رہ گئے۔ اور اب بھی جب کہ علم و عقل کا زمانہ ہے آنکھ کھول کر بھی یہی نہیں سمجھتے۔ ہم اپنے معبود حقیقی خالق عالم۔ مدبر جہان۔ قادر مطلق صانع عجائب اشیا کو چھوڑ کر کیا بے اختیار چیزوں کی عبادت کرتے ہیں حالانکہ عقل صحیح اسے پسند نہیں کرتی۔

اصبہانی)۔

ان پانچوں میں سے صرف صدوقیہ فرقہ عزیر کو خدا کا بیٹا کہتا ہے اور یہ بات توحید کے بالکل برخلاف ہے کیوں کہ اگر اس کے بیٹا ہو تو ضرور ہے اُس کے کوئی جورو بھی ہوگی اور جب جورو ہوئی تو اُس سے ہمبستری کی بھی نوبت آئے گی۔ اس طرح تو خدائے تعالےٰ کا تجسم ثابت ہوتا ہے جو اُسے حادث بنائے دیتا ہے حالانکہ وہ قدیم ہے۔

توریت جو یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے عمل در آمد کی کتاب ہے۔ اس میں بھی خلاف معرفت و توحید بہت سی باتیں لکھی ہیں مثلاً خدا کا باغ میں ٹہلنا۔ گیا وہ کوئی آدمی ہے جسے تفریح کے واسطے باغ میں سیر کرنے کی ضرورت ہے۔ دیکھو کتاب مقدس مطبوعہ لودیانہ مشن پریس ص ۳ ۔ (قصۂ آدم و حوا میں) "اور انھوں نے خداوند خدا کی آواز جو ٹھنڈے وقت باغ میں پھرتا تھا سُنی اور آدم اور اُس کی جورو نے آپ کو خداوند خدا کے سامنے سے باغ کے درختوں میں چھپایا۔"

اگرچہ آدم و حوا کا قصہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہے مگر اُس میں خدائے تعالےٰ کا باغ میں ٹھنڈے وقت پھرنا نہیں لکھا گیا۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ توریت موجودہ محرف ہے ورنہ اس میں ایسی خلاف عقل باتیں نہ ہوتیں۔

ایک مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ خدا کے بہت سے بیٹے تھے۔ یہ مفہوم اُس عبارت کا جو آئندہ مذکور ہو گی۔ دیکھو کتاب مقدس مطبوع لودیانہ مشن پریس ص ۱۱۔ " جب زمین پر آدمی بہت ہونے لگے اور ان سے بیٹیاں ہوئی تو خدا کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وے خوبصورت ہیں اور اُن سبھوں سے جسے جو پسند آئیں اپنے لئے جورو۔ ائیں" تب خداوند نے کہا کہ میری روح انسان کے ساتھ ہمیشہ مزاحمت نہ کرے گی وہ تو بشر ہے تو بھی اس کے دن ایک سو بیس برس اور ہوں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدائے تعالےٰ کے ایک چھوڑ بہت سے بیٹے ہیں اور آوارہ بھی ہیں کیوں کہ آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھ کر للچائے اور ان کو اپنی جورویں بنانا چاہا۔ مگر خدائے تعالےٰ نے روک دیا۔!!

توریت موجودہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کو انجام کا حال معلوم نہیں ہے۔ وہ اپنے کاموں میں غلطی بھی کرتا ہے۔ اور جب اس کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے تو آخر پچھتاتا ہے۔ دیکھو کتاب مقدس ص ۱۱ مطبوع لودیانہ مشن پریس۔

" اور خداوند نے دیکھا کہ زمین پر انسان کی بدی بہت بڑھ گئی اور اس کے دل میں تصور اور خیال روز بروز صرف بد ہی ہوتے ہیں۔ تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے پر پچھتایا۔ اور نہایت دلگیر ہوا۔

توریت کا یہ بھی بیان ہے کہ خدائے تعالےٰ کے دل میں تصورات و خیالات آتے ہیں۔ جیسے آدمی سے معلوم ہوتا ہے کہ محرف توریت کی دماغی قوت اسی قدر تھی کہ وہ اپنے حقیقی معبود۔ لیس کمثلہ شئ کے واسطے "دل" اور "افسوس" وغیرہ تجویز کرے۔ دیکھو کتاب مقدس صہ ۱۵ مطبوعہ لودیانہ مشن پریس آیت اکیسویں۔

"اور خداوند نے اپنے دل میں کہا کہ انسان کے لئے میں زمین کو پھر کبھی لعنت نہ کروں گا۔ اس لئے کہ انسان کے دل کا خیال لڑکپن سے بُرا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے کیا ہے پھر سارے جانوروں کو نہ ماروں گا۔"

توریت حضرت موسیٰ کے قصے میں تو خدائے تعالےٰ کی رویت وجہ کا انکار کرتی ہے۔ مگر حضرت ابراہیمؑ کے قصہ میں بتاتی ہے کہ ابراہیمؑ کو خدا دکھائی دیا۔ جس سے اُس کا مجسم ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دیکھو کتاب مقدس کتاب پیدائش ص ۱۲ آیت ۷۔ "تب خداوند نے ابرام (ابراہیمؑ پیغمبر) کو دکھلائی دیکے کہا کہ یہی ملک میں تیری نسل کو دوں گا۔"

توریت یہ بھی سبق دیتی ہے کہ آدمی اور خدا کی ایک ہی صورت ہے۔ اور جب اُس کی کوئی صورت ہو گی تو اُس میں مادہ بھی ضرور ہو گا۔ جس پر اُس صورت کو قیام ہے لہذا مرکب ہو گا اور جب مرکب ہو گا تو ضرور ہے

کہ اپنے مرکب ہونے سے پہلے معدوم رہا ہوگا۔ کیا کوئی عقل یہ تجویز کر سکتی ہے کہ خدا ئے تعالےٰ کبھی معدوم رہا ہو۔

اس بات کے ثبوت کے واسطے دیکھو باب پیدائش ص ۱ کتاب مقدس آیت ۲۶-۲۷-۲۸ "تب خدا نے کہا کہ ہم انسان کو اپنی صورت پر اور اپنے مانند بناویں کہ وے سمندر کی مچھلیوں پر اور آسمان کے پرندوں پر اور مویشیوں پر اور تمام زمین پر اور سب کیڑے مکوڑوں پر جو زمین پر رینگتے ہیں۔ سرداری کریں اور خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ خدا کی صورت پر اس کو پیدا کیا۔

اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدمی خدا کے مانند ہے کیونکہ اس نے آدمی کو اپنے مانند اور اپنی صورت پر پیدا کیا ہے یہی وہ خیال ہے جسے اکثر مسلمانوں نے بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ داود خوارزی کا قول آئندہ آئے گا۔ وہ کہتے تھے کہ خدا کے ہاتھ پاؤں منہ آنکھ ناک۔ خون۔ گوشت۔ بال (اور وہ بھی گھونگروالے) سب ہیں مسلمانوں نے آدمی کا بصورت خدا ہونا بھی بیان کیا ہے اور اس پر یہ تہمت لگائی ہے کہ رسول خدا نے ایسا فرمایا ہے۔ دیکھو کتاب ملل و نحل شہرستانی ج اول ص ۱۲۰-۱۲۱ اور تمہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ خدا نے اپنے رسول محمد مصطفےٰؐ سے مصافحہ بھی کیا ہے۔ اور یہ بات آپ رسول خداؐ نے بیان فرمائی ہے معاذ اللہ

من ذالک۔ یہی گروہ مسلمانوں کا شیعہ کہا جاتا ہے ان کو شیعہ اثنا عشری گروہ سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ جن کے اماموں کی بیان کردہ توحید اس رسالہ میں مندرج ہو گی۔

اس بات کا ثبوت کہ یہودیوں کی کتاب توریت سے تجسیم باری تعالیٰ کا مسئلہ مسلمانوں نے لیا ہے وہ ہے جو آئندہ آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوگا کہ خداوند تعالے کھانا بھی کھاتا ہے جیسا کہ وہیکا پہلے قول نقل ہو چکا ہے کہ خداوند تعالیٰ خوراک کھا کر بڑھتا ہے۔ دیکھو کتاب مقدس مطبوعہ لودیانہ مشن پریس ص ۲۔ ۲۹ پھر خداوند ممرے کے بلوطوں میں اسے (ابراہیم کو) نظر آیا اور وہ دن کو گرمی کے وقت اپنے خیمے کے دروازے پہ بیٹھا تھا اور اس نے اپنی آنکھیں اٹھا کے نظر کی اور کیا دیکھا کہ تین مرد اس کے پاس کھڑے ہیں وہ انہیں دیکھ کے خیمے کے دروازے سے ان کے ملنے کو دوڑا اور زمین تک ان کے آگے جھکا اور بولا کہ اے خداوند مجھ پہ تیری مہربانی ہے تو اپنے بندے کے پاس سے چلے نہ جائیے کہ تھوڑا سا پانی لایا جاوے اور پاؤں دھو کر اس درخت کے نیچے آرام کیجے۔ (کیونکہ معاذ اللہ خدا صاحب چلتے چلتے تھک گئے تھے) اور بٹھایا بھی کہاں؟ درخت کے نیچے اپنے خیمے میں نہ آنے دیا) میں تھوڑی روٹی لاتا ہوں تا تم جی بچائے اس کے بعد جائیے گا۔ کیونکہ اسی لئے اپنے بندے کے یہاں آئے ہیں (یعنی روٹی کھانے۔ واہ رے معرفت۔ خدا کی بھی خوب ہی قدر کی)

اس قدر نقل عبارت توریت کی اہل بصیرت کے واسطے کافی ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہود کو خدائے تعالےٰ کی کس درجہ معرفت حاصل تھی۔ اور ان کے خیالات اس کی نسبت کیا تھے۔ ان کی قوت دماغیہ کہاں تک تھی اور اب بھی جو اسی رائے پر جمے ہوئے ہیں تو کہاں تک ان کا یہ جمود قابل قدر ہے۔ میں نے اس مقام پر صرف اسی قدر نقل کرنا کافی سمجھا ہے۔ کیونکہ آیندہ میرا ارادہ ہے کہ جب تمام دنیا کے مذاہب پر مفصل بحث کروں گا۔ اور ایک مستقل کتاب انشاء اللہ ترتیب دوں گا اور ان کا اسلام سے مقابلہ کروں گا اُس وقت اور بھی باتیں توریت وغیرہ سے دکھائی جائیں گی جو بالکل خلاف عقل ہے۔

عیسائی۔ ان کے قدیم فرقے تین معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ اب دو فرقے الگ ہوگئے ہیں۔ مگر ان سب کے خیالات تقریباً تثلیث پر دائر ہیں۔ پہلا فرقہ ملکائیہ ہے۔ دوسرا نسطوریہ۔ تیسرا یعقوبیہ۔

ملکائیہ کا یہ خیال ہے کہ کلمہ بدن مسیح کی صورت میں ہوگیا۔ اور اُس نے انسانی لباس پہن لیا اور کلمہ کی تعبیر اقنوم العلم کرتے ہیں اور روح القدس کو اقنوم الحیات کہتے ہیں۔ مگر جب تک اقنوم العلم نے انسانی لباس نہیں پہنا تھا۔ اُس وقت خدا کا بیٹا نہیں ہوا۔ جب پہن لیا تو خدا کا بیٹا ہوگیا۔

ان کا خیال ہے کہ مسیح ناسوت (انسان) کلی ہیں۔ قدیم ازلی ہیں۔ قدیم ازلی سے پیدا ہوئے ہیں اور مریم نے خدائے قدیم ازلی کو جنا تھا۔ صلیب

جو دی گئی تھی تو جسم انسانی پر واقع ہوئی۔

لاہوت (ان کی الہیت) پر نہیں واقع ہوئی۔ (کس قدر عجیب بات ہے کہ خدا تو قدیم ازلی ہے۔ جسے اُس نے پیدا کیا وہ بھی قدیم ازلی ہو گیا۔ حالانکہ عقل بتاتی ہے کہ اُسے حادث ہونا چاہیئے نہ قدیم)۔

نسطوریہ کا یہ خیال ہے (جو حکیم نسطور کے پیرو ہیں جس کا ظہور زمانہ مامون رشید عباسی میں ہوا تھا) کہ اللہ تعالےٰ تو واحد ہے مگر اس میں تین اقنوم ہیں ایک وجود۔ دوسرے علم۔ تیسرے حیاۃ (یہاں تک مضائقہ نہیں کیونکہ یہ صفتیں ایک معبود برحق میں ہونی چاہئیں) یہ تینوں اقنوم نہ زاید بر ذات اور نہ عین خدائے تعالےٰ ہیں۔ اور کلمہ (جس سے مراد اقنوم علم ہے) جسد عیسیٰؑ سے متحد ہو گیا مگر نہ بطور امتزاج اور نہ بطور ظہوریت بلکہ بطور اشراق آفتاب کے کسی شیشہ کی شے پر یا جیسے نقش انگوٹھی پر اُبھر آتا ہے۔

ان میں سے اکثروں کا یہی خیال ہے کہ ابن (بیٹا خدا کا) ہمیشہ سے پیدا ہوا تھا (ہمیشہ سے پیدا ہونے کی بھی ایک ہی کہی۔ جو چیز عدم سے وجود میں آئی اور پیدا ہوئی اُس کے لئے ہمیشگی کہاں) یہاں صرف بدن مسیح سے متحد ہو گیا اور اس جسم میں نمودار ہوا۔ جب کہ مسیح پیدا ہوئے۔ اندادہ خدا بھی ہیں اور انسان بھی۔ یہ دونوں ہی دو جوہر۔ دو اقنوم۔ دو طبیعتیں ہیں۔ ایک جوہر قدیم ہے دوسرا جوہر حادث ہے۔ الٰہ تام ہے اور

انسان نام - اس اتحاد نے نہ قدیم کے قدم کو باطل کیا اور نہ حادث کے حدوث کو لیکن دونوں ایک مسیح بن گئے۔ (یعنی واجب الوجود واجب ہی رہا - اور ابن حادث حادث ہی رہا - پھر بھی دونوں مل کر ایک مسیح کی صورت میں نمایاں ہوئے" (سبحان اللہ فلسفہ دانی اتنی تو ہو)-

یعقوبیہ کا یہی خیال ہے کہ اقانیم تین ہیں - اور وہ کلمہ جس سے حضرت مسیح پیدا ہوئے وہی خون اور گوشت بن گیا - لہذا خدا ہی مسیح ہو گیا - اور اُس نے ان کے بدن میں ظہور کیا - بلکہ خدا اور مسیح دونوں ہی ایک ہیں - (ان میں آنو میں کچھ فرق نہیں) ملل ونحل شہرستانی صفحہ ۶۴ - ۶۵ - ۷۶ -

اب میں تھوڑی تھوڑی انجیلوں کی عبارت بھی پیش کروں گا - جس سے ان کے مذہب کی حقیقت بخوبی معلوم ہو جائے گی اور یہ ثابت ہو جائے کہ عیسائی فرقہ ہرگز موحد نہیں ہے جس طرح سے یہ لوگ زمانہ قدیم میں حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا عین خدائے تعالیٰ سمجھتے تھے اُسی طرح اب بھی ان کو معاذ اللہ خدا کا بیٹا ہی سمجھتے ہیں -

چنانچہ انجیل مرقس کا شروع ہی بیان سے ہوا ہے "خدا کے بیٹے یسوع مسیح کی انجیل کا شروع"

انجیل متی باب ۱۲ - آیت ۲۵ - ۲۶ - ۲۷ اُسی وقت یسوع پھر

کہنے لگا کہ اے باپ آسمان اور زمین کے خداوند میں تیری تعریف کرتا ہوں کہ تو نے اُن چیزوں کو داناؤں اور عقلمندوں سے چھپایا۔ اور بچوں پر کھول دیا۔ ہاں اے باپ کہ یونہی تجھے پسند آیا میرے باپ سے سب کچھ مجھے سونپا گیا اور کوئی بیٹے کو نہیں جانتا مگر باپ اور کوئی باپ کو نہیں جانتا مگر بیٹا "

پھر آگے چل کر خود ہی حضرت عیسیٰؑ نے اپنے تئیں ابن آدم کہا ہے۔ جو بالکل خدا کا بیٹا ہونے کے منافی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ انجیل متی باب ۱۲ آیت ۴۰۔ کیوں کہ جب یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا۔

یہ اُس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بعد صلیب کے تین روز تک دفن رہے اور پھر زندہ ہو کر آسمان پر چلے گئے۔

انہیں حضرت عیسیٰؑ کو کہیں معاذ اللہ یوسف نجار کا بیٹا بھی بتایا ہے ملاحظہ انجیل لوقا باب ۳۔ آیت ۲۳۔ اور یسوع آپ برس تیس ایک کا ہوا جب شروع کیا اور جیسا کہ گمان تھا وہ یوسف کا بیٹا تھا اور وہ ہیلی کا "

انجیل یوحنا باب۔ ۱۴۔ آیت ۔ ۱۔ میرے باپ کے گھر میں بہت سے مکان ہیں۔ نہیں تو تمھیں کہتا۔ میں جاتا ہوں تاکہ تمھارے لئے جگہ تیار کروں "

اور اسی انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت عیسٰیؑ اپنے تئیں خدا کا رسول کہتے تھے نہ بیٹا۔ دیکھو انجیل یوحنا۔ باب ۷۔ آیت۔ ۱۶" یسوع نے انہیں جواب میں کہا کہ میری تعلیم میری نہیں بلکہ اس کی ہے جس نے مجھے بھیجا۔

خیر یہ تو تناقضات ہیں جو انجیلوں کی عبارت میں ہیں۔ ہمیں اس سے بحث نہیں مطلب تو یہاں صرف اس قدر ہے کہ عموماً عیسائی لوگ عیسٰیؑ پیغمبر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں حالانکہ یہ صریح الزام ذات پروردگار پر ہے اور جس سے اس کا ممکن الوجود ہونا لازم آتا ہے۔ جو محال ہے۔

اہل اسلام۔ یہ فرقہ بہت سے فرقوں پر منقسم ہو گیا ہے۔ چنانچہ سچے نبی محمد مصطفےٰ نے اس کی پیشین گوئی فرما دی تھی۔ ستفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقۃ کلھا فی النار الا واحد۔ مگر آخری دو بڑی گروہوں پر منقسم ہو گئے۔ اثنا عشری اور سنی۔

سنی فرقے کے بھی بے شمار فرقے ہیں۔ جو کتاب ملل شہرستانی اور ملل و نحل ابن حزم کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مگر ان کے دو تین بڑے فرقوں کے اصول مذہب یہاں بطور نمونہ کے دکھائے جائیں گے جن سے معلوم ہوگا کہ یہ لوگ کس درجہ کے موحد ہیں۔

معتزلہ۔ اس فرقہ کو اگرچہ صاحب ملل و نحل یعنی شہرستانی نے مجوس امت محمدیہ بتایا ہے اور اس پر ایک حدیث بھی جناب رسالتمآب کی

نقل کی ہے۔ اور غالباً صرف اسی وجہ سے کہ یہ فرقہ توحید میں نہایت سچا ہے اور جو حق واجب توحید ہے اُس کا قایل ہے۔ یہ فرقہ خدائے تعالےٰ کو قدیم مانتا ہے۔ صفات خدائے تعالےٰ کو زایدبرذات نہیں سمجھتا۔ بلکہ عین ذات خدا سمجھتا ہے۔ ورنہ تعدد قدما لازم آتے گا جو عقلاً محال ہے۔ کلام خدا کو مخلوق وحادثات بتاتا ہے۔ (اور واقعی ہے بھی یوں ہی کیوں کہ خدائے تعالےٰ نے کلام کو حروف واصوات کی صورت میں پیدا کیا ہے۔ نہ یہ کہ وہ خود کلام ہے۔ یا کلام اُس میں چھپا ہوا ہے) خدائے تعالیٰ کے دیدار کا منکر ہے اسے محال بتاتا ہے۔ خدائے تعالےٰ کو مخلوقات سے مشابہ نہیں بتاتا غرض جو اعلیٰ درجہ کی توحید ہوئی چاہیئے وہ اس فرقہ میں موجود ہے صرف شیعوں میں۔ اور ان میں اگر اصولی اختلاف ہے تو باب امامت میں۔ یہ لوگ ثلاثہ کو خلفائے برحق جانتے ہیں۔ اور شیعہ بموجب نص قرآنی اور احادیث رسول علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو خلیفہ برحق بلا فاصلہ مانتے ہیں

اشعریہ۔ اصحاب ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری۔ کے چند خیال منافی توحید معلوم ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اشاعرہ خدائے تعالےٰ کی ذات اور صفت میں تفرقہ کرتے ہیں اور اس کے صفات کو اُس کی ذات سے علیحدہ ایک چیز قدیم مانتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ تعدد قدما ہے جو عقلاً محال ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا ہی کو فاعل نیک و بد ٹھہرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے

کہ دنیا میں جو کچھ نیک و بد کام بندوں سے ہوتا ہے سب خدا ہی کرتا ہے۔

شہرستانی لکھتے ہیں صفحہ ۱۲۲ جلد ا ملل و نحل۔ قال ابو الحسن الباری تعالیٰ عالم بعلم قادر بقدرۃ حیٌ بحیاۃ۔ مرید بارادۃ متکلم بکلام۔ سمیع بسمع بصیر ببصر" اللہ تعالےٰ علم سے عالم ہے۔ قدرت سے قادر ہے حیاۃ سے زندہ ہے۔ ارادہ سے مرید ہے کلام سے متکلم ہے قوت سامعہ سے سننے والا ہے۔ قوت باصرہ سے دیکھنے والا ہے"

غرض جو طریقے انسان کے کام اور ادراکات کے ہیں بعینہ ویسے ہی خدا کے لئے بھی انہوں نے ثابت کئے ہیں۔

ان کے نزدیک "کلام" خدا کے نفس میں قایم ہے جسے کلام نفسی سے تعبیر کرتے ہیں۔

صفحہ ۱۲۳۔ والکلام عند الاشعری قائم بالنفس سوی العبارۃ بل العبارۃ دلالۃ علیہ من الانسان۔

اس میں خرابی یہ ہے کہ خدائے تعالےٰ کا محل اشیاء کثیرہ ہونا لازم آتا ہے۔ کیوں کہ جب بصارت۔ سماعت۔ قدرت۔ علم۔ ارادہ۔ کلام۔ حیاۃ وغیرہ علیحدہ سے اس کی ذات میں قائم ہوئے تو اس کی ذات ان سب کا محل قرار پائی۔ اب دو حال سے خالی نہیں ہے یا یہ کہ صفات قدیم ہوں گے۔ یا حادث ہوں گے۔ اگر قدیم ہیں تو ایک

چھوڑ گئی قدیم کا وجود لازم آئے گا۔ حالانکہ کئی قدیم نہیں ہو سکتے ورنہ سب کا مرکب ہونا لازم ہو گا اور جب سب کے سب مرکب ہوں گے تو یقیناً سب کے سب حادث ہو جائیں گے۔ پھر کوئی بھی قدیم نہ رہے گا۔ یہاں تک کہ پروردگار عالم بھی حادث ہو جائے گا۔ معاذ اللہ عن ذالک۔

کئی قدیم نہ ہو سکنے کی ایک موٹی دلیل تو یہ ہے کہ جب ہم کسی چیز کو دو یا تین یا چار مثلاً کہتے ہیں جیسے چار گھوڑے تین درخت۔ پانچ آدمی۔ دو قدیم۔ تو ضرور ان میں باہم کوئی چیز ایسی بھی ہے جو سب میں پائی جاتی ہے اور کوئی چیز ایسی بھی ہوتی ہے جس سے وہ ایک دوسرے سے متمائز اور علیحدہ علیحدہ سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً زید۔ عمرو بکر۔ خالد یہ چار آدمی ہیں۔ ان کو چار آدمی کیوں کہتے ہیں۔ اس وجہ سے کہ چاروں میں ایک چیز مشترک پائی جاتی ہے یعنی آدمیت اور انسانیت جیسا زید انسان ہے ویسا ہی عمرو ہے۔ ویسا ہی بکر ہے ویسا ہی خالد انسان ہے لہذا یہ چار انسان ہوئے۔ پھر ان کو چار کیوں کہا گیا۔ زید۔ زید کیوں ہوا عمرو۔ عمرو کیوں ہوا۔ بکر۔ بکر کیوں ہوا۔ خالد۔ خالد کیوں ہوا؟ اسی وجہ سے کہ ان کی صورتیں الگ الگ ہیں۔ ان کی شباہتیں الگ الگ ہیں ان کا طرز گفتگو الگ الگ ہے۔ ان کے قوائے ظاہری و باطنی الگ ہیں۔ غرض اس طرح کی بہت

سی چیزیں ہیں جن سے یہ علیحدہ علیحدہ پہچانے جاتے ہیں۔ اور جن سے یہ چار شخص چار شخص کہے گئے۔ معلوم ہوا کہ ان میں کم از کم دو چیزیں پائی جاتی ہیں ایک تو وہ ہے جو ان سب میں برابر پائی جاتی ہے یعنی انسانیت۔ دوسرے وہ چیز ہے جو سب میں الگ الگ ہے وہ ان کی صورتیں ہیں۔ لہٰذا یہ چاروں ان ان دو چیزوں سے مرکب ہوئے اسی لئے حادث ہیں۔ پس اگر دو یا چار قدیم ہوں گے تو اسی طرح ایک چیز ان میں مشترک ہوگی اور ایک وہ ہوگی جس سے یہ علیحدہ علیحدہ سمجھے جا سکے اور ان میں باہم تمائز ہوا۔ لہٰذا یہ چاروں قدیم ان چیزوں سے مرکب ہو جائیں گے۔ اور ظاہر ہے جو چیز مرکب ہوتی ہے وہ اپنے اجزاء کے وجود سے پیچھے موجود ہوتی ہے۔ دیکھو شربت انار کہاں تھا؟ جب تم نے شکر اور عرق دانہ انار ملایا اور ان کو یکجا کر ترکیب دی تب یہ شربت انار بنا۔ پہلے صرف شکر تھی اور عرق تھا شربت نہ تھا۔ جب دونوں مل گئے تب شربت ہوا۔ لہٰذا شربت بہ نسبت اپنے اجزاء (شکر و عرق) کے پیچھے حادث ہوا۔

پس اگر چند قدیم مرکب پائے جائیں گے تو ضرور وہ اپنے اجزاء کے وجود سے متاخر ہوں گے۔ لہٰذا حادث ہوں گے کوئی بھی ان میں قدیم نہ رہے گا۔ تو اس صورت میں خدائے تعالےٰ کے جو قدیم ہے اس کا بھی حدوث لازم آئے گا اور یہ کہنا پڑیگا کہ ایک وقت میں وہ موجود نہ تھا۔ جب اس کے اجزا مل لئے تب اُس کا وجود ہوا۔ اور جب ایسا ہوا تو ضرور ہے کہ اس کے پہلے کوئی اُن اجزا کا باہم

ملانے والا بھی ہوگا۔ لہٰذا وہ بہ نسبت اُس خدا کے قدیم ہوگا۔ حالانکہ تم نے اسی خدائے مرکب کو قدیم کہا تھا۔

خلاصہ یہ کہ خدائے تعالےٰ جل اسمہ وعز مجدہٗ کی توحید حقیقی اُس وقت عقل کے نزدیک مسلم ہو سکتی ہے جب کہ مان لیا جائے کہ اُس کے سوا کوئی قدیم ازلی نہیں !!!

اور اگر وہ صفات حادث ہیں تو لازم آئے گا کہ کسی وقت خدائے تعالےٰ بے علم بھی تھا۔ بے حیات بھی تھا۔ بے قدرت بھی تھا۔ بے سمع بھی تھا۔ بے بصر بھی تھا۔ حالانکہ کوئی عقلمند اس بات کو خدائے تعالیٰ کی نسبت نہیں کہہ سکتا۔

علاوہ اس کے خواہ تم صفات زائدہ کو قدیم مانو یا حادث جب تم ان کو ذات خدا سے علیحدہ سمجھو گے تو تم کو کہنا پڑے گا کہ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو قدرت سے مدد لیتا ہے۔ جب سننا چاہتا ہے تو سماعت سے مدد لیتا ہے۔ جب دیکھنا چاہتا ہے تو بصارت سے مدد لیتا ہے۔ جب زندہ رہنا چاہتا ہے تو حیات سے مدد لیتا ہے!! یہ کیسا خدا ہوا جو اپنے کاموں میں اور چیزوں کا محتاج ہے۔ یہ کیسا خدا ہے کہ بذاتہ زندہ نہیں ہے بلکہ ایک علیحدہ زندگی سے زندہ ہے تو کیا اس زندگی کے آنے سے پہلے مردہ تھا؟ کیا یہی شان خدائے تعالےٰ کی ہونی چاہئے؟ حاشا وکلا۔

پھر اگر تمام نیک و بد کاموں کا پیدا کرنے والا خدا ہی کو سمجھو تو اُس سے بڑھ کر کوئی بھی ظالم نہ ہوگا۔ کیا تم خدا کو ظالم سمجھتے ہو؟

کیا عقل یہی کہتی ہے کہ خدا ہی خود بندے کے مُنہ سے شراب پئے۔ بندے کے ہاتھوں سے جوا کھیلے بندے کے اعضا سے زنا کرے۔ بندے کے ہاتھ پاؤں سے نماز پڑھے۔ بندے کے ذریعہ سے حج زکوٰۃ وغیرہ ادا کرے اور پھر اُس کو سزا یا جزا بھی دے؟ حالانکہ یہ صریح ظلم ہے۔ خود ہی ہم سے جھوٹ بلوائے۔ اور پھر خود ہی ہمیں سزا دے۔ خود ہی ہم سے جوا کھلوائے اور خود ہی عذاب بھی ہم پر کرے۔ یہ کیسی لغو بات ہے!!

دیکھو اگر کوئی آدمی زبردستی کسی کے حلق میں شراب ڈال دے اور پھر اُس سے کہے تو نے کیوں شراب پی۔ اب تو مارا جائے گا تو ایسے شخص کو لوگ کیا کہیں گے۔ کیا ظالم بے رحم نا انصاف نہ کہیں گے۔ پھر کیا تم خدا کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہو۔ ہرگز یہ خیال عقل کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ بلکہ انسان اپنے فعل آپ اپنے اختیار سے کرتا ہے خدا تعالیٰ نے اُسے ہدایت کر دی ہے یہ نیک کام ہے یہ بد کام ہے اگر اسے کرو گے تو سزا پاؤ گے اگر اُسے کرو گے تو جزا پاؤ گے۔ البتہ آلات ایسے پیدا کر دیئے ہیں جن سے دونوں کام برابر ہو سکتے ہیں۔ یہی ہاتھ ہے اس سے چاہو کسی کو سلام کرو چاہو کسی کو طمانچہ مارو۔ یہی منہ ہے چاہو اس سے جھوٹ بولو چاہو سچ بولو۔ یہی آنکھ ہے چاہے اس سے نامحرموں کو دیکھو چاہے اس سے قرآن کے مضامین کو دیکھ کر اس میں

غور کرو۔ یہی کان ہیں چاہے اس سے گانا سنو، غیبت سنو، چاہے اس سے موعظہ سنو احکام الٰہیہ سنو، یہی پاؤں ہیں چاہے ان سے شراب خانے میں جاؤ چاہے مسجد میں مگر اس نے بتا دیا ہے اگر ایسا کرو گے تو سزا پاؤ گے جہنم میں جلو گے۔ اگر ایسا کرو گے تو جنت میں جاؤ گے جزا پاؤ گے۔

اگر یہ کہو کہ اچھا پھر ایسے آلات ہی کیوں بنائے جن سے دونوں کام ہو سکیں کیوں نہ ایسے بنائے کہ جس سے صرف ایک ہی کام ہو سکتے؟

تو بھائی! اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تمھاری تعریف ہی کیا رہتی۔ اگر تم اس صورت میں نیک ہی کام کر سکتے۔ تو تم ان نیک کاموں کے کرنے پر مجبور ہوتے۔ اور جس سے بہ جبر کوئی کام لیا گیا ہو وہ شخص ہرگز اس کام کے کرنے پر قابلِ داد نہیں ہو سکتا۔ ایک بوڑھا آدمی اگر زنا نہیں کرتا تو اس کی کیا تعریف ہے اس لئے کہ اس کے پاس وہ آلہ ہی نہیں ہے جس سے زنا کرے ایک گونگا آدمی اگر جھوٹ نہیں بولتا تو اس کی کیا تعریف ہے۔ اس لیے کہ اس کے پاس وہ آلہ ہی نہیں ہے جس سے جھوٹ بولے۔ ایک بہرا آدمی اگر غیبت نہیں سنتا۔ یا ایک مفلوج آدمی چوری نہیں کرتا۔ یا ایک اندھا بری نظر سے کسی کو نہیں دیکھتا تو ان کی تعریف ہی کیا۔ اگر ان کے آلات اس قابل ہوتے اور پھر ہدایت خدا پر عمل کر کے ان کاموں کو نہ کرتے تب قابلِ تعریف ہوتے ہاں۔ ایک جوان آدمی جب تمام ظلم و فحش۔ زنا۔ بدنظری۔ جھوٹ۔ غیبت وغیرہ سے بچتا ہے تو لوگ

اُسے کہتے ہیں کیا جوان صالح ہے۔ حالانکہ اُس کے پاس بھی وہ آلات موجود ہیں جن سے وہ ان کاموں کو کرسکتا ہے لیکن حکم خدا کو ملنے کی وجہ سے بُرے کام نہیں کرتا۔ لہذا قابل تعریف ہوا۔

نیز اگر ایسا ہی ہوتا کہ تم سوائے نیک کاموں کے بُرے کام نہ کرسکتے تو انبیاء کا آنا بیکار ہوتا۔ کتابوں کا خدائے تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونا فضول ہوتا۔ کیونکہ یہ سب ہدایت کے واسطے آئے ہیں۔ اور جب تم آپ ہی ایسے ہو کہ ہمیشہ اچھے کام کرتے ہو بُرے کام کرتے ہی نہیں تو ہدایت کے کیا معنے ہوسکتے ہیں اور کیسے ہدایت کی جاتی۔ یہ انبیا تو اسی لئے آئے تھے تاکہ تم کو نیک اور بد راہیں بتادیں اور تمھیں سمجھادیں کہ اگر وہ کروگے جزا کے مستحق ہوگے اگر یہ کروگے سزا کے لائق ہوگے پس اگر خدا ہی تمہارے سب افعال کا خالق ہو تو کس قدر فضول ہوتا ہے۔ انبیا کا آنا اور کتابوں کا نازل ہونا اور اسی طرح اگر تمھارے پاس آلات عمل بد کے ہوتے ہی نہیں تو اُن کا آنا کس قدر لغو ہوتا سمجھو اور غور کرو۔

پھر ابو الحسن اشعری کا یہ بھی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو تکلیف ما لا یطاق دیتا ہے اور دے سکتا ہے یعنی ایسی باتوں کا انسان کو حکم دیسکتا ہے یا دیتا ہے جنہیں انسان کر نہیں سکتا۔

شہرستانی لکھتے ہیں ص ۴۳ ۔ ملل و نحل و تکلیف ما لا یطاق جایز علی مذھبہ یعنی امام اشعری کی رائے بموجب ایسی تکلیف جائز ہے جسے انسان

نہ کر سکے مثلاً پروردگار عالم۔ یہ حکم دے سکتا ہے کہ آدمی آسمان پر اڑ جائے حالانکہ اس کے پاس ایسے پر و بازو نہیں ہیں کہ جن سے وہ اڑ سکے۔ اور جب باوجود اپنی بے بسی کے اس تکلیف محال کو نہ کر سکے تو اسے سزا بھی دیتا ہے۔ کہ تو آسمان پر بغیر پر و بال کے کیوں نہ اڑ گیا۔

کیوں سمجھائیو۔ کیا عقل ایسی ہی باتیں۔ خدائے تعالےٰ جل ذکرہ کی نسبت تجویز کرتی ہے۔ کیا تمھارا عادل پروردگار ایسی ہی صفت کا ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو ہم ایسے خدا کے بندے نہیں ہونا چاہتے جو اتنا بڑا ظالم ہو۔ تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً اللہ اکبر جل جلالہ و عز مجدہ۔

جب تم ایک معمولی عقل کے آدمی کی نسبت یہ تجویز نہیں کرتے کہ وہ کسی کو ناممکن بات کا حکم دے تو خدائے تعالیٰ کی نسبت کیوں کر یہ بات تسلیم کر لی گئی کیا تم کسی آدمی سے کہہ سکتے ہو کہ ایک گھنٹہ میں دلی سے لکھنؤ کو پیدل چلا جا؟ ہرگز نہیں کہہ سکتے کیوں کہ تم جانتے ہو کہ اس کے پاس ایسے آلات نہیں ہیں جن سے وہ تمھارا یہ حکم بجا لا سکے تو کیا پروردگار عالم ایسا حکم دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں !!۔

کتاب عقائد نسفی جو اہل سنت والجماعت کے اعتقادات کا مجموعہ ہے اس میں بھی ویسے ہی اعتقادات ثبت ہیں۔

مثلاً فرماتے ہیں :۔ ولہٗ صفات ازلیۃ قائمۃ بذاتہٖ

وھی لاھو ولا غیرہ[1] وھی العلم والقدرۃ والحیوۃ والقوۃ والسمع و
البصر والارادۃ والمشیۃ والفعل والتخلیق والترزیق والکلام وھو
متکلم بکلام ھو صفۃ لہ ازلیۃ وھو صفۃ منافیۃ للسکوت والآفۃ واللہ تعالیٰ متکلم بہا ص ۱۴۰ شرح عقاید نسفی مطبوعہ
مطبع نظامی۔

پھر ایک مقام پہ فرماتے ہیں:- ورؤیۃ اللہ تعالیٰ جائزۃ فی العقل
واجبۃ بالنقل وقد ورد الدلیل السمعی بایجاب رؤیۃ المؤمنین للہ
تعالیٰ فی الدار الآخرۃ شرح عقاید نسفی۔ عبارت متن موجودہ مطبوعہ مطبع نظامی۔

ان دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ صفات خدائے تعالےٰ نہ زائد
بر ذات ہیں نہ عین ذات اور پھر اصلی ذات واجب الوجود سے الگ بھی نہیں اور علیحدہ

---

[1] اس فقرے میں ایک عجیب بات وہ ہے یعنی ارتفاع نقیضین آج تک کوئی عقلمند اس بات
کا قائل نہیں ہوا کہ ایک چیز ایک ہی وقت میں موجود بھی ہو اور معدوم بھی ہو پھر آخر کوئی شخص کیونکر
یہ بات سمجھ سکتا ہے اگر وہ شے موجود نہیں ہے تو معدوم ضرور ہے اور اگر معدوم نہیں ہے
تو موجود ضرور ہے۔ یہ کیا معنی کہ موجود بھی نہیں معدوم بھی نہیں۔ لاھو ولا غیرہ
کے یہ معنی ہیں کہ صفات پروردگار عالم نہ اس کی عین ذات ہیں نہ غیر ذات" پھر
آخر کیا ہیں؟ تیسری صورت تو ممکن ہی نہیں۔ اس کا جواب اگر کوئی سمجھا دے
تو بہت ممنون ہوں گا۔ ۱۲؎

سے اُس کی ذات میں قائم ہیں ۲۔ خدا کا دیدار ہوگا۔ مومنین قیامت میں خدا کو دیکھیں گے !! حدیثیں بھی اس قسم کی اس شرح میں نقل کی گئی ہیں کہ مومنین خدا کے چہرہ کو جنت میں دیکھیں گے۔ دیکھو شرح عقاید نسفی ص ۱۹۔

جب خدا کے لئے چہرہ ہوا تو ہاتھ پاؤں کان آنکھ ناک بھی ضرور ہوں گے پھر تو خاصہ آدمی ہو گیا خدا کیا ہوا۔

یہ بھی لکھتے ہیں :- واللہ تعالیٰ خالق افعال العباد من الکفر و الایمان والطاعۃ والمعصیۃ۔ شرح عقائد نسفی ص ۲۰ یعنی اللہ تعالیٰ بندوں کے افعال کفر۔ ایمان۔ طاعت اور معصیت کا پیدا کرنے والا ہے۔ یعنی خود ہی کافر بناتا ہے خود ہی لوگوں کو مومن بناتا ہے۔ خود ہی طاعت کرواتا ہے خود ہی گناہ۔ سبحان اللہ کیا معرفت ہے !! اے پروردگار قسم ہے تیری ذات کی تو ایسا نہیں ہے اگر تو واقعی ایسا ہی ہے تو ہم باز آئے تیری خدائی سے تو تو بڑا ظالم نکلا۔ تو خود ہی لوگوں کو کافر بناتا ہے اور پھر آپ ہی ان پر عذاب کرے گا۔ ارے یہ کیسا ظلم ہے۔ تو ہمارے ہاتھوں پر معصیت کو پیدا کرتا ہے اور پھر سزا دیگا۔ پھر تو تو حد کا نامنصف ہے۔ نعوذ باللہ من ہذہ الاقوال۔

اکثر حضرات اہل سنت اس بات کے بھی قایل ہو گذرے ہیں کہ خدائے تعالیٰ بالکل مجسم ہے۔ جیسے آدمی۔ اُس کے گھونگھر والے بال بھی ہیں۔ گوشت خون۔ ہاتھ پاؤں سب ہیں۔ چنانچہ صاحب ملل و نحل لکھتے ہیں ص ۱۳۹۔ ۱۴۰ مطبوعہ بیروت۔

وحکی الکعبی عن بعضھم انہ کان یجوز الرویۃ فی الدنیا یزورھم ویزورھم
وحکی عن داؤد الخوارزمی انہ قال اعفونی عن الفرج واللحیۃ واسالونی
عما وراء ذلک فقال ان معبودھم جسم ولحم ودم ولہ جوارح واعضاء
من ید ورجل وراس ولسان وعینین واذنین ومع ذلک جسم لا کا
جسام ولحم لا کاللحوم ودم لا کالدماء وکذلک سائر الصفات وھو لا
یشبہ شیئا من المخلوقات ولا یشبہہ شئی وحکی انہ قال ھو اجوف
من اعلاہ الی صدرہ مصمت ماسوی ذلک وان لہ وفرۃ سود
آء ولہ شعر قطط۔

یعنی کعبی نے بیان کیا ہے اُن میں سے بعض کا قول ہے کہ وہ تجویز کرتا تھا
خدا کا دیدار دُنیا ہی میں اور یہ کہ وہ اس کی زیارت کرتے ہیں اور وہ ان کی زیارت و
ملاقات کرتا ہے۔ اور داؤد خوارزمی کا قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتا تھا۔
مجھ سے نہ پوچھو کہ خدا کے فرج اور ڈاڑھی ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ اور
سب باتیں مجھ سے پوچھو۔ وہ کہتا تھا کہ آدمیوں کا معبود جسم ہے۔ گوشت
ہے۔ خون ہے۔ اُس کے جوارح و اعضا بھی ہیں۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ سر۔ زبان۔
آنکھیں کان اور باوجود اس کے وہ ایسا جسم ہے کہ اور جسموں کا سا
نہیں ہے۔ اور گوشت ہے مگر اور گوشتوں کا سا نہیں۔ خون ہے مگر اور خونوں کا سا
نہیں اسی طرح اور تمام صفات ہیں۔ اور وہ اپنے مخلوقات سے کسی کے مشابہ نہیں اور نہ کوئی شئی اس کے مشابہ ہے۔ اور یہ بھی اس کا قول بیان کیا گیا ہے کہ وہ اوپر سے چھاتی تک

مشابہتوں کے) مشابہ نہیں ہے۔ اور نہ کوئی اُس سے مشابہ ہے۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتا تھا کہ خدائے تعالےٰ اعلاۓ بدن سے سینہ تک جوف دار ہے اور نیچے سے ٹھوس ہے اور یہ کہ خدا کے گھنے گھنے کالے بال اور گھونگھر والے ہیں۔

اب ان سب مذاہب کے مقابلہ میں ملاحظہ ہو اثنا عشری شیعوں کے اصول کی تعلیم جو توحید کی بابت ہے۔"

ان کی تعلیم ہے کہ صرف ذات خدائے تعالےٰ ازلی اور ابدی ہے اُس کے سوا سب حادث اور عدم سے وجود میں آئے ہیں۔

اُس کا کوئی بیٹا نہیں اُس کی بیٹی نہیں اُس کی بیوی نہیں۔ کیوں کہ وہ ان سب سے غنی بالذات ہے۔ اُس کے لیے جسم و مادہ و صورت و شکل نہیں۔

اُس کا کوئی مکان نہیں۔ وہ عرش پر نہیں بیٹھا ہے۔

اُس کے مانند کوئی نہیں اور نہ وہ کسی کے مانند ہے۔

اُس کے صفات عین ذات ہیں۔ اگر غیر ذات ہوں گے تو تعدد قدما لازم آئے گا جو محال ہے جیسا کہ سابق میں بیان ہوا۔"

غرض اور بہت سے امور تنزیہیہ ہیں جو مختصات شیعہ اثنا عشری ہیں میرا خیال ہے کہ دنیا میں اگر کوئی قوم موحد اور خدائے تعالیٰ کی معرفت رکھتی ہے تو وہ صرف یہی قوم ہے۔

چونکہ دنیا اس بات سے ابھی بہت کچھ ناواقف ہے کہ گروہ شیعہ اہل اسلام کے

مقدسہ کیسے لوگ تھے ان کی زندگی کس قسم سے بسر ہوتی تھی۔ وہ اہل عالم کو کیا سبق سکھاتے تھے۔ اُن سے اہل اسلام کو کیا کیا فائدے پہنچے۔ اس لئے میں نے ارادہ کیا ہے کہ اُن حضرات کی تعلیمات کو دنیا میں پھیلا کے دکھاؤں کہ آیا سچے بندے خدائے تعالےٰ کے یہ لوگ تھے یا کوئی اور قابل تقلید و قابل اطاعت یہ لوگ تھے یا کوئی اور جن کی زندگی دنیا میں صرف اس طور سے بسر ہوئی کہ وہ توحید خدائے تعالیٰ کی تعلیم کرتے رہے۔ احکام الٰہی کو لوگوں تک پہنچاتے رہے۔ علوم مختلفہ کی تعلیم فرماتے رہے کیا طبعیات۔ کیا الٰہیات کیا ریاضیات۔ کیا اخلاق۔ کیا تمدن۔ کیا تدبیر المنزل۔ جس علم میں دیکھو اُن حضرات نے دریا بہا دئے ہیں اور کیسی اچھی تعلیم دی ہے۔ کہ اگر تمام عالم کے فلاسفر جمع ہوں تو اس سے بہتر ایک حرف بھی نہیں بتا سکتے۔ باوجودیکہ یہ بزرگوار دنیا کی طرف سے کیسی کیسی زحمتوں میں رکھے گئے تھے۔ قید کئے گئے۔ زہر پلائے گئے خفیہ نگہبان ہر وقت ان کے گھروں پر موجود رہتا کہ دیکھیں کیا زبان سے نکالتے ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ بادشاہ وقت کے مخالف کچھ کہتے ہیں۔ لوگوں کو ان کے پاس آنے سے روکا جاتا تھا۔ ان کو جانے سے سخت ممانعت کی جاتی تھی۔ تمام خواہشیں اُن کی مسدود کر دی گئی تھیں جیسا کہ ایک مورخ یا تاریخ پر نظر رکھنے والے سے یہ باتیں مخفی نہیں ہیں۔ پھر بھی سوائے علوم حقیقیہ کی تعلیم کے اور کوئی کام نہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان تمام علوم مذکورہ بالا میں اس قدر بیان فرما دیا ہے کہ آج سینکڑوں کتابیں اُن سے بھری پڑی ہیں۔ مگر افسوس کہ نہ تو زمانہ انہیں دیکھتا ہے اور نہ اس کے

پاس قدر دان نگاہ ہے جس سے حق و باطل کا تفرقہ کرے۔

کاش اب بھی زمانہ چوں کہ جب کہ خود غرضیوں کے اسباب تمام مفقود ہو چکے ہیں اور صرف حق و باطل میں سوچ کر تفرقہ ہی کرنا باقی رہ گیا ہے۔ ذرائع تحقیق موجود ہیں فقط دیکھنے اور غور کرنے کی دیر ہے۔

میں سچ کہتا ہوں اگر دنیا ان کی تعلیمات پر خفیف سی بھی نظر کرے تو کبھی ان کے سوا کسی اور کو اپنا پیشوا نہ مانے۔ کیونکہ دراصل اگر کوئی سچا مذہب ہو سکتا ہے تو وہی ہو سکتا ہے جس میں اتنی تنزیہ اور پاکی اور اخلاقی علمی عملی تعلیمیں ہوں اور جن کے ایسے معلم ہوں۔ جو بغیر انسانوں سے تعلیم حاصل کئے ہوئے ایسے ایسے علوم کے ماہر تھے۔

اب میں مختصر طور پر توحید الآئمہ کا ترجمہ ناظرین کے سامنے حاضر کرتا ہوں امید غور فرمائیں اور جو کچھ اس سے نتیجہ نکال سکیں اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں کیونکہ دنیا میں اگر کوئی چیز اہم سے اہم ہے تو وہ صرف مذہب ہے۔ ہر شخص ہوش سنبھالنے کے بعد پہلے اسی پر توجہ کرتا ہے۔ اس لئے کہ اُس کو یہ خیال ہوتا ہے کہ —— مجھ کو اپنے معبود حقیقی کی معرفت حاصل کرنی چاہیئے اور معلوم کرنا چاہیئے کہ اُس کی واقعی مرضی کیا ہے۔ تاکہ اُس پر عمل کر کے اپنے لئے نجات اور آخرت کے عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ حاصل کر سکوں۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا کا ہر مذہب صحیح نہیں ہو سکتا۔ اس سبب سے کہ ان میں باہم اس قدر مخالفت ہے کہ ہر ایک کو سچا کہنا ناممکن ہے

دونوں باتیں کیونکر صحیح ہو سکتی ہیں یا کہ خدا کے بیٹا بھی ہے اور نہیں بھی ہے قابل پرستش اُس کی مخلوقات۔ آگ پانی پتھر وغیرہ بھی ہیں۔ خدائے تعالیٰ جسم بھی ہے اور بغیر جسم کے بھی ہے وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ عقلاً وہی مذہب سچا ہو سکتا ہے جس کی علمی۔ عملی۔ اخلاقی۔ تمدنی الٰہی تعلیم انتہا درجہ کی پاک اور منزہ ہو۔ اب اس کا فیصلہ کہ وہ کونسا مذہب ہے جس میں عمدہ درجہ کی تنزیہ اور پاکی ہے۔ ناظرین خود غور کرنے سے سمجھ سکیں گے۔

اس لئے بطور نمونہ کے تمام مذاہب کے اقوال مختصر طور پر سابق میں دکھلا دیے ہیں تاکہ ہر ایک منصف آدمی کو فیصلہ کرنے کا موقع مل سکے۔

قاعدے کی بات ہے کہ تعرف الاشیاء باضدادھا۔ ہر چیز اپنی مخالف چیز کے دیکھے جانے سے پہچانی جاتی ہے۔ کوئی شخص سیاہی کو سیاہی نہیں کہہ سکتا جب تک یہ نہ جانے کہ اس کے مخالف سفیدی یا سرخی بھی ہے دن کو دن نہیں سمجھ سکتا جب تک اُس کے مقابلے میں رات کو بھی نہ دیکھ لے۔

لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ عنوان رسالہ میں یہ باتیں لکھ دی جائیں اگرچہ مختصر طور پر ہوں تاکہ سیاہ و سفید۔ رات اور دن کا فرق ظاہر ہو جائے۔ اور کسی کو اُس کے بعد عذر کا موقع نہ رہے کہ ہمیں تو معلوم نہ تھا۔

اب آپ اس رسالہ کو ملاحظہ فرمائیں کہ وجود پروردگار عالم اور اس کا قدم اور اُس کی قدرت کس عنوان سے ثابت کی گئی ہے اور کیا اس سے بہتر

دنیا میں کوئی فلسفی تفصیل و تشریح کر سکتا ہے۔

آپ کو ابتدا ہی میں معلوم ہوگا کہ جو شخص در پے اثبات و بیان توحید ہے وہ کتنا بڑا حکیم۔ کتنا بڑا عالم علم نباتات و جمادات و حیوانات اور عالم تشریحات ہے کس طرح کا خوش اخلاق۔ کتنا بڑا واعظ مقرر کیسا حقانیت میں ڈوبا ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے امور الٰہیہ پر غور کرنے کے اور دنیا میں اُسے کوئی کام ہی نہیں تھا اور واقعی ہے بھی ایسا ہی۔

اب میں اُسے شروع کرتا ہوں جس کا وعدہ کر آیا ہوں اور خدائے تعالےٰ سے اس کے اتمام میں مدد مانگتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اسے مقبول خلائق بنا کر مفید خاص و عام کرے۔ آمین ثم آمین۔

یہ حدیث جس کا ترجمہ پہلے شروع کیا جاتا ہے حدیث مفضل کے نام سے مشہور ہے کیونکہ وہ اس کے راوی ہیں۔ اس حدیث میں تمام مخلوقات عالم جمادات نباتات حیوانات۔ افلاک اور سیاروں وغیرہ کی مفصل تشریحیں اور حکمتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور انہیں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ایسی حکمتیں بغیر کسی حکیم مدبر قادر کے پیدا کئے ہوئے نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا یہ اشیائے عالم مبین وجود خدائے تعالےٰ عز اسمہٗ ہیں

⊹ ⊹ ⊹

ترجمہ از بحار الانوار جلد توحید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد بن سنان روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے فضل بن عمر نے بیان کیا ہے کہ میں ایک روز عصر کے بعد جناب رسالت مآب کے روضہ میں قبر و منبر کے درمیان بیٹھا ہوا غور کر رہا تھا کہ پروردگار عالم نے ہمارے سید محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کو کیا کیا شرف و فضائل عطا فرمائے ہیں۔ جسے عوام اُمت نہیں جانتے اور اُن کے غایت فضل و کمال منزلت و عظمت مرتبہ سے ناواقف ہیں ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ابن ابی العوجا (دہریہ اور نیچری آدمی تھا) بھی آگیا اور اتنے فاصلے سے بیٹھا کہ میں اُس کی باتیں سن سکتا تھا۔ پھر اُس کے ساتھیوں میں سے ایک شخص آیا اور اُس کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا۔ ابن ابی العوجا نے یہ گفتگو شروع کی کہ صاحب اس قبر کا کمال عزت تک پہنچ گیا اور شرف و بزرگی کے تمام حصے اس نے پا لئے اور اپنے تمام حالات میں مرتبہ پا گیا۔ اُس کے ہمراہی نے کہا ہاں وہ (محمد مصطفیٰ) ایک فلسفی آدمی تھا۔ اُس نے بڑے مرتبہ کا دعویٰ کیا

کیا اور اس پر ایسے معجزے بھی لایا جن سے عام عقلوں کو حیران کر دیا۔ اور عقلا نے ان کو معلوم کرنے کے لئے فکر کے دریاؤں میں غوطے لگائے۔ مگر پھر بھی ناکام واپس آئے۔ جب اس کی اس دعوت کو عقلا فصحا، خطبائے مان لیا تو عام طور پر لوگ فوج فوج اُس کے دین میں آنے لگے اور جن جن شہروں تک دعوت نبوت پہنچی وہاں وہاں کے عبادت خانوں اور مسجدوں میں ناموس اکبر (خدائے تعالےٰ) کے نام کے ساتھ اُس کا نام بھی شامل ہو گیا۔ اور بلند آواز سے پکارا جانے لگا اس میں نہ تخصیص خشکی کی ہے نہ دریا کی نہ پہاڑی ملکوں کی نہ ہموار ملکوں کی اور بلند آواز سے پکارا جانا بھی کچھ ایک مرتبہ نہیں بلکہ ہر شب و روز میں پانچ مرتبہ اذان میں اور پانچ مرتبہ بکرر مکرر اقامت میں اُس نے اپنا نام خدا کے نام کے ساتھ صرف اس لئے ملایا کہ اُس کی یاد ہر وقت تازی ہوتی رہے اور اس کے کام میں خمول نہ ہو۔ ابن ابی العوجاء بولا محمدؐ کا ذکر تو چھوڑ اُس کے معاملہ میں تو میری عقل حیران ہے۔ اور میری فکر کو رستہ نہیں ملتا۔ اب کچھ اس اصل حال کا ذکر کر جس کے سبب سے محمدؐ کے دین میں لوگ داخل ہوئے ہیں یعنی ہم وہ دگار عالم کا کچھ ذکر کر کہ آیا وہ بھی کوئی چیز ہے یا نہیں پھر اس نے اشیاء عالم کی ابتدا کا ذکر کیا کہ کیوں کہ یہ چیزیں بنیں۔ اور دعویٰ یہ پیش کیا کہ ہر چیزیں کسی کی پیدا کی ہوئی نہیں ہیں کوئی ان کا بنانے والا نہیں کوئی ان کا مدبر و مصلح نہیں بلکہ یہ خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں اور یونہی

دنیا چلی آتی ہے اور چلی جائے گی مفضل کہتے ہیں یہ سُن کر مجھے غصہ کے حرارت سے تاب نہ رہی میں نے کہا اے خدا کے دشمن، خدا کے دین میں کفر کرتا ہے تو نے بالکل اُس پیدا کرنے والے کا انکار کر دیا جس نے تجھ کو اس اچھی صورت میں پیدا کیا ہے اور ایسا تیرا بنیہ قرار دیا۔ اور ایک حال سے دوسرے حال میں نقل کرتا رہا یہاں تک کہ تو اس حالت کو پہنچا (یعنی بچہ سے بڑا ہوا۔ بڑھ کر جوان ہوا۔ جوان ہو کر اب اس سن کو پہنچا) تو اگر صرف اپنے نفس کے متعلق فکر کرتا اور تیرا لطیف حاسہ تیرے ساتھ صداقت برتتا تو ربوبیت کے آثار اور مصنوعیت کے دلائل تجھ کو خود اپنے نفس میں موجود معلوم ہو جاتے اور خدائے تعالیٰ کے وجود کے شواہد و براہین صاف ظاہر ہوتے۔ اُس نے کہا میاں اگر تم ہم گفتگو کر سکتے ہو تو ہم تم سے کلام کریں۔ اگر تمھارے پاس کوئی قائم و ثابت دلیل ہو تو ہم اُسے مان لیں گے اور اگر تم اہل کلام میں سے نہیں ہو تو تمھیں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور اگر تم جعفر بن محمد الصادق کے اصحاب میں سے ہو تو ان کا طرز کلام تو ایسا نہیں ہوتا جیسی تم نے گفتگو کی اور نہ وہ اس طرح کی دلیل سے ہم سے بحث کرتے۔ اُنھوں نے ہماری باتیں اس سے زیادہ سنی ہیں جو تم نے سُنیں لیکن نہ تو گفتگو میں فحش سے کام لیا اور نہ ہم پر جواب دینے میں تعدی و ظلم کیا۔ اور وہ بہت ہی بردبار باوقار عقلمند، پختہ عقل کے آدمی ہیں نہ تو سختی کرتے ہیں نہ اُن کو طیش آتا ہے۔ ہماری گفتگو سنتے ہیں اور نہایت توجہ سے کان لگاتے ہیں۔ اور ہماری دلیلوں کو پوچھتے ہیں یہاں تک کہ جب ہم تمام اپنی دلیلیں

بیان کر چکے ہیں اور ہمیں خیال ہوتا ہے کہ اب حضرت کو چپ کر دیا تو اُسی وقت ہماری حجت و دلیل کو ایک مختصر سے کلام اور چھوٹی سی بات سے باطل کر کے ہمارے اوپر حجت لازم فرماتے ہیں۔ اور ہمارے عذر کو قطع کر دیتے ہیں اور پھر ہم حضرت کے جواب کو رد کرنے پر قادر نہیں ہوتے اگر تم بھی اُن کے اصحاب میں سے ہو تو ویسی ہی گفتگو کرو۔

مفضل! یہ سن کر میں وہاں سے محزون و متفکر نکلا کہ دیکھئے اسلام و اہل اسلام اس فرقہ کے کفر کی وجہ سے کیسی بلا میں مبتلا ہوئے ہیں کہ یہ خدا کو بالکل نہیں مانتے اور جہان کے معطل ہونے کے قائل ہیں!! اور خدمت میں اپنے آقا صلوات اللہ علیہ کی حاضر ہوا آپ نے مجھ کو شکستہ حال دیکھا تو فرمایا تمہیں کیا ہو گیا میں نے جو کچھ ان دہریوں کی باتیں سنی تھیں، اور جس جس دلیل سے اُن کے کلام کو رد کیا تھا۔ عرض کی۔ حضرت نے فرمایا میں تم کو باری تعالےٰ جل عزاسمہ کی وہ حکمتیں جو تمام عالم میں اور درندوں۔ بہایم۔ پرندوں۔ کیڑوں مکوڑوں اور ہر قسم کے جانداروں خواہ حیوان ہوں یا نباتات اور اقسام ثمردار یا بے ثمر اور دانے اور بقولات خوردنی غیر خوردنی میں ہیں ایسی بتاؤں گا جس سے عبرت حاصل کرنے والے عبرت حاصل کر سکیں اور مومنوں کے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور ملحدوں کو حیرت رہ جائے تم میرے پاس کل صبح کو آنا۔

مفضل! یہ سن کر میں نہایت خوش خرم حضرت کی حضور سے واپس آیا اور

انتظار کی وجہ سے وہ شب بہت ہی طولانی معلوم ہوئی کیونکہ مجھے انتظار تھا کہ کسی طرح صبح ہو اور وہ باتیں حضرت سے حاصل کروں۔ جن کا آپ نے وعدہ فرمایا ہے جب صبح ہوئی تو حاضر خدمت ہوا اور اذن طلب کرنے کے بعد حضوری سے مشرف ہو کر باادب سامنے کھڑا ہوا۔ آپ نے بیٹھ جانے کا حکم دیا میں بیٹھ گیا پھر آپ اُٹھ کر ایک حجرے کی طرف چلے جس میں اکثر بغرض تخلیہ تشریف رکھتے تھے میں بھی ساتھ ہی اُٹھا۔ آپ نے فرمایا چلا آ۔ میں پیچھے پیچھے ہو لیا۔ آپ داخل حجرہ ہوئے میں بھی داخل ہوا آپ بیٹھ گئے میں بھی سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا مفضل! گویا میں تم کو دیکھ رہا تھا کہ اس شب گزشتہ میں انتظار کی وجہ سے تم کو کس قدر طولانی رات معلوم ہوئی میں نے عرض کی ہاں مولا ایسا ہی ہے۔

فرمایا: مفضل! خداوند کریم موجود تھا اور کوئی چیز اُس سے پہلے نہ تھی اور وہ باقی رہے گا۔ اور اُس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ پس اُسی کے لئے حمد اس بات پر ہے کہ اُس نے ہمیں الہام کیا اور اسی کے لئے شکر ہے اس بات پر کہ اُس نے ہم کو عطیہ دیا۔ اُس نے ہمیں اعلیٰ علموں کے ساتھ خاص کیا۔ اور روشن علوی مرتبہ کے ساتھ خصوصیت دی اور تمام خلق سے ہمیں اپنے علم کے ساتھ منتخب کیا۔ اور ہمیں ان پر اپنی حکمتیں دیکر امین مقرر کیا۔

مفضل۔ میں نے عرض کی تو کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ جو کچھ آپ بیان فرماتے رہیں میں اُسے لکھتا رہوں۔ اور اُس وقت اپنے ساتھ وہ سامان لایا تھا جس پر میں لکھ سکوں

تو آپ نے فرمایا ہاں ایسا کرو۔

امام علیہ السلام :- اے مفضل! شک و شبہ والوں نے مخلوقات کی پیدائش کے اسباب اور اُس کی باریکیوں کو نہ جانا اور ان کے فہم اُن چیزوں کی حکمت اور درستی کے سمجھنے سے قاصر ہے جو خالق عالم جل قدسہ نے اپنی طرح طرح کی مخلوقات خشکی و تری ہموار ناہموار زمینوں میں پیدا کئے ہیں اور اپنے علم کے قصور کی وجہ سے منکر ہو گئے اور اپنی عقل کی کمزوری کے سبب جھٹلانے لگے دشمنی پر آمادہ ہوئے۔ یہاں تک کہ اشیائے عالم کے پیدا کئے جانے ہی کے منکر بن گئے۔ اور اس امر کا دعویٰ کر دیا کہ یہ تمام چیزیں مہمل و معطل ہیں ان میں کسی کی کاری گری نہیں اور نہ کسی مدبر و خالق کی طرف سے ان میں کوئی حکمت ہے اور نہ اُس نے ان کو کسی مقدار معین پر پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے زیادہ برتر ہے جیسے وہ بیان کرتے ہیں۔ اللہ ان کو قتل کرے کہاں بہکے چلے جا رہے ہیں۔ یہ لوگ اپنی گمراہی اور اندھے پنے اور حیرت میں ان اندھوں کی طرح ہیں جو کسی ایسے گھر میں داخل ہوئے ہوں جس کی بنیاد نہایت مستحکم اور خوبصورت قائم کی گئی ہو اور اس میں اچھے اچھے نفیس فرش بچھے ہوں اور قسم قسم کے کھانے پینے کی اشیاء اور لباس اور ضروری چیزیں جن کی ضرورت پڑ سکتی ہو اور جن کے بغیر چارہ نہ ہو اس میں مہیا کی گئیں ہوں اور ہر شے درستی کے ساتھ اپنے موقع و محل پر حکمت و تدبیر اور اندازہ کے ساتھ رکھی ہوئی ہو اور وہ اندھے اُس مکان میں دائیں بائیں ٹٹولیں

ٹوئیاں کرتے پھرتے ہوں اور اُس کی کوٹھری کو ٹھری میں مارے مارے پھرتے ہوں کبھی آگے کبھی پیچھے۔ آنکھیں تو اندھی ہیں لہذا اس کی عمارت اور اس کے سامان کو نہ دیکھ سکتے ہوں اور جو کبھی آگے کبھی پیچھے۔ آنکھیں تو اندھی ہیں لہذا اس کی عمارت اور اس کے سامان کو نہ دیکھ سکتے ہوں۔ اور جو کبھی ان میں سے کوئی کسی چیز کو پا بھی جائے جو اپنے موقع پر رکھی ہوئی ہے اور ضرورت کے لئے مہیا کی گئی ہے اور وہ اُس غرض کو نہ جانتا ہو کہ یہ اس جگہ کیوں رکھی ہوئی ہے اور کس لئے مہیا کی گئی ہے اور کس مطلب سے اس طرح بنائی گئی ہے تو اُس پر غصّہ کرے اور ناراض ہو اور اُس مکان کو اور اُس کے بنانے والے کو بُرا بھلا کہنے لگے (حالانکہ دراصل یہ اُس اندھے کی بینائی کا قصور ہے) یہی حال اُس فرقہ کا ہے جو معاملہ خلقت اور ثبوت صنعت کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ جب اُن کے ذہن اُن اسباب اور علتوں کے سمجھنے سے قاصر رہے جو ان اشیاء میں ہیں تو تمام جہان میں حیران سرگردان پھرنے لگے اور حسن صنعت اور کمال خلقت اور اُن کے مہیا کرنے کی خوبی کو نہ سمجھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان میں سے کسی چیز سے کوئی واقف ہوتا ہے اور اُس کے سبب کو نہیں جانتا اور نہ اُس کی غرض و احتیاج کو تو جھٹ اُس کی مذمت کرنے لگتا ہے اور کہتا ہے یہ تو محال ہے اور محض غلط ہے جیسے مانویہ فرقہ (یہ مجوسیوں کا ایک فرقہ ہے۔ مانی نامی ایک شخص کی طرف منسوب ہے جس نے شاپور ابن اردشیر شاہ کے

زمانہ میں ایک دین و مذہب نیا نکلا تھا اس کا خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ تو نبی ہیں مگر جناب موسیٰ نبی نہ تھے۔ اور تمام عالم کو دو چیزوں نے پیدا کیا ہے۔

(۱) اچھی چیزوں کو نور نے پیدا کیا ہے،

(۲) اور درندے وغیرہ موذی چیزوں کو ظلمت نے پیدا کیا ہے۔

۔۔ یہی دو خدا ہیں جو نفع و ضرر کی چیزوں کے خالق ہیں) اور نیز اس ملحد سرکش بدکار فرقہ نے علانیہ طور پر کہنا شروع کیا ہے اور ان کے علاوہ گمراہوں نے بھی جنھوں نے صرف یہ کہہ دینے سے کہ فلاں چیز محال ہے ناممکن ہے اپنے تئیں خدا سے دور کر دیا ہے۔

پس جس شخص کو اللہ تعالےٰ نے اُن چیزوں کی معرفت عنایت کی ہو اور اُسے اپنے دین کی طرف ہدایت کی ہو اور مخلوقات کی کاری گری کی تدبیر پر غور کرنے اور اس لطیف اصلاح اور قائم دلیلوں کو عمدہ طور سے بیان کرنے پر جن خوبیوں سے یہ چیزیں پیدا کی گئی ہیں توفیق دی ہو تو اُس پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو اُس کا مولیٰ ہے۔ اس توفیق عطا ہونے پر بہت حمد کرے اور اُس سے اس بات کی خواہش کرے کہ وہ اُسے اس معرفت و قوت بیان پر قائم رکھے اور زیادتی معرفت عطا کرے۔ کیونکہ وہ فرماتا ہے لئن شکرتم لازیدنکم۔ اگر تم میرا شکریہ ادا کرو گے تو میں تمھیں اور زیادہ دوں گا۔ ولئن کفرتم ان عذابی لشدید

اور اگر تم کفرانِ نعمت کروگے، تو جان لو کہ میرا عذاب بہت سخت ہے۔"

اے مفضل: اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے وجود پر پہلی عبرت اور دلیل تو یہی ہے کہ عالم کو کس صورت سے بنایا گیا ہے۔ اس کے اجزاء کیوں کر ترکیب دئے گئے ہیں کس خوبی سے اس کا نظم انتظام ہے۔ اگر تم اس جہان کو اپنے فکر سے تامل اور غور کرو اور اپنی عقل سے ہر ایک کو جدا جدا کرکے سمجھو تو تمھیں معلوم ہوگا کہ یہ عالم ایک ایسے مکان کے مانند ہے جس میں تمام وہ چیزیں موجود ہیں۔ جن کی ضرورت بندوں کو واقع ہوتی ہے دیکھو۔ آسمان تو چھت کے مانند ہے اور۔ زمین ایسی بچھی ہوئی ہے جیسے فرش۔ اور ستارے اس طرح تہ بتہ لگے ہوئے ہیں جیسے مکان میں بہت سے چراغ رکھے ہوں اور اپنے اپنے موقع سے روشن ہوں اور جواہر اس طرح مخزون ہیں جیسے مکان میں خزانے اور ذخیرے ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ ہر شے اپنی اپنی ضرورت کے لئے تیار و موجود ہے۔ اور حضرت انسان اس جہان میں ایسے ہیں جیسے اس مکان کا مالک۔ اور آقا ہو جس کے قبضہ میں وہ تمام چیزیں ہیں جو اس مکان کے اندر ہیں اور مختلف طرح کے نباتات اپنی اپنی ضرورتوں کے لئے موجود مہیا ہیں کوئی حیوانات کی غذا ہی کے لئے۔ کوئی انسان کی دوا کے لئے۔ کوئی محض زینت و آرائش کے لئے کوئی انسان کو خوشبو پہنچانے اور اس کی تفریح کے لئے۔ کوئی حیوانات کی دوا کے لئے۔ کوئی انسانوں کی غذا رسانی کے لئے۔ کوئی صرف پرندوں کے لئے۔ کوئی صرف چرندوں کے لئے وغیرہ وغیرہ) اور قسم قسم کے حیوانات خاص خاص مصلحتوں

اور منافع کے لئے صرف کئے گئے ہیں۔

اس حسن ترتیب وتالیف وجمع وترصیف میں صاف کھلی دلیل اس بات پر موجود ہے کہ تمام جہاں کسی کو پیدا کیا ہوا ہے جس نے ایک مقدار معین پر ان کو خلق کیا اُن میں حکمتیں قرار دیں۔ ان میں انتظام قایم کیا۔ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے مناسبت اور تعلق قرار دیا۔ اور نیز اس بات پر بھی دلیل ہے کہ ان کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے۔ جس نے ان کو اس خوبی سے جمع کیا ہے ترکیب دی ہے۔ ایک کو دوسرے سے منضم کر دیا ہے[له]۔ (وہ جلیل ہے قدوس ہے۔ بلندی والا ہے اس کی ذات کریم ہے۔ اس کے سوا کوئی اللہ نہیں وہ ان منکروں کی باتوں سے کہیں برتر ہے)۔

انسان کی ابتدائی خلقت کی حکمتیں

اے مفضل! ہم اب تمہارے سامنے انسان کی خلقت کے بیان سے ابتدا کرتے ہیں اس سے عبرت حاصل کرو (دیکھو) اس انسان کی خلقت کا پہلا مرتبہ تو وہ ہے جس سے رحم کے اندر جنین کی اصلاح وتدبیر کی جاتی ہے حالانکہ وہ تین قسم کے پردوں میں بند ہے اور تین قسم کی تاریکیوں میں ہے۔ ایک پیٹ کی تاریکی۔ دوسرے رحم کا اندھیرا تیسرے بچہ دان کی تاریکی۔ اور یہ ایسا وقت ہے کہ بچہ نہ تو اپنی غذا کے لئے کوئی تدبیر کر سکتا ہے اور نہ کسی طرح کی تکلیف کو اپنے سے ہٹا سکتا ہے اور نہ کوئی نفع اپنے لئے حاصل

له کیونکہ اگر کئی خالق ہوتے تو جہان کا یہ انتظام قائم نہ رہ سکتا اور اتنی مدت تک ایک ہی سلسلہ باقی نہ رہتا ضرور کچھ نہ کچھ جھگڑا فساد ہوتا اور جہان میں ابتری پھیلتی۔

کر سکتا ہے۔ اور نہ کسی ضرر کو دفع کر سکتا ہے۔ اُس وقت خونِ حیض اُس بچہ کی طرف جاری
کیا جاتا ہے جو اُسے غذا پہنچاتا ہے۔ جیسے نباتات کو پانی غذا پہنچاتا ہے۔ اسی طرح پڑا اس وقت تک
رہتا ہے جب تک اُس کی خلقت پوری نہیں ہو لیتی اور اُس کے بدن کی جلد مضبوط نہیں
ہوتی کہ ہوا کا مقابلہ کر سکے۔ (یعنی ہوا سے اُس کو تکلیف نہ پہنچ سکے) اور اُس کی آنکھ اس قابل
نہیں ہو لیتی کہ روشنی کو دیکھ سکے۔ جب یہ سب ہو لیتا ہے تو اُس کی ماں کو دردِ زہ شدت
سے شروع ہوتا ہے اور اس کو بہت سخت متحرک اور بے چین کرتا ہے یہاں تک کہ بچہ پیدا ہوتا
ہے اور جب بچہ پیدا ہو لیتا ہے تو وہ خون جس سے اس کی غذا پیٹ کے اندر ہوتی تھی ماں کے
پستان کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے۔ تو اس کا ذائقہ بھی بدل جاتا ہے رنگ بھی بدل جاتا ہے اور
وہ کچھ اور ہی قسم کی غذا بن جاتا ہے۔ جو بچہ کے مزاج کے نہایت ہی موافق ہوتا ہے۔ بہ نسبت
خون کے اور جس وقت اُسے ضرورت ہوتی ہے اُس وقت اُس کو پہنچایا جاتا۔ پس جس وقت وہ
پیدا ہوتا ہے اُسی وقت ہونٹوں پر زبان پھرانے لگتا ہے اور لبوں کو حرکت دیتا ہے اس غرض
کہ اُسے دودھ پلایا جائے تو وہ اپنی ماں کی دونوں پستانوں کو ایسا پاتا ہے جیسے دو
مشربے اس کی خوراک کے لئے لٹکے ہوئے ہیں اسی حیثیت سے برابر دودھ سے غذا پاتا
رہتا ہے۔ جب تک اُس کا بدن نرم اور اس کی اعضاء اور آنتیں رقیق اور کمزور رہتی
ہیں یہاں تک کہ جب چلنے پھرنے لگتا ہے اور اُسے ایسی غذا کی ضرورت ہوتی ہے
جو سخت ہو تاکہ اُس کا بدن قوی ہو اُس میں طاقت آوے۔ تو اُس وقت اُس کے ڈاڑھ
کے دانت نکلتے ہیں کہ اُس سے غذا کی چیز کو چبا سکے تاکہ اس کا ہضم ہونا اُس کے لئے

داڑھی کی حکمت

آسان ہو جائے۔ پھر اسی طرح غذا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب جوان ہوتا ہے۔ اگر لڑکا ہوا تو اس کے چہرہ پر بال نکلتے ہیں تاکہ مرد کی علامت اور مردوں کی عزت اس سے حاصل ہو جس سے وہ بچپنے کی حد سے اور عورتوں کی مشابہت سے نکل جاتا ہے۔ اور اگر لڑکی ہوئی تو اس کا چہرہ صاف شفاف رہتا ہے اس میں بال نہیں نکلتے تاکہ تازگی اور حسن اس کا باقی رہے جس سے مردوں کو اس کی طرف رغبت ہو اور بقائے نسل کا باعث ہو سکے۔

تفصیل بیان گذشتہ

اے مفضل! ان تمام مختلف حالتوں میں جس شان سے انسان کی تدبیر و اصلاح ہوتی رہی ہے کیا تم جان سکتے ہو کہ یہ بغیر کسی مدبر اور خالق کے ہوتی رہی ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ اگر یہ خون (خون حیض) اس وقت جبکہ وہ (بچہ) رحم میں تھا اس کی طرف جاری نہ کیا جاتا تو کیا وہ ان نباتات کی طرح خشک نہ ہو جاتا جن کو پانی نہیں ملتا۔ اور اگر درد زہ اسے متحرک نہ کرتا اور اس کے پیدا ہونے کے قابل ہو جانے کے بعد اس کو نکلنے کی تحریک نہ کرتا تو کیا وہ رحم میں اسی طرح نہ دفن ہو جاتا جیسے زندہ بچے زمین میں دفن کر دئے جاتے تھے۔ اور اگر ولادت کے وقت اس کے مزاج کے موافق دودھ نہ ملتا تو کیا بھوکا مر نہ جاتا۔ یا ایسی غذا کھاتا جو اس کے موافق مزاج نہ ہو اور اس کے بدن کی اصلاح نہ کر سکے اور اگر اپنے وقت خاص پر اس کے دانت نہ نکلتے تو کیا اس کو خورش کی چیزیں کھانی اور چبانی اور ان کا ہضم کرنا دشوار نہ ہوتا۔ یا اسے اسی حالت رضاعت پر باقی نہ رکھتا تو پھر نہ تو اس کا بدن مضبوط ہوتا۔ اور

نہ وہ کسی کام کے قابل بنتا۔ اور پھر تو اُس کی ماں اسی کی پرورش اور تربیت میں مصروف رہتی کسی دوسرے بچہ کی تربیت کی اُس کو فرصت ہی نہ ملتی۔

اور اگر اُس کے چہرہ پر اپنے وقت سے بال نہ نکلتے تو کیا بچوں ہی کی ہیئت اور عورتوں ہی کی صورت پر نہ رہجاتا پھر نہ تو اس میں کوئی جلالت ہوتی اور نہ وقار ہوتا (جیسے آپ خواجہ سراؤں کو دیکھتے ہیں ڈاڑھی نہ ہونے کی وجہ سے کیا منڈی صورت معلوم ہوتی ہے)۔

مفضل ۔ میں نے عرض کی یا حضرت میں نے کچھ ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جو اپنی حالت پر باقی رہ جاتے ہیں اُن کے ڈاڑھی نہیں نکلتی اگرچہ وہ بوڑھے بھی ہو جائیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ تو ان کی کرنی کا نتیجہ ہے۔ اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ پس سوائے اُس شخص کے جس نے اس انسان کو پیدا کیا۔ جبکہ یہ معدوم تھا اور اس کے وجود کے بعد اُس کے تمام مصالح کا خود کارکن بنا وہ کون ہے جو اُس کے لئے منتظر رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وقتاً فوقتاً اُس کے ضروریات کو پورا کرتا رہتا ہے۔

اگر اہمال (بے کسی کے پیدا کئے پیدا ہو جانا) ایسی ایسی تدبیروں کے ہوتے ہوئے بھی ہو سکتا تو بالقصد پیدا کرنا اور باندازہ معین خلق کرنا غلطی اور محال سے بھی ہو سکتا کیونکہ یہ دونوں اہمال کے مخالف ہیں حالانکہ ایسا کہنا نہایت ہی

لغو ہے (کہ اصلاح و درستی تو بغیر کسی خالق کے ہو جائے اور خرابی و نادرستی تدبیر و تقدیر خالق کے ہونے سے نہ ہو سکے) اور اُس کا کہنے والا جاہل ہے کیونکہ بے بنائے ہوئے کسی چیز کا پیدا ہو جانا کبھی ٹھیک اور درست نہ ہوگا اور خرابی و تضاد باہمی کبھی انتظام کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ یہ ملحدین جو کچھ کہتے ہیں اُس سے اللہ تعالیٰ بہت برتر ہے۔

اور اگر بچہ با فہم و عقل پیدا ہوتا تو وہ بالکل اس جہان کو پہچانتا ہی نہیں اور مدہوش و حیران رہ جاتا جبکہ وہ ایسی چیزیں دیکھتا جس کو کبھی نہ دیکھا تھا اور اُس کے سامنے وہ جہان کی مختلف طرح کی صورتیں بہائم و طیور وغیرہ کی آتیں جیسی اُس نے کبھی نہ دیکھی تھیں اور اب جنہیں دم بدم اور روز بروز دیکھتا ہے۔

اے مفضل اسے یوں سمجھو کہ جیسے کوئی شخص کسی ایک ملک سے قید ہو کر دوسرے ملک میں جائے اور اُس کی عقل بھی درست ہو تو دیکھو وہ کیسا حیران و پریشان ہوتا ہے نہ تو جلد وہاں کی گفتگو سیکھ سکتا ہے اور نہ وہاں کے اخلاق و آداب کو قبول کر سکتا ہے بخلاف اس کے جو بچے ہی ہیں جبکہ اس کی عقل کامل نہ ہوئی ہو کسی غیر ملک میں قید کر کے پہنچایا جائے تو بہت جلد وہاں کی زبان و وہاں کے اخلاق و انداز سیکھ لے گا۔ اسی طرح اگر بچہ با عقل و ہوش پیدا ہوتا اور یکایک آنکھ کھولتے ہی اس جہان کی عجیب عجیب چیزیں اور مختلف طرح کی صورتیں اور قسم قسم کے اتفاق و اختلافات

بچہ جب پیدا ہوتا ہے محض بے سمجھ ہوتا ہے اس کی پہلی حرکت

دیکھتا تو سخت اچنبھے میں رہتا اور مدت تک اُس کی عقل میں یہ بات نہ آتی کہ میں کہاں تھا۔ کہاں آگیا اور یہ جسے میں دیکھ رہا ہوں کیا ہے۔ خواب ہے یا بیداری کی حالت میں یہ چیزیں دکھائی دے رہی ہیں۔

پھر اگر وہ با عقل و ادراک پیدا ہوتا۔ تو جب اپنے تئیں دیکھتا کہ کوئی گود میں اُٹھائے ہوئے ہے۔ اُس کو دودھ پلایا جاتا ہے۔ اُسے (باقاعدہ عرب) کپڑے کی پٹیوں میں لپیٹا جاتا ہے۔ اُسے گہوارہ میں لٹایا جاتا ہے (کیونکہ بچوں کے لئے یہ سب باتیں ہوتی ضروری ہیں)۔ اس سبب سے ابھی اس کا بدن نرم ہے اور مرطوب ہے تو اُسے کیسی نفرت اور ذلت معلوم ہوتی۔

پھر یہ بھی ہے کہ با عقل و ہوش پیدا ہونے میں دلوں کو اُس سے وہ حلاوت نہ ملتی اور نہ وہ وقعت اس کی لوگوں کو ہوتی جو عام طور پر نادان بچوں کے کھلانے کو دلانے سے ہوتی ہے اور اُن کے بھولے پنے کی وجہ سے دلوں کو ان کی طرف ایک خاص میلان اور رجحان ہوتا ہے۔

لہٰذا وہ دنیا میں اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ کچھ سمجھتا نہیں ہوتا۔ بالکل دنیا و ما فیہا سے بے خبر ہوتا ہے اور تمام چیزوں کو اپنے نہایت کمزور ذہن اور ناقص معرفت سے دیکھتا ہے جس کی وجہ سے اُسے کوئی حیرانی نہیں ہوتی۔

پھر رفتہ رفتہ کم کم کچھ وقتاً فوقتاً اس کی عقل اور معرفت بڑھتی رہتی ہے تاکہ وہ آہستہ آہستہ تمام چیزوں سے مانوس ہو جائے اور اُس کے ذہن کو مشق سے

حاصل ہو جائے اور پھر اس پر قائم رہے اور اسے غور کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ نہ
اس کو حیرت ہو اور پھر باطمینان اپنی عقل و تدبیر سے معاش حاصل کر سکے۔ اس کی
کوشش کر سکے اور عبرت حاصل کرنا اور فرماں برداری اور بھول چوک۔ اور
نافرمانی کو اچھے طرح سمجھ سکے۔

اور دیکھو اس میں اور بھی کئی وجہیں ہیں ۱؎ یہ کہ اگر بچہ باعقل و ادراک
پیدا ہوتا اور خود اپنے کام کو سمجھ سکتا۔ تو اولاد کی پرورش کی حلاوت کا محل نہ رہتا
اور وہ مصلحت جس سے والدین اپنی اولاد کے امور میں ہر وقت مصروف و مشغول
رہتے ہیں فوت ہو جاتی۔ اور نہ والدین کی ان پر وہ مہربانی اور عطوفت باقی رہتی
جو عام بچوں کی ضرورتوں کے موقع پر ہوتی ہے جس سے وہ ان کے لئے تکلیفیں برداشت
کرتے ہیں ۲؎ یہ کہ نہ اولاد کو ماں باپ سے الفت پیدا ہوتی۔ اور نہ ماں باپ کو اولاد سے
اس لئے کہ جب وہ اپنے عقل کی وجہ سے والدین کی تربیت اور داشت سے مستغنی ہیں
تو وہ ان سے وقت ولادت ہی الگ ہو جاتے اولاد ماں باپ سے اور ماں باپ
اولاد سے۔ پھر تو نہ کوئی شخص اپنی ماں کو پہچانتا نہ باپ کو اور نہ وہ اپنی ماں بہن اور
باقی محارم سے نکاح کرنے سے (صحبت کرنے سے) پرہیز کرتا کیونکہ وہ ان کو پہچانتا
ہی نہیں۔

اور کم از کم جو اس میں قباحت ہے حالانکہ وہ سب سے بڑی خرابی ہے
ہے اور نہایت مکروہ ہے اور وہ یہ کہ اگر بچہ باعقل و ادراک، ہوش و حواس ماں کے

پیشتر سے پیدا ہوتا اور وہ اس شے کو دیکھتا جسے دیکھنا اسے جائز نہیں ہے اور نہ اس کے لئے کچھ مناسب معلوم ہوتا کہ وہ اسے دیکھے تو اس کی کیا حالت ہوتی۔

اے مفضل! کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس خلقت کی ہر شے کس انتہائی درستی اور خوبی پر قائم کی گئی ہے اور ہر چھوٹی بڑی چیز اس میں کی غلطی اور خطا سے خالی ہے۔

دیکھو اے مفضل بچوں کے رونے میں کیا نفع اور فائدہ ہے۔ اس بات کو جانو کہ بچوں کے دماغ میں رطوبت ہوتی ہے۔ اگر وہ اس میں رہ جائے تو طرح طرح کی مصیبتیں ان پر پڑیں اور عارضے ان کو لاحق ہوں مثلاً آنکھ ہی جاتی رہے یا کوئی بیماری واقع ہو۔

تو رونا۔ اس رطوبت کو ان کے دماغوں سے بہا دیتا ہے۔ اور اس کے بعد ان کے بدنوں میں صحت پیدا کر دیتا ہے اور ان کی آنکھوں میں سلامتی پیدا کر دیتا ہے۔

کیا یہ بات ممکن نہیں ہے کہ بچہ تو رونے سے فائدہ پاتا ہے اور ان کے والدین اس بات کو نہیں سمجھتے اور اس وجہ سے کوشش کرتے ہیں کہ اسے چپ کرالیں اور اس کی خوشی کے موافق کام کرتے رہیں تاکہ وہ روئے نہیں۔ حالانکہ وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ رونا ہی اس کے لئے اچھا ہے اور اس کا انجام بہتر ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ بہت سی چیزوں میں ایسی منفعتیں ہوں جنہیں یہ دہریئے نہ سمجھتے ہوں۔

بچوں کا رونا

اور اگر وہ اس بات کو سمجھتے تو صرف اپنی جہالت اور عدم علم کی وجہ سے کسی چیز کی نسبت یہ نہ کہتے کہ اس میں فائدہ نہیں کیونکہ جن باتوں کو یہ منکر نہیں سمجھتے اُسے اہل معرفت جانتے ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مخلوق اُس حکمت کو نہیں جانتی اور خالق اُسے اچھی طرح جانتا ہے۔

بچوں کے رال ٹپکنے کا فائدہ

بچوں کے منہ سے جو رال بہتی ہے اُس میں حکمت یہ ہے کہ وہ رطوبت نکلتی رہتی ہے جو اگر بدن میں رہ جاتی تو بڑے بڑے امراض پیدا کر دے۔ جیسے تم اُن آدمیوں کو دیکھتے ہو جن کے مزاج میں رطوبت زیادہ ہے وہ احمق اور مجنوں اور بے عقل ہوتے ہیں اور اس کے علاوہ اور بہت سے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے فالج ہے لقوہ ہے یا اُس کے مانند امراض ہیں۔ تو خدائے تعالےٰ نے یہ مقرر کر دیا ہے کہ وہ رطوبت بچپنے ہی میں اُن کے منہ کے ذریعہ سے بہ جائے جس سے ان کو بڑے ہونے کے بعد صحت رہے۔ یہ پروردگار نے اُن کو ایسی چیز بخشی ہے جس کی حکمت سے یہ ناواقف ہیں اور ان چیزوں میں مہلت دی ہے جسے وہ نہیں جانتے (کہ شاید اب بھی معرفت حاصل کریں اور خداشناس بنیں) اگر یہ لوگ اُس کی تمام نعمتوں کو جانتے ہوتے تو کبھی اتنی مدت تک معصیت میں نہ پڑے رہتے۔ پس اسی کے لئے تسبیح اور پاکی ہے۔ کس قدر اُس کی نعمت بزرگ ہے اور جو اُس کی مخلوقات میں سے اُس کے مستحق ہیں یا نہیں مستحق ہیں اُن سب پر کیسی کامل نعمت ہے۔ اور وہ اُس سے زیادہ بزرگ ہے جسے یہ گمراہ کہتے ہیں۔

اے مفضل! اب ذرا غور کرو کہ جماع کے آلات نر و مادہ میں کیسے مناسب بنائے گئے ہیں۔ نر کے لئے تو ایسا آلہ بنایا ہے جو ابھر سکتا ہے تاکہ نطفہ رحم تک پہنچ سکے کیونکہ اُسے اس بات کی ضرورت ہے کہ اپنا نطفہ کسی دوسری چیز میں ڈال سکے (اس لئے کہ نر سے تو بچہ پیدا نہیں سکتا لامحالہ اُس کو ضرورت ہوئی کہ مادہ کے رحم تک نطفہ پہنچائے تاکہ بچہ ہو سکے) اور مادہ کو ایک گہرا ظرف دیا گیا (یعنی رحم) جو دونوں (نر و مادہ) کے نطفوں کو اچھی طرح جمع کر سکے اور بچہ کا تحمل کرے اور اس کے لئے پھیلتا رہے (جس قدر بچہ بڑھتا رہتا ہے اُسی قدر رحم پھیلتا جاتا ہے تاکہ بچہ کو تنگی نہ ہو) اور اس کی حفاظت کرے یہاں تک کہ وہ قوی و مستحکم ہو جائے۔ کیا یہ بات کسی باریک بین حکیم کی تدبیر نہیں ہے؟ (اور کیا یہ سب حکمتیں آپ سے پیدا ہو گئی ہیں اور یہ لطیف مناسبتیں خود بخود ہو گئی ہیں) !! اللہ تعالیٰ پاک ہے اور مشرکین کے شرک سے بری ہے۔

آلاتِ جماع کی ضرورت و حکمت

اے مفضل! غور کرو جسم کے اعضا میں، اور اس امر میں کہ ہر ایک ان میں کس ضرورت کے لئے بنایا گیا ہے۔ اور اس میں کیا اصلاح و تدبیر کی گئی ہے۔ دیکھو دونوں ہاتھ تو کام کرنے کے لئے ہیں اور دونوں پاؤں چلنے کے لئے اور دونوں آنکھیں راہ دیکھنے کے لئے۔ اور منہ غذا کھانے کے لئے، معدہ ہضم کے لئے۔ اور جگر غذا کا لب لباب نکال لینے کے لئے۔ (تاکہ اس سے خون، صفرا، سودا اور بلغم بنا سکے اور تمام جسم کو تقسیم کرے) اور سوراخ اس لئے کہ ان میں سے فضلہ دفع ہو سکے۔ اور آنتیں ان کی متحمل رہنے کے لئے اور فرج

ہر عضو کی ضرورت جس کے لئے وہ بنایا گیا اور لطافتیں

بقائے نسل کے لئے اور علیٰ ہذالقیاس تمام اعضاء ہیں کہ اگر ان میں غور کرو گے اور اپنی فکر سے کام لو گے تو ہر ایک عضو کو ایسا پاؤ گے کہ وہ کسی خاص کام کے لیے نہایت درستی اور حکمت کے ساتھ بنائے گئے ہیں۔

مفضل:۔ میں نے عرض کی آقا! کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ سب باتیں طبیعت سے پیدا ہوتی ہیں اور در اصل یہ طبیعت کا فعل ہے (یعنی جس طرح اس شئے کی طبیعت مقتضی ہوتی ہے ویسے ہی اس کے آلات بن جاتے ہیں۔

امام علیہ السلام۔ اچھا تو ان سے پوچھو کہ یہ طبیعت جس کے یہ افعال باحکمت و باتدبیر ہیں آیا وہ علم اور قدرت بھی رکھتی ہے یا محض بے شعور و بے ادراک ہے اُس میں نہ قوت ہے نہ علم۔ اگر وہ یہ کہیں کہ اس میں علم اور قدرت ہے تو پھر انہیں خالق کے ماننے سے کیا چیز روکتی ہے؟ اسی کو تو ہم خالق کہتے ہیں جو علم اور قدرت والا ہو ہم یہ کہتے ہیں کہ ان تمام چیزوں کو کسی علم اور قدرت والے نے پیدا کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ ان کا کوئی خالق نہیں تو جب طبیعت علم و قدرت والی ہوگی اور اس نے یہ افعال باحکمت و تدبیر کئے تو ان اشیاء کی پیدا کرنی والی ہوئی۔ حالانکہ وہ پیدا کرنے والے کو مانتے ہی نہیں) اور اگر وہ یہ کہیں کہ طبیعت بے علم و قدرت کے ایسی ایسی چیزیں پیدا کر دیتی ہے (یعنی نہ وہ جانتی ہے کہ میں کیا کر رہی ہوں اور نہ اُسے اُس کام کی قدرت ہے جسے وہ کر رہی ہے) اور اس کے کاموں میں اس اس قسم کی حکمت و تدبیر ہے جسے تم دیکھ رہے ہو (تو چونکہ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ ایک شئے کو کام کرنے

کرنے کی قدرت بھی نہ ہو اور نہ اُسے اُس کام کا ادراک ہو پھر بھی وہ اُسے کرے) لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ فعل کسی حکیم پیدا کرنے والے کا ہے اور جسے یہ لوگ طبیعت کہتے ہیں وہ صرف اُس کا بنایا ہوا ایک قاعدہ ہے جسے اُس نے اپنی مخلوقات میں حکمت سے جاری کر دیا ہے۔

(یعنی) اللہ تعالےٰ نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ ہر چیز کو اُس کے اسباب اور علّت سے پیدا کرے مثلاً پانی سے دانہ اُگاتا ہے۔ اگر مینہ نہ برسے تو غلّہ نہ پیدا ہو۔ مجامعت زن و شوہر سے بچہ پیدا کرتا ہے اگر مرد و عورت ہم صحبت نہ ہوں اور نطفہ رحم تک نہ جائے تو بچہ نہیں ہو سکتا بخارات سے ابر پیدا کرتا ہے اور ابر کو ہوا سے متحرک کرتا ہے۔ تاکہ مینہ برسے اگر یہ نہ ہو تو مینہ نہ برسے یہ ہر بات اُس سے یہ سمجھے کہ دراصل یہی اسباب و علل اور طبیعت خالق ہے۔ ان کے علاوہ کوئی اشیائے عالم کا خالق نہیں حالانکہ یہ صریح غلطی ہے کیونکہ صرف پانی جو بے روح ہے وہ کس طرح غلّہ پیدا کر سکتا ہے جب تک اُس میں کوئی اثر دینے والا اثر نہ پیدا کرے اور نطفہ کیوں کر بچہ پیدا کر سکتا ہے اگر کوئی حکیم مدبّر اُس میں یہ قوت نہ پیدا کرے کہ اُس کے ایک حصّہ سے سر بنے اور ایک حصّہ سے ہاتھ پاؤں بنیں اور ایک حصّہ سے ہڈیاں بنیں ایک حصّہ قلب و جگر وغیرہ بن سکیں صرف نطفہ جو ایک بے ادراک چیز ہے وہ کیا کر سکتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور چیزیں بھی ہیں۔)

اے مفضل۔ ذرا اس بات میں غور کرو کہ بدن کے اندر غذا کیونکر پہنچتی ہے اور اس میں کیا کیا حکمت و تدبیر ہے۔

دیکھو کھانا جب معدہ میں جاتا ہے تو معدہ اُس کو پکاتا ہے اور اس کا لب لباب

تقسیم غذا کی کیفیت

جگر کی طرف اُن باریک رگوں کے ذریعہ سے جو جگر کے اندر جال ار سی بنی ہوئی ہیں پھینک دیتا ہے (جسے اطباء کیموس کہتے ہیں) یہ معدہ مثل مصفی غذا کے بنایا گیا ہے کہ غذا کو صاف کرکے جگر میں بھیجتا ہے تاکہ جگر میں کوئی ایسی چیز نہ پہنچ جائے جو اُسے زخمی کر دے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ جگر ایک نرم چیز ہے سختی کا تحمل نہیں کر سکتا۔

[illegible]

پھر جگر اُس غذائے حاصل شدہ اور لب لباب کو لے لیتا ہے تو وہ ایک نہایت ہی باریک حکمت سے خون بن جاتا ہے۔ اور اُن نالیوں (رگوں) کے ذریعہ سے تمام بدن میں پہنچ جاتا ہے جو اس کام کے لئے بنائی گئی ہیں۔ جیسے پانی کے لئے نالیاں بنائی جاتی ہیں کہ تمام زمین تک پہنچ جائے۔ (جہاں تک پہنچانا مقصود ہے۔ جیسے آپ کھیتوں میں دیکھتے ہیں یا باغوں میں کہ ادھر سے اُدھر نالیاں بنی ہوئی ہیں اور انہیں چھوٹی چھوٹی نالیوں سے پانی تمام کھیت اور باغ میں پہنچتا ہے) اور فضلا اور خبیث چیزیں ان مقامات کی طرف بہہ جاتی ہیں جو خاص انہیں فضلات کے جمع کرنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔ (مثلاً مثانہ۔ امعا۔ پیچ ران۔ بغل وغیرہ)۔

پس جو کہ از قسم صفرا ہوتا ہے وہ تو پتہ میں چلا جاتا ہے اور جو از قسم سودا ہوتا ہے وہ طحال کی طرف اور جو نمی اور تری ہوتی ہے وہ مثانہ کی طرف بہہ جاتی ہے۔

پس غور کرو اے مفضل کہ ترکیب بدن میں کیا حکمت ہوئی ہے اور یہ اعضا کس طرح اپنے اپنے موقعوں پر قائم کئے گئے ہیں اور یہ ظروف (آنتیں اور مثانہ وغیرہ) کیونکر تیار کئے گئے ہیں کہ فضلوں کو اپنے میں جمع کریں تاکہ تمام بدن میں یہ فضلے نہ پھیلیں جس سے جسم میں بیماری

اور لاغری پیدا ہو۔

پس مبارک ہے وہ جس نے ایسے اچھے انداز سے اور محکم تدبیر سے ان اعضاء کو پیدا کیا اور اُسی کے لئے وہ حمد ہے جس کا وہ مستحق اور جس کے لائق ہے۔

مفضل: میں نے عرض کی مجھ سے اب آپ بدن کا نشوونما جو وقتاً فوقتاً اُس کے پورے اور کامل ہو جانے تک ہوتا رہتا ہے۔ بیان فرمائیے۔

مراتبِ نشوونما کا ترتیب

انسان کیونکر ترقی کر کے حیوانات سے اشرف ہے

امام علیہ السلام: پہلا مرتبہ اس نشوونما کا وہ ہے جبکہ جنین کی صورت رحم میں بنتی ہے ایسے وقت میں کہ نہ اُس کو آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ کسی کا ہاتھ وہاں تک پہنچ سکتا ہے۔ اور پھر اس کی تدبیر ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ کامل آدمی بن کر اور تمام وہ اعضاء و جوارح و دل و جگر و امعاء تمام کارکن اعضاء جو ترکیب بدن میں داخل ہیں مثلاً ہڈیاں۔ گوشت۔ چربی۔ مغز۔ پٹھے۔ رگیں۔ اور غضروفیت ان کو پورا اور کامل کئے ہوئے پیدا ہوتا ہے۔ پھر جب اس عالم میں آتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ کیونکر وہ مع اپنے تمام اعضاء کے نمو کرتا ہے اور بڑھتا ہے۔ حالانکہ وہ اپنی اس صورت اور ہیئت پر باقی رہتا ہے نہ کچھ گھٹتا ہے نہ بڑھتا ہے (یعنی نہ اُس کے اعضا میں انفصال ہوتا ہے جس سے یہ سمجھا جا سکے کہ اس میں کوئی جوڑ لگایا گیا یا گوشت کا پیوند کیا گیا اور نہ کوئی جزو زائد اس میں سے نکل جاتا ہے بلکہ بدن اسی طرح متصل رہتا ہے اور پھر اُس میں نشوونما ہوتا رہتا ہے) یہاں تک کہ وہ اپنی پختگی تک پہنچتا ہے خواہ اُس کی عمر دراز ہو یا اپنی مدت عمر اس سے پہلے ہی پوری کر دے۔

کیا یہ نہایت باریک تدبیر اور حکمت نہیں ہے؟ (جسے کسی حکیم مدبّر نے کمال حکمت سے کیا ہے)۔

اے مفضل! غور کرو کہ انسان کو اس کی خلقت میں اور بہائم وغیرہ پر کیا فضیلت اور شرف دیا گیا ہے۔ یہ سیدھا اور کھڑا پیدا کیا گیا ہے اور کیسا برابر ہو کر بیٹھتا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ تمام چیزوں کو اپنے ہاتھوں سے لے سکے اور اپنے اعضاء سے اُسے حاصل کر سکے۔ کام کرنا اور تدبیر کرنا اُسے ممکن ہو۔ اگر جھکا ہوا اوندھا بنایا گیا ہوتا جیسے چوپائے ہیں تو کبھی اُس سے وہ کام نہ ہو سکتے جو اب کر سکتا ہے۔

غور کرو اے مفضل! ان حالتوں کی طرف جو خاص طور پر آدمی میں پیدا کئے گئے ہیں اور ان سے اُسے شرافت دی گئی ہے۔ اور اوروں کو وہ شرف حاصل نہیں (یعنی یہ حاسے جس اندازہ اور جس انداز اور جس ترکیب سے انسان میں ہیں باقی حیوانات میں نہیں ہیں بلکہ دیگر حیوانات کے حاسوں کی ساخت اور ترکیب دوسرے عنوان سے ہے)۔

آنکھیں سر میں اس طرح بنائی گئی ہیں جیسے چراغدان پر چراغ رکھا ہوتا ہے تاکہ ہر چیز کو دیکھ سکے۔ یہ آنکھیں سر کے نیچے کے اعضا میں نہیں بنائی گئیں۔ ہاتھوں میں آنکھ نہیں بنائی گئی۔ پاؤں میں نہیں بنا دی گئیں جس سے اُس کو آفتیں پیش آتیں اور کام کرنے اور حرکت سے وہ باتیں پیش ہی پیدا ہو جائیں جو اُسے بیکار کر دیں اور اس میں اثر کریں اور اُسے نقصان پہنچائیں۔

وسط بدن میں آنکھیں نہیں بنائی گئیں۔ جیسے پیٹ پیٹھ سینہ وغیرہ ہے کیونکہ اگر ان مقامات میں آنکھیں بنائی جاتیں تو اُسے گردش دنیا اور چیزوں کو جھک کر دیکھنا دشوار ہوتا۔ تو جبکہ ان اعضا میں سے کوئی عضو آنکھوں کے لئے مناسب نہ ہوا تو سر ہی اچھا

اچھا مقام ان حواس کے لئے قرار پایا اور وہ ان حواس کے لئے بمنزلہ صومعہ کے بنایا گیا ہے۔

پھر حواس (اسی طرح) پانچ بنائے گئے تاکہ پانچ چیزوں کو محسوس کر سکیں اور محسوسات میں سے کوئی چیز ایسی نہ رہے جسے وہ معلوم نہ کر سکے۔

آنکھیں تو اس لئے بنائی گئیں کہ ہر طرح کے رنگ کو معلوم کرنے پس اگر رنگ موجود ہوتے اور آنکھیں نہ ہوتیں جو انہیں محسوس کرے تو ان رنگوں کے موجود ہونے میں کوئی فائدہ نہ ہوتا کیونکہ یہ رنگ صرف اس لئے ہیں کہ باہم اشیاء میں ان کی وجہ سے تمیز ہو اور یہ کہ آنکھوں کو ان سے تمیز حاصل ہو یا ان کو دیکھ کر فرحت حاصل کر سکے۔

اور کان اس لئے سر میں قرار دیئے گئے ہیں کہ آوازوں کو محسوس کر سکیں اگر آوازیں ہوتیں اور کان نہ ہوتے جو انہیں سمجھتے تو آوازیں بالکل بیکار ہوتیں۔

علیٰ ہذا القیاس اور حاسوں کو (مثلاً اگر ذائقہ کی چیزیں موجود ہوتیں اور قوت ذائقہ نہ ہوتی تو یہ تمام مزے بیکار ہوتے اور اگر گرمی۔ سردی۔ نرمی سختی مثلاً موجود ہوتی اور حاسہ لامسہ نہ ہوتا تو ان کا وجود بیکار ہوتا۔ اگر خوشبودار چیزیں موجود ہوتیں اور قوت شامہ نہ ہوتی تو تمام خوشبوئیں فضول ہوتیں۔

پھر اس کا عکس بھی اسی طرح ہے کہ اگر آنکھیں ہوں اور دنیا کے رنگ نہ ہوں تو آنکھیں بیکار ہیں۔ اور اگر کان موجود ہوں اور آوازیں نہ ہوں تو کان کا کوئی فائدہ نہیں تو دیکھو کس طرح ایسا مقدر کر دیا ہے کہ ایک چیز دوسرے کو محسوس و معلوم کرے۔ اور ہر ایک حواس کے لئے ایک خاص محسوس مقرر کر دیا جو اس میں اپنا عمل کرے اور ہر محسوس کے

ملے یا خاص کر ان کی ذات کے لئے [illegible]

واسطے ایک حاسہ بنا دیا ہے جو اُسے محسوس کرے (مثلاً آواز صرف کان ہی سے سنی جا سکتی ہے۔
آنکھ اُسے محسوس نہیں کر سکتی۔ آنکھیں صرف رنگوں اور شکلوں کو دیکھ سکتی ہیں آوازوں کو
نہیں سن سکتیں۔ ناک۔ خوشبو اور بدبو ہی کو محسوس کر سکتی ہے نہ رنگ اور آواز کا ادراک
نہیں کر سکتی اور علیٰ ہذا القیاس)۔

اور پھر کچھ چیزیں ان حواس اور محسوسات کے درمیان واسطہ بھی قرار دی گئی ہیں
جن کے بغیر حاسہ کچھ نہیں کر سکتا۔ مثلاً روشنی اور ہوا کہ اگر روشنی نہ ہو جو رنگ کو آنکھوں کے سامنے
ظاہر کر سکے تو آنکھیں کبھی رنگ کا احساس نہیں کر سکیں۔ اور اگر ہوا نہ ہو جو آواز کو کان تک
پہنچاتی ہے تو کان کبھی آواز کا ادراک نہیں کر سکتے۔

تو کیا اے مفضل، جس شخص کی عقل صحیح ہو اور وہ اپنی فکر سے کام لے اس پر یہ بات
چھپی رہ سکتی ہے کہ جو کچھ میں نے تم سے بیان کیا کہ حواس اس لئے بنائے گئے اور محسوسات اس
طور پر پیدا ہوئے جو ایک دوسرے کو محسوس کرتے ہیں اور ان کے واسطے کچھ چیزیں واسطہ بھی
قرار دی گئیں جن سے حواس کا عمل پورا ہوتا ہے بغیر کسی باخبر یا نیک بنانے والے کی تدبیر اور قصد
کے بن گئے اور اس میں کسی خالق کا کچھ اثر نہیں ہے (کہیں آپ سے آپ ایسے مناسبات
اور ایسی حکمتیں پیدا ہو سکتی ہیں بھلا طبیعت کیا سمجھ سکتی ہے کہ آنکھ اس طرح بنائی جائے اور
کان اس طرح اور فلاں چیز فلاں سے محسوس کرے۔ اور فلاں چیز فلاں کو اور بغیر
واسطہ اور ذریعہ کے نہیں ہو سکتا لہٰذا واسطے بھی پیدا کر دیئے کیونکر طبیعت لاشعور سے
سے یہ بات ممکن ہے؟ جب تک کوئی مدبر ان باتوں کو نہایت حکمت کے ساتھ سمجھ کر

نہ بنائے)۔

غور کرو۔ اے مفضل! اُس شخص کے حال پر جس کی آنکھیں نہیں ہوتیں تو اُس کے کاموں میں کیا خلل پڑتے ہیں۔ نہ تو وہ اپنے پاؤں رکھنے کی جگہ کو دیکھ سکتا ہے نہ کہ کہاں قدم پڑا کہاں نہیں بلندی ہے یا پستی ہے گڑھا ہے یا غار ہے وغیرہ وغیرہ اور نہ اپنے سامنے کی چیزوں کو دیکھ سکتا ہے اور نہ وہ رنگوں کو دیکھ سکتا ہے اور نہ اچھی بُری شکل کو۔ اگر کوئی گڑھا سامنے آجائے تو اُسے نہیں دکھائی دیتا۔ یا اگر کوئی دشمن تلوار لے کر اُس کی طرف متوجہ ہو تو اُسے نہیں معلوم ہوتا۔ اور نہ اُس کو تجویز، تجارت، اور زیور سازی وغیرہ صنعتوں کے کام کی راہ معلوم ہوتی ہے (کیونکر ان کاموں کو کرے) یہاں تک کہ اگر اُس کا ذہن (اور دماغ) کام نہ کرے تو وہ ایسا ہی ہوگا جیسے ایک پتھر پڑا ہوا ہے (البتہ اُس کا ذہن کچھ اُسے راہیں بتا سکتا ہے جس سے بغیر آنکھ کے بھی چل پھر سکتا ہے)۔

علیٰ ہٰذا القیاس جس کے کان نہ ہوں تو اُس کے بہت سے کاموں میں خلل پڑ جاتا ہے اُس کو گفتگو وکلام کا ذائقہ ہی نہیں ملتا اور نہ دردناک یا طرب انگیز آوازوں کی لذت اُسے محسوس ہوتی ہے اور لوگوں کو اُس سے کلام کرنے میں سخت دقت اُٹھانی پڑتی ہے یہاں تک کہ وہ اُس سے تنگ آجاتے ہیں اور وہ لوگوں کی خبریں اور باتیں ہی نہیں سُن سکتا۔ حالانکہ وہ موجود اور زندہ ہے جیسے کوئی غائب آدمی خبروں سے واقف ہوتا ہے۔ یا جیسے کوئی مردہ ہے کہ لوگوں کی باتیں نہیں سُن سکتا۔

لیکن جس کی عقل ہی نہ ہو وہ تو جانور کے مانند ہے بلکہ یہ شخص بہت سی ایسی خبریں

نہیں سمجھ سکے گا۔ جیسے بہائم سمجھتے اور جان سکتے ہیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ اعضاء و جوارح اور عقل اور تمام وہ چیزیں جن سے انسان کی اصلاح ہے اور جو ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو کتنا بڑا خلل اور ضرر اس کو پہنچے کس طرح اُس کی خلقت کو کامل بناتی ہیں اور کوئی ان میں سے کامل جسم انسان سے مفقود نہیں ہوتی تو کیا یہ سب چیزیں بے علم و ضرورت و بے اندازہ پیدا ہو گئیں (ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ ضرور کسی مدبر نے علم و اندازہ کے ساتھ ان کو بنایا ہے۔)

مفضل: میں نے عرض کی تو پھر بعض آدمیوں میں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ اُن کے بعض اعضاء و جوارح نہیں ہوتے اور ان کو اُس سے وہی نقصانات پہنچتے ہیں جنہیں آپ نے بیان فرمایا۔

امام علیہ السلام: یہ اُس شخص کی تادیب و تنبیہہ کے لئے ہے جس میں ایسا ہوتا ہے اور نیز غیروں کی تنبیہ و نصیحت کے لئے جیسے بادشاہ لوگوں کو سزا دیتا اور نصیحت کی غرض سے تنبیہ کرتا ہے اور یہ تنبیہ اُن کی بُری بھی نہیں سمجھی جاتی (کیونکہ اگر سزا دینا کا قانون اُٹھا دیا جائے تو خلقت سرکش ہو جائے) بلکہ ان کی تعریف کی جاتی ہے اور ان کی اس تدبیر کو ٹھیک سمجھا جاتا ہے۔

پھر جن لوگوں پر یہ بلا پڑتی ہے انہیں مرنے کے بعد اس قدر ثواب ملے گا۔ بشرطیکہ وہ اس خدا کا شکر ادا کرتے رہیں اور اُسی کی طرف رجوع کریں کہ جس کے سامنے وہ تمام مصیبتیں جو ان اعضا کے نہ ہونے کی وجہ سے اُن پر پڑتی ہیں حقیر معلوم ہوں گی یہاں تک

که اگر ان کو مرنے کے بعد اختیار دیا جائے تو وہ اس بات کو پسند کریں گے کہ انہیں بلادوں میں لوٹا دیا جائے تاکہ زیادہ ثواب پائیں۔

غور کرو اے مفضل! اُن اعضاء و جوارح میں جو ایک ایک پیدا کئے گئے اور دو دو اور دیکھو کہ اس میں حکمت کیا ہے اور کیا اندازہ ہے اور کیا درستی تدبیر ہے۔

سر ایک ہی کیوں پیدا کیا گیا؟

دیکھو سر اُن اعضا میں سے ہے جو ایک ہی پیدا کیا گیا۔ اور انسان کے لئے ہرگز مناسب بھی نہیں تھا کہ اس کے دو سر یا زیادہ بنائے جاتے۔

کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اگر ایک سر کے ساتھ دوسرا سر اور لگا دیا جاتا تو اُس پر ایک بوجھ ہو جاتا حالانکہ اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ تمام حاسے جن کی ضرورت انسان کو ہے وہ سب کے سب ایک ہی سر میں موجود ہیں۔

پھر اگر دو سر ہوتے تو ایک آدمی کے دو حصے ہو جاتے پس اگر وہ ایک ہی سے گفتگو وغیرہ کرتا تو دوسرا محض بیکار ہوتا جس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اگر دونوں سے ساتھ ہی ایک ہی قسم کی گفتگو کرتا تو ایک فضول تھا کیونکہ دونوں سے وہی بات حاصل ہوتی جو ایک ہی سے ممکن تھی پھر دوسرے سے گفتگو کرنے کی کیا ضرورت رہی۔ محض فضول ہوا۔ اور اگر ایک سے کچھ گفتگو کرتا مثلاً اور دوسرے سے کچھ تو سننے والا بھی نہ سمجھ سکتا کہ کس کی بات قابل قبول ہے اور کس کی نہیں۔ اسی طرح کے اور غلط مبحث واقع ہوتے۔

اور ہاتھ دو پیدا کئے گئے انسان کے لئے ہرگز بہتر نہ ہوتا اگر اس کے

ایک ہی ہاتھ بنایا جاتا کیوں کہ یہ اُس کے ان کاموں میں خلل انداز ہوتا جنہیں وہ
کرتا ہے اور جن کی اُسے ضرورت ہے۔

ہاتھ دو کیوں بنائے گئے

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر بڑھئی اور معمار کا ایک ہاتھ شل ہو جائے تو وہ اس بات
پر قادر نہ ہوگا کہ اپنے پیشہ کو کر سکے؟ اور اگر بہ تکلیف کرے گا بھی تو اُسے اچھی طرح مضبوطی
کے ساتھ نہ کر سکے گا اور وہ کام ویسا نہ ہوگا جیسا کہ دونوں ہاتھوں سے ہو سکتا
جو اُسے کام میں مدد دیتے ہیں۔

آواز اور اس کے آلات

اے مفضل ذرا خوب سوچ انسان کی آواز اور کلام اور اُس کے آلات کی
ساخت کو اور اس معاملہ میں غور کرو۔ دیکھو حنجرہ (جس کی مدد سے آواز پیدا ہوتی ہے)
تو ایک نلکی کے مشابہ ہے جس سے آواز نکلتی ہے۔ اور زبان۔ ہونٹھ۔ اور دانت حرفوں
اور آوازوں کے ڈھالنے کا سانچا ہیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس کے دانت گر جاتے ہیں تو اُس سے (س) نہیں ادا ہو سکتا
اور جس کے ہونٹھ کٹ جائیں اُس سے (ف) نہیں نکلتی۔ اور جس کی زبان موٹی ہو
اُس سے (ر) نہیں ادا ہوتی۔ اور بڑا مزمار اس سے بہت ہی مشابہ ہے حنجرہ
تو مزمار کی نلی سے مشابہ ہے اور پھیپھڑا اُس تونبی کے مشابہ ہے جس کے اندر پھونکتے
ہیں تاکہ ہوا بھرے اور عضلات جو پھیپھڑے کو پکڑے ہوئے ہیں تاکہ آواز نکل سکے وہ
ان انگلیوں کے مانند ہے جن سے تونبی کو دباتے ہیں تاکہ ہوا نلی میں آوے اور ہونٹھ
اور دانت جو حروف اور راگ کو سدھارا ہوا نکالتے ہیں وہ اُن انگلیوں سے مشابہ

ہیں جو مزمار کے منہ میں آتی جاتی ہیں جس سے صفیریں اور راگ پیدا ہوں۔ البتہ
یہ بات ہے کہ اگرچہ مخرج آواز کو مزمار سے سمجھاتے ہیں اور تعلیم کے موقع پر
مشبہ بہ قرار دیا گیا ہے (یعنی میں نے مخرج صوت کو مزمار سے تشبیہ دی ہے)
لیکن دراصل مزمار مشبہ ہے اور مخرج اصوات مشبہ بہ ہے جس کے انداز اور
ڈھنگ پر یہ باجہ بنایا گیا ہے۔ نہ یہ کہ مزمار باجے کو دیکھ کر مخرج صوت بنایا
گیا ہے۔

(اے مفضل) میں نے تمہارے سامنے جن آلات و اعضائے کلام کو
بیان کیا ہے وہ گفتگو اور کلام کے پیدا کرنے اور حرفوں کے درست نکالنے کے لئے
کافی ہیں۔

مگر ان میں علاوہ اس میرے بیان کے اور بھی غرضیں ہیں۔ مثلاً حنجرہ اس لئے
بنایا گیا ہے کہ اس کی راہ سے لطیف ہوا پھیپھڑے تک پہنچ سکے اور دل کو متواتر اور
پے در پے آنے والے سانس سے آرام دے جو اگر ایک دم کے لئے بھی ٹھہر جائے تو
فوراً انسان مر جائے۔

اور زبان اس لئے بنائی گئی ہے کہ کھانوں کا ذائقہ معلوم ہو سکے اور
اور ان میں تمیز کر سکے ہر ایک ذائقہ کو جدا جدا سمجھ سکے۔ میٹھے کو کھٹے سے الگ کر سکے۔
اور خالص ترش کو کھٹ مٹھے سے اور نمکین کو شیریں سے اور اچھے کو برے سے۔
علاوہ اس کے زبان کو یہ بھی فائدہ ہے کہ اس سے کھانا اور پانی کے خوشگوار

معلوم ہونے میں مدد ملتی ہے۔

دانت کیوں پیدا کئے گئے

اور دانت غذا کو چباتے ہیں تاکہ وہ نرم ہو جائے اور اس کا ہضم ہونا آسان ہو اور
علاوہ بریں دانتوں کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ وہ ہونٹوں کی روک ہیں اور منہ کے
اندر ہونٹوں کے چلے جانے کو روکتے ہیں۔

اسے یوں سمجھو کہ تم دیکھتے ہو جس کے دانت گر گئے ہیں اُن کے ہونٹھ کیسے
ڈھل ڈھلے اور متحرک ہوتے ہیں۔

ہونٹوں کی کیسی کیسی حکمت

ہونٹوں کے ذریعہ سے انسان پانی کو چوس سکتا ہے تاکہ جو پانی پیٹ کے اندر
جائے وہ باندازہ معین اور بالقصد جائے نہ کہ غرغراتا ہوا بہتا ہوا جائے۔ جس سے
پینے والے کو اچھو ہو گلے میں پھندا لگے۔ اور زور سے بہ کر جانے کے سبب سے کسی اندرونی
حصہ میں خراش پڑ جائے۔

پھر علاوہ اس کے یہ دونوں ہونٹھ دروازہ کے مشابہ ہیں جو منہ کو ڈھکے رہتے
ہیں جب آدمی چاہے بند کرے۔

(اے مفضل) ہم نے تم سے یہ بات بیان کر دی کہ ان اعضا میں کئی طرح کے فوائد
ہیں اور کئی کئی کاموں میں صرف ہوتے ہیں۔ جیسے ایک ہی آلہ سے کئی کام لئے جاسکتے ہیں۔
مثلاً کولہاڑہ کہ اس سے بڑھئی کا کام بھی ہو سکتا ہے اور زمین کھودنے کے کام بھی
اس کے علاوہ اور بھی کام لئے جا سکتے ہیں۔

دماغ کی حکمتیں

اگر تم دماغ کو دیکھو تو ایسا پاؤ گے کہ کئی کئی تہ بہ تہ جھلیوں میں لپٹا ہوا ہے تاکہ

اسے آفتوں سے بچائے اور متحرک نہ ہونے دے۔ اس کے اوپر ایک کھوپڑی پائی گئی جو بمنزلہ خود کے ہے تاکہ ٹھیس اور دھکے کا صدمہ اسے چورا چورا نہ کردے جو اکثر سر پر واقع ہوتا ہے۔ پھر کھوپڑی کو ایسا پایا گیا کہ اسے بالوں کا لباس پہنایا گیا ہے جو سر کے لئے بمنزلہ پوستین کے ہو گیا ہے اور اسے گرمی اور سردی سے محفوظ رکھتا ہے۔

پس سوائے خالق کے کس نے دماغ میں یہ استحکام دیا اور حفاظت پیدا کی اور کس نے اس کو احساس کا سرچشمہ بنایا۔ اور کس نے اسے اس قابل کیا کہ اس کی حد سے زیادہ حفاظت کی جائے بہ نسبت باقی بدن کے اس کا مرتبہ زیادہ ہونے اور اس کا رتبہ بڑا ہونے اور اس کا درجہ بلند ہونے کے سبب سے اس کی پوری حفاظت و نگہداشت کی جائے۔

اے مفضل! آنکھ کے پپوٹے کو غور کرو کہ کس طرح یہ آنکھ کے لئے مثل پردے کے بنایا گیا ہے اور پلکیں مثل ان ڈوروں کے بنائی گئی ہیں جنہیں پکڑ کر پردے کو اٹھاتے اور چھوڑتے ہیں۔

اور دیکھو کہ آنکھ کو کس طرح اس گڑھے کے اندر رکھا ہے اور اس پر پردے اور بالوں سے سایہ کیا ہے۔

اے مفضل! یہ کس نے دل کو سینے کے اندر چھپایا ہے اور اسے وہ چادر اڑھائی جسے تم جھلی کہہ سکتے ہو۔ اور کس نے اس کی حفاظت پسلیوں اور اس گوشت اور پٹھوں کے ذریعہ سے جو اس کے اوپر ہیں کی ہے تاکہ اس تک کوئی ایسی چیز نہ پہنچے جو اس میں خراش پیدا کردے۔ یہ کس نے حلق کے اندر دو سوراخ اس لئے بنائے کہ ایک

سے تو آواز نکلے اور یہ وہ سوراخ ہے جو پھیپھڑے سے قریب ہے اور دوسرے سے
جسے مری کہتے ہیں اور وہ معدہ سے متصل ہے غذا اندر جا سکے۔

اور کس نے آواز والے سوراخ پر ایک ڈھکنا ڈھانکا ہے جو کھانے کو
پھیپھڑے تک پہنچنے سے روکتا ہے ورنہ آدمی مر جائے۔

یہ کس نے پھیپھڑے کو دل کا پنکھا بنایا ہے جو نہ کبھی تھکتا ہے اور نہ
اپنے کام میں خلل کرتا ہے تاکہ دل میں حرارت جمع نہ ہو جائے جو اس کی ہلاکت کا باعث ہو۔

یہ کس نے پیشاب پاخانہ کے سوراخوں میں ایسی ڈوریاں لگائی ہیں جو ان
دونوں کو روکے اور بھینچے ہوئے رہے (جیسے کپڑے کے بٹوے میں ڈوری ہوتی
ہے) کہ جب چاہیں کھول لیں اور جب چاہیں بند کر دیں تاکہ ہمیشہ بہتے ہی نہ رہیں اور
اس سے انسان کی زندگی تلخ ہو جائے۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جنہیں
شمار کرنے والا شمار کر سکتا ہے۔ بلکہ جو باتیں احصا و شمار میں نہیں آتیں اور جنہیں
آدمی نہیں جانتے وہ اس سے زیادہ ہیں جنہیں وہ جانتے ہیں۔

یہ کس نے معدہ کو سخت پٹھوں والا بنایا ہے اور سخت کھانے کے ہضم کے لئے
اس کو معین کر دیا ہے؟

اور یہ کس نے جگر کو رقیق اور نرم پیدا کیا کہ لطیف اور صاف شدہ غذا کو قبول
کر سکے اور ہضم کرے اور معدہ کے فعل سے زیادہ لطیف فعل کر سکے۔ کیا یہ سب کام سوائے
خداوند قادر مطلق کے اور کوئی کر سکتا ہے۔ کیا یہ تمہارا خیال ہے کہ اہمال و تعطیل بھی ایسا

پھیپھڑے اور کھانے کی نالی

معدہ کو سخت پٹھوں والا بنانا

جگر کو رقیق و نرم بنانا

ایسا کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں!! بلکہ یہ ایک مدبّر، حکیم اور قادر کی تدبیر ہے جو تمام
چیزوں کو اُن کے پیدا کرنے سے پہلے جانتا ہو جو کسی کام میں عاجز نہ ہو۔ اور وہ اشد
لطیف وغیرہ ہے۔

اے مفضل! غور کرو کہ یہ دقیق مغز ہڈیوں کی نلیوں میں کیوں بحفاظت رکھے
گئے؟ اسی لئے نہ کہ نلیاں اس کی حفاظت کر سکیں اور اسے ضائع ہونے سے بچائیں۔
(ورنہ اگر نلیوں میں نہ رکھا جاتا تو دھوپ اور حرارت آتش سے پگھل کر بہ جاتا۔
سردی میں نہایت ٹھٹھر اور سخت ہو جاتا جس سے انسان زندہ نہ رہ سکتا)۔
کیونکہ ہڈیوں کے مغز بھی باعث قوت بدن انسان ہیں)۔

اور یہ بہنے والا خون کیوں رگوں میں بند کیا گیا۔ جیسے پانی ظرف میں رکھا جاتا ہے؟
صرف اسی لئے نہ کہ رگیں اس کو روکے رکھیں اور وہ بہ جانے نہ پائے۔

یہ ناخن انگلیوں پر کیوں قرار دئے گئے۔ اسی لئے نہ کہ اُن کو صدمہ سے محفوظ رکھیں
اور کام کرنے میں مدد دیں۔ اگر انگلیوں میں ناخن نہ ہوتے صرف گوشت ہی گوشت ہوتا تو چٹکی سے
کسی چیز کا گرفت کرنا یا اُٹھانا سخت دشوار ہوتا قلم کے ذریعہ سے لکھنا دشوار ہوتا۔ سوئی پرونا
ناممکن ہوتا۔

یہ کان کا اندرونی حصہ قید خانہ کی طرح کیوں ٹیڑھا بیڑھا بنایا گیا اسی لئے نہ کہ
آئی ہوا آواز جاری ہو سکے اور اُس پردہ تک پہنچ جائے جس سے آواز سنائی دیتی اور نیز
اس لئے کہ ہوا کی تیزی کا زور ٹوٹ جائے تاکہ پردہ سماعت میں خراش نہ ڈالے۔

ہڈیوں کے اندر گودا کیوں پیدا کیا۔ خون رگوں میں کیوں قائم کیا۔ انگلیوں کے سرے پر ناخن کیوں بنائے۔ کان کے اندرونی حصہ کی ساخت

یہ آدمی کی رانوں اور سرین پر یہ گوشت کیوں چڑھایا گیا۔ اسی لئے تاکہ اسے زمین کی تکلیف سے بچائے اور چوتڑوں کے بل بیٹھنے سے اس کو تکلیف نہ ہو جیسے کہ اس شخص کو بیٹھنے میں تکلیف ہوتی ہے جس کا جسم دبلا اور گوشت کم ہو گیا ہو۔ اور اس کے اور زمین کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل نہ ہو جو زمین کی سختی سے اس کو بچائے۔ (مثلاً گدہ مسند وغیرہ۔)

کس نے انسان کو مرد اور عورت بنا کر پیدا کیا۔ اسی نے تاجس نے اس کو نسل بڑھانے والا بنایا (کیونکہ ان دونوں مختلف صنفوں کا وجود صرف اس لئے ہے کہ ان کے اجتماع و صحبت سے نسل انسانی بڑھتی رہے اور کم از کم قائم رہنے کی صورت اسی لئے کوشش کرتا ہے کہ اس کا نام باقی رہے ورنہ اگر یہ خیال نہ ہوتا اور انسان کے دل میں یہ آرزو نہ ہوتی تو کیوں ایک دوسرے سے ہم صحبت ہوتے۔ دیکھو ان جانوروں کو جن کے صنفوں کا بقا صحبت و جماع پر موقوف نہیں ہے بلکہ مادہ کے جمع ہونے اور اس میں ایک خاص قوت پہنچ جانے سے پیدا ہوتے ہیں ان میں نر و مادہ کا تمیز ممکن نہیں۔ کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ زنبور مثلاً کون سی مادہ ہے اور کونسی نر ہے؟

اور کس نے اسے آلات عمل دیئے۔ اسی نے تاجس نے اس کو کام کرنے والا بنایا اور کس نے اس کو کام کرنے والا بنایا۔ اسی نے تاجس نے اس کو صاحب احتیاج پیدا کیا (اگر آدمی کو کسی کی احتیاج نہ ہوتی تو کبھی کوئی کام نہ کرتا۔ اگر اسے پیٹ بھرنے کی احتیاج پیدا کیا (اگر آدمی کو کسی چیز کی احتیاج نہ ہوتی تو کبھی کوئی کام نہ کرتا۔ اگر اسے پیٹ بھرنے کی احتیاج

آدمی کی رانوں اور سرین پر گوشت کیوں چڑھا

انسان کی دو جنس مرد اور عورت کیوں بنائی گئیں

انسان کو کام کے آلات کیوں دیئے گئے

نہ ہوتی تو مزدوری کیوں کرتا حرفت و صنعت کیوں کرتا۔ اگر ڈُسے جسم کو گرمی اور سردی
سے بچانے کی ضرورت نہ ہوتی تو کپڑے کیوں سیتا۔ سوئی کیوں بناتا۔ ڈورے کیوں درست کرتا
کپڑے کیوں بنتا۔ روئی کیوں کاتتا۔ کپاس کیوں بوتا مثلاً اور جب یہ نہ ہوتا تو آلاتِ
عمل ہاتھ پاؤں اُنگلیاں وغیرہ بھی بیکار تھیں) اور کس نے اُسے صاحبِ احتیاج
پیدا کیا اُسی نے نا جس نے اُس کے لئے احتیاج کے اسباب پیدا کئے اور کس نے
اُس کے لئے احتیاج کے اسباب پیدا کئے۔ اُسی نے نا جس نے اُس کے پورا کرنے
کی ذمہ داری کی (غور سے اس مضمون کو پڑھو)۔

کس نے اُس کو با فہم بنایا اُسی نے نا جس نے اُس کے لئے جزا و سزا بھی لازم
کی دکیونکہ اگر جزا و سزا اُس پر لازم نہ کی جاتی تو اُس میں سمجھ ہونے کی ضرورت ہی نہ تھی۔
معلوم ہوتا ہے کہ پیدا کرنے سے پہلے اس کے پیدا کرنے والے نے یہ سمجھ لیا تھا کہ
اُس کے متعلق سزا و جزا کی جائے گی۔ لہٰذا اُس کو عقل اور سمجھ بھی دی تاکہ نیک و بد کو
سمجھ سکے اور نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بد پائے۔ دیکھو جن مخلوقات کے لئے
سزا و جزا نہیں قرار دی گئی ہے اُن کو کسی نیک و بد کا احساس ہی نہیں ہے نہ وہ
جانتے ہیں کہ یہ فعل حرام ہے نہ وہ جانتے ہیں کہ یہ حلال ہے۔ نہ اُنہیں کروہ کی
تمیز ہے نہ اُنھیں واجب کی بسوائے اس کے کہ جس چیز کی ضرورت اُن کے بقائے
صنف یا بقائے شخص میں ہے اُس کو البتہ پہچانتے اور جانتے ہیں مثلاً پرندہ اس قدر
ضرور سمجھ رکھتا ہے کہ باز اُس کو شکار کرے گا۔ لہٰذا اُس کی صورت دیکھتے ہی تیز

پرواز ی سے کام لیتا ہے۔ یا ایک ہرن مثلاً خوب جانتا ہے کہ شیر اُسے پھاڑ کھائے گا۔ لہٰذا اُس کی شکل ہی دیکھ کے فرار کر جاتا ہے)۔

کس نے اُس کو حیلہ و تدبیر عنایت کی اُسی نے نا جس نے اُسے قوت بخشی اور کس نے اُسے قوت دی اُسی نے نا جس نے اس پر حجت لازم کی (اگر اتمام حجت نہ مقصود ہوتا تو قوت دینے کی ضرورت ہی کیا ہوتی ہاں البتہ یہ بات پوچھی جا سکتی ہے کہ ہم نے تو تم کو اُٹھنے بیٹھنے کی قوت دیدی تھی پھر تم نے مثلاً نماز کیوں نہ پڑھی۔ یا تمھارے ہاتھ پاؤں میں طاقت دیدی تھی تم نے فلاں گرتے ہوئے آدمی کو دوڑ کر کیوں نہ بچایا) ان کاموں میں کون اس کی مدد کرتا ہے جن میں اُس کی تدبیر کچھ کارگر نہیں ہوتی وہی نہ جس کا انتہائے شکر ادا نہیں ہو سکتا (سُبحان اللہ کس انداز کا کلام ہے اور کیا لطیف تعلیم ہے۔ اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ)

مفضل غور کرو اور سوچو جو کچھ میں نے تم سے بیان کیا ہے۔ کیا بے بنائے بن جانے میں یہ نظم و نسق اور یہ ترتیب ہو سکتی ہے (ہر گز نہیں) تعالیٰ اللہ عما یصفون اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ برتر ہے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔

اے مفضل اب میں تم سے کچھ دل کا حال بیان کرتا ہوں جانو کہ اس میں بہت سے سوراخ (باریک مسامات) ان سوراخوں کے سامنے ہیں جو پھیپھڑے میں واقع ہیں جو کہ دل کا پنکھا ہے (دل کی گرمی اور بخارات کو دفع کرتا رہتا اور اُسے آرام دیتا رہتا ہے) اگر یہ سوراخ ہٹ جائیں اور ایک دوسرے کے سامنے نہ رہیں تو کبھی ہوا دل میں نہ پہنچ سکے اور

انسان مرجائے۔ کیا کسی باعقل باہوش آدمی کی عقل اجازت دے سکتی ہے کہ وہ اس بات کا دعوے کرے کہ یہ ترکیب بن بنائے آپ بن گئی۔ اور کیا اُس کا دل اُسے اس بات کے کہنے سے نہ روکے گا (یا اُس کا نفس اس بات کی گواہی نہ دے گا کہ ایسا کہنا بے عقلی کی بات ہے)۔

اے مفضل! اگر تم دروازے کے دو کواڑوں میں سے ایک کو دیکھو جس میں کنڈا لگا ہو۔ تو کیا تم کو یہ خیال ہوگا کہ یونہی بلا وجہ بنایا گیا ہے؟ بلکہ تم یقیناً اس بات کو جان لوگے کہ وہ بنایا ہوا ہے اور کسی دوسرے کواڑ سے ملایا جائے گا تا کہ اُن دونوں کے اجتماع سے کسی قسم کا فائدہ ہو۔ اسی طرح تم حیوان کو پاؤ گے کہ وہ کسی جوڑے کا ایک فرد ہے جو فرد مادہ کے لئے بنایا گیا ہے تاکہ دونوں ہم صحبت ہوں اس لئے کہ اس میں بقائے نسل ہے (اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑے مدبر حکیم نے نہایت دانائی سے سمجھ کر مرد کو مردانہ آلات دئے ہیں اور عورت کو زنانہ تاکہ دونوں کے اجتماع سے بقائے نسل رہے ورنہ صرف مادہ میں یہ تمیز کہاں تھی کہ ایسا سمجھ کر مرد اور عورت علیحدہ علیحدہ بناتا اور ہر ایک کے لئے اُس کے مناسب آلات پیدا کرتا)۔

پس اللہ تعالےٰ اُن کو ہلاک کرے جو فلسفی بننے کا دعویٰ کرتے ہیں پھر کیوں کر اُن کے دل اس عجیب و غریب خلقت اور ساخت کے دیکھنے سے اندھے ہوگئے ہیں جس سے انھوں نے انکار کر دیا کہ یہ خلقت عالم جو کسی مدبر کی تدبیر ہی نہیں اور کسی اندازے والے کا ارادہ ہی نہیں (بلکہ جہان آپ سے آپ پیدا ہوگیا ہے)۔

(دیکھو) اگر مرد کا عضو تناسل سست رخی ہوتا تو کیونکر رحم کے قعر تک پہنچ سکتا
اور کیونکر اُس میں نطفہ ڈال سکتا اور اگر ہمیشہ استادہ ہی رہتا تو آدمی کیسے بچھونے
پر کروٹ لیتا۔ اور مجمع میں کیونکر چل سکتا جب کہ ایک چیز اُس کے آگے تنی ہوئی
کھڑی رہتی (تو معلوم ہوا کہ کسی حکیم نے خاص حکمت سے اس عضو کو ایسا پیدا
کیا ہے کہ صرف ضرورت کے وقت تو استادہ ہو ورنہ باقی اوقات میں سمٹا رہے
تاکہ مذکورہ بالا فواید حاصل ہو سکیں)۔

پھر علاوہ بدہیئت اور بدنما ہونے کے اس میں ایک خرابی یہ بھی ہوتی
کہ ہر وقت مرد عورتوں کی شہوت میں تحریک پیدا ہوتی رہتی۔ تو اللہ جل اسمہٗ نے
ایسا بنا دیا کہ اس کا زیادہ حصہ ہر وقت آنکھوں کے سامنے نہ رہے اور نہ مرد کو اُس میں
کچھ زحمت ہو۔ بلکہ صرف ضرورت کے وقت اُس میں سیدھے کھڑے ہو جانے کی قوت
دی گئی۔ کیونکہ یہ مقدر کر دیا گیا ہے کہ اس میں نسل کا دوام و بقا ہے۔

(انسان کے اخراج فضلہ کا سوراخ پوشیدہ بنایا گیا)

اے مفضل ذرا حیرت کی نظر سے دیکھو کہ انسان کے کھانے پینے اور اُس کی
تکلیف کے آسانی دفع ہو جانے میں کتنی بڑی نعمت پروردگار عالم کی ہے۔ کیا کسی مکان
کے بنانے میں یہ خوبی اندازہ نہیں ہے کہ بیت الخلا ایسے مقام پر بنایا جائے جو محفوظ
جگہ نہ ہو؟ تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اُس سوراخ کو جو خلا (دفع حاجت) کے واسطے انسان
کے لئے بنایا ہے وہ بھی اُس کے ایسے مقام پر قرار دیا ہے جو بہت ہی پوشیدہ ہے۔
اُسے کھلا ہوا اور ظاہر اُس کے پیچھے نہیں بنایا اور نہ اُبھرا ہوا اُس کے سامنے بلکہ وہ بدن کے

ایک پوشیدہ حصے میں مخفی و مستتر اور باپردہ واقع ہے جس پر دونوں رانیں ملی ہوئی ہیں اور دونوں سرین اپنے گوشت سے اُسے چھپائے ہوئے ہیں۔ جب آدمی کو رفع حاجت کی ضرورت ہوتی ہے اور اُس خاص نشست سے بیٹھتا ہے۔ تو اُس کا وہ منفذ جاری ہوتا ہے اور ثقل کے دفع کے لئے تیار ہو جاتا ہے ورنہ بند رہتا ہے) فتبارك الله من تظاهرت آلائه ولا تحصى نعمائه۔

ڈاڑھ کے دانتوں کا فائدہ

اے مفضل! ان ڈاڑھ کے دانتوں پر غور کر و جو آدمی کے منہ میں بنائے گئے ہیں بعضے تو تیز ہیں جو غذا اور طعام کو کاٹنے اور کترنے کا کام دیتے ہیں۔ اور بعضے چوڑے ہیں جو چبانے اور ریزہ ریزہ کرنے کا کام دیتے ہیں۔ ان دونوں قسم کے دانتوں کی چونکہ اُسے ضرورت تھی لہذا اُس میں کمی نہیں کی گئی۔ کیا طبیعت لاشعور یہ بھی یہ بات سمجھ سکتی ہے کہ آدمی کے واسطے ایسی ضرورت پڑے گی لہذا اُس کے لئے ایسے دانت بنانے چاہئیں۔ کیا اُس میں یہ ادراک و تمیز ہے؟

بال اور ناخنوں کا کٹوانا تکلیف کیوں نہیں ہے۔

غور کرو اور سمجھو کہ بالوں اور ناخنوں کا منڈنا اور کٹنا کیوں بہتر ہے اور اس میں کیا حکمت ہے۔ چونکہ یہ دونوں بڑھتے اور زیادہ ہوتے رہتے ہیں اس لئے ضرورت پڑی کہ اُس کے اوپر اوپر کے حصہ میں تخفیف کی جائے۔ لہذا یہ بے حس بنائے گئے تاکہ آدمی کو اس کے کٹوانے میں تکلیف نہ ہو۔ اور اگر بال اور ناخون کے کترنے میں تکلیف محسوس ہوتی تو آدمی دو قسم کی زحمتوں کے درمیان پھنس جاتا۔ یا تو چھوڑ دیتا کہ بڑھا کریں تو حد سے زیادہ بڑھ جاتے اور اُسے بار معلوم ہوتے۔ یا کٹواتا تو اُسے تکلیف محسوس ہوتی۔

مفضلؔ - میں نے عرض کی تو ایسے کیوں نہ بنائے گئے کہ بڑھتے ہی نہیں کہ انسان کو اس کے گھٹانے کی ضرورت پڑے۔

امام علیہ السلام - بیشک اللہ تعالیٰ وتبارک کی بندوں پر اس امر میں بہت سی نعمتیں ہیں جنھیں وہ نہیں جانتے تو اُس پر خدا کا شکریہ ادا کرتے۔ معلوم کرو کہ بدن کے تکالیف اور امراض انہیں بالوں کے ذریعہ سے دفع ہوتے ہیں جو اپنے مسامات سے نکلتے ہیں (نجاسات اور پسینے انہیں مسامات سے نکلتے ہیں۔ خود یہ بال بھی وہی بخارات ہیں جو تحت الجلد محتبس ہوتے ہیں) اور انگلیوں کے امراض ان ناخنوں کے ذریعہ سے دفع ہوتے ہیں۔ اسی لئے تو نورہ لگانے سر منڈانے ناخن ترشوانے کا ہر ہفتہ میں حکم دیا گیا۔ تاکہ بال اور ناخن جلد جلد نکلیں اور تکلیف اور بیماریاں اُن کے نکلنے سے دفع ہوں اور جب یہ بڑھ جاتے ہیں تو امراض و آلام متحیر رہ جاتے ہیں اور کم نکلتے ہیں تو بیماریاں بدن میں محتبس ہو جاتی ہیں اور وہ طرح طرح کے درد اور امراض پیدا کرتی ہیں۔

اور باوجود اس کے ان مقامات میں بال نہ اُگنے دیا جہاں انسان کو نقصان پہنچتا۔ اگر آنکھوں کے اندر بال اُگتے تو کیا وہ اندھا نہ ہو جاتا؟ اور اگر منھ کے اندر بال نکلتے تو کیا اُس کے کھانے پینے میں لقمہ اور پانی نہ رُکتا۔ اگر ہتھیلیوں میں بال پیدا ہوتے تو کیا اُس کی قوت لامسہ کو نہ روکتے۔ اور کیا اچھی طرح چھو کر دریافت کرنے سے باز نہ رکھتے اور بعض کاموں میں خلل انداز نہ ہوتے؟ اور اگر عورت

کی فرج میں بال اگتے یا مرد کے عضو تناسل پر تو کیا اُن کی لذت مجامعت کو نہ کھو دیتے؟
تو دیکھو کہ کیونکر ان مقامات میں بال نہ پیدا ہوئے کیونکہ اس میں مصلحت تھی۔
دکیا طبیعت بھی ان حکمتوں کو سمجھ سکتی ہے" یا اس طرح کے افعال با حکمت طبیعت کی
طرف منسوب کئے جا سکتے ہیں؟ افسوس ان دہریوں پر اور اُن کی نافہمی پر۔ پھر یہ بات
کچھ انسان ہی میں خاص نہیں بلکہ بہائیم اور درندوں اور تمام ان جانوروں میں بھی ایسا ہی
پاؤ گے جن کی نسل کا بڑھنا صحبت و جماع پر موقوف ہے تم دیکھتے ہو کہ ان کے تمام جسم
تو بالوں سے ڈھانکے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور خاص یہ مقامات اُس سے خالی ہوتے ہیں۔
اس میں بھی تو یہی سبب ہے پس غور کرو اس خلقت کے معاملہ کو دیکھو کہ
کس کس طرح غلطی اور ضرر کے طریقوں سے بچایا ہے اور کس کس طرح ٹھیک
درست اور با نفع پیدا کیا ہے۔

ان مانویوں اور اُن کے امثال نے جب یہ کوشش کی کہ پیدائش عالم میں
اور بقصد و ارادہ پیدا ہونے میں عیب نکالیں تو انھوں نے یہ عیب نکالا کہ پیڑو پر اور
بغلوں کے نیچے بال کیوں پیدا ہوئے۔ اور اس بات کو نہ سمجھے کہ یہ اس رطوبت کی
وجہ سے ہے جو ان مقامات کی طرف بہ کر آتی ہے۔ اسی سبب سے وہاں بال پیدا
ہوتے ہیں جیسے پانی کے جمع ہونے کے مقامات میں گھانس پیدا ہو جاتی ہے
کیا تم ان مقامات کو نہیں دیکھتے۔ بہ نسبت اور مقامات کے کس قدر ان فضلات
کے جمع کرنے کے لئے آمادہ ہیں اور انہیں پوشیدہ رکھتے ہیں۔ (یعنی کس قدر پوشیدہ ہیں) کے

بیچ رطوبت جمع رہتی ہے)۔

پھر ان میں یہ بھی حکمت ہے کہ جہاں آدمی کو اپنے بدن کے متعلق کچھ مشقت اور تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ ان مشقتوں میں سے ایک یہ بھی قرار دی گئی۔ کیونکہ اس میں مصلحت ہے اس لئے کہ جتنی دیر وہ اپنے بدن کی صفائی اور بالوں کے دور کرنے میں مصروف رہے گا، اتنی ہی دیر اپنے حرص، ظلم اور نخوت (اشعر) اور بیہودگی سے بچے گا، اور ان امور کا اس کو موقع نہ ملے گا۔

بالوں کی ہیئت اور ناخن کی حکمت

(اے مفضل) غور کرو آب دہن (تھوک) کو اور دیکھو کہ اس میں کیا مصلحت ہے۔ یہ ایسا بنایا گیا ہے کہ ہر وقت منہ کے اندر جاری رہتا ہے تاکہ حلق اور تالو کو تر رکھے کہ یہ خشک ہونے نہ پائیں کیونکہ اگر تالو اور منہ خشک رہتے تو آدمی مرجاتا اور پھر یہ بھی ہوتا کہ کھانا بھی نہ کھا سکتا جبکہ منہ میں وہ رطوبت ہی نہ ہوتی جو اسے اندر کی طرف لے جائے۔ یہ ایک ایسی بدیہی بات ہے جس پر مشاہدہ خود گواہ ہے اور جانو کہ رطوبت غذا کا مرکب ہے اور کبھی یہی رطوبت دہن پتہ پر بھی بہ کر جاتی ہے اور اگر پتہ خشک ہو جاتا تو آدمی مرجاتا۔

آب دہن کو منہ میں جاری رکھنے کی حکمت

چند جاہل متکلمین اور کم عقل فلسفہ کے مدعیوں نے اپنی کم فہمی اور قصور علم سے یہ کہہ دیا کہ اگر آدمی کا پیٹ ایسا بنایا جاتا جیسے قبا ہوتی ہے کہ جب طبیب چاہتا کھولتا اور جو کچھ اُس کے اندر ہے اسے دیکھ لیتا اور اپنا ہاتھ اُس میں ڈال سکتا اور جب مرض کا علاج کرتا تو یہ اُس سے بہتر ہوتا کہ بند ہے اور نگاہوں اور ہاتھ سے

پیٹ بند کیوں بنایا گیا

مخفی بنایا لیا ہے۔ اب جو اُس کے اندر بیماری ہے اُس کا حال باریک علامتوں سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً قارورہ دیکھنا، نبض پر ہاتھ رکھنا یا ایسی ہی اور باتیں جن میں اکثر غلطی اور شبہ بھی ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بسا اوقات یہ غلطی نبض و قارورہ شناسی میں موت کا باعث ہو جاتی ہے۔

پہلی حکمت

کاش یہ جاہل مدعیان فلسفہ و کلام یہ جانتے کہ اگر ایسا ہوتا تو آدمی کو موت اور بیماری کا ڈر ہی نہ رہتا (جہاں کچھ بیماری ہوئی جھٹ پیٹ کو کھول کے دیکھ لیا اور جو کچھ اس میں سبب مرض ہے اُسے نکال کے دور کر دیا کیونکہ وہ قبا کے پردوں کی طرح تو بنا ہی ہوا ہے) اور انسان کو اپنی بقا اور عدم موت کا خیال ہونے لگتا اور اپنی سلامتی پر مغرور ہو جاتا اور اُس کی وجہ سے اُن میں سرکشی اور نخوت پیدا ہو جاتی ہے۔

دوسری حکمت

پھر یہ بھی ہوتا کہ پیٹ کے اندر کی رطوبت ٹپکتی رہتی اور بہا کرتی تو آدمی کی نشستگاہ اور خوابگاہ اور نفیس کپڑے اور زینت کے لباس سب خراب ہوتے رہتے۔ بلکہ اس صورت میں اُس کا عیش تنگ ہو جاتا۔

تیسری حکمت

پھر یہ بھی ہے کہ معدہ اور جگر اور دل جو اپنا اپنا فعل کرتے ہیں تو صرف اُس حرارت عزیزیہ کے سبب سے کرتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے پیٹ کے اندر پیدا کر رکھا ہے پس اگر پیٹ میں کھلنے کے درز ہوتے جس سے نظر اور ہاتھ اُس کے علاج کے لئے اندر جا سکتے تو ہوا کی برودت پیٹ کے اندر پہنچ جاتی اور حرارت

عزیزیہ سے مخلوط ہوجاتی تو باطنی اعضا کا عمل بھی بگڑ جاتا پھر تو آدمی مر ہی جاتا۔

کیا نہیں دیکھتے ہو (اے مفضل) کہ اصل خلقت اور اصل ساخت کے علاوہ جو
خیالات پیدا ہوتے ہیں محض غلط اور فاسد ہوتے ہیں۔

غور کرو اے مفضل انسان کے کھانے اور سونے اور جماع کے معاملہ میں جو
اس کے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور ان میں حکمتیں صرف کی گئی ہیں ان میں سے ہر ایک
کے واسطے ایک محرک بنایا گیا ہے جو اس کی خواہش کرے اور اسے ابھارے پس
بھوک کھانے کی مقتضی ہوتی ہے جس سے بدن لحمہ قوام بدن کی حیوٰۃ زندگی ہے۔

کھانے سونے اور جماع کے متعلق امور حکمت

اور نیند کی کیفیت سونے کی مقتضی ہوتی ہے جس سے بدن کو راحت ملتی ہے اور
قویٰ کی تھکن دور ہوتی ہے اور اگر آدمی صرف اس وجہ سے کھانا کھایا کرتا
کہ اس کے بدن کو اس کی ضرورت ہے۔ اور خود اس کی طبیعت کی طرف سے کوئی
ایسی بات نہ ہوتی جو اسے کھانا کھانے پر مجبور کرتی تو ممکن تھا کہ کسی کسی وقت اس
میں سستی بھی کرتا کاہلی یا ثقل کی وجہ سے۔ تو اس کا بدن لاغر ہوجاتا اور وہ مرجاتا
جیسے کسی شخص کو کسی دوا کی صرف اس وجہ سے ضرورت ہوتی ہے کہ اس سے اپنے
بدن کی اصلاح کرے مگر وہ اس کو ٹالتا رہتا ہے (کیونکہ طبیعت کی طرف سے
کوئی قوی درخواست نہیں ہے) یہاں تک کہ یہ ٹالتے رہنا بیماری اور موت کا
سبب ہوجاتا ہے۔

اسی طرح اگر صرف اس سبب سے اور یہ سمجھ کر کہ اسے اپنے بدن کو راحت

دینے کی ضرورت ہے اور اپنے قوے کی تھکن مٹاتی ہے تو کبھی ایسا بھی ہوتا کہ
اُس میں کاہلی کرتا اور اُسے روکتا تو آخر اُس کا بدن دبلا ہو جاتا۔

اور اگر جماع صرف اس وجہ سے کرتا کہ اُسے اولاد کی خواہش ہے (اور اُس میں
طبعی شہوت اور جوش نہ ہوتا) تو بالکل بعید نہ تھا کہ وہ اُس میں سستی کرتا۔ آخر نسل کم
ہو جاتی یا بالکل جاتی رہتی کیونکہ اکثر ایسے بھی آدمی ہیں جن کو اولاد کی خواہش نہیں ہے
اور نہ اس کی پرواہ ہے۔ تو دیکھو کہ ان میں سے ہر ایک فعل کے واسطے جس میں
انسان کی تندرستی اور اصلاح ہے کس طرح اس کی طبیعت کے اندر ایک محرک
پیدا کیا گیا جو اُسے اُس کی طرف آمادہ کرے اور اُس کا محرک بنے۔

بدن کی چار قوتوں کا بیان

اور جانو کہ آدمی کے جسم میں چار قوتیں ہیں ۱ جاذبہ ہے جو غذا کو قبول کرتی
ہے اور اُسے معدہ میں لے جاتی ہے ۲ قوت ممسکہ (ماسکہ) ہے جو غذا کو روکتی ہے تاکہ
طبیعت اُس میں اپنا فعل کرے ۳ قوت ہاضمہ ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو اُسے پکاتی
ہے اور اُس کا لب لباب نکال لیتی اور بدن میں اُس کو پھیلاتی ہے۔ ۴ قوت دافعہ
ہے۔ جو اُسے دفع کرتی اور بچے ہوئے ثقل کو گراتی ہے جب کہ قوت ہاضمہ اپنی ضرورت
پوری کر چکتی ہے۔ تو غور کرو کہ ان چاروں قوتوں میں جو بدن کے اندر ہیں کیا
اندازہ قائم کیا گیا ہے اور چونکہ ان کی ضرورت تھی تو کس طرح بنائی ہیں اور اُن میں
کیا کیا حکمت و تدبیر ہے ؟ اگر ان چاروں قوتوں میں کسی ایک کی کمی ہوتی تو
انتظام بدن میں خلل پڑ جاتا (آخر کو اُسے موت آجاتی) اگر قوت جاذبہ نہ

ہوتی تو آدمی اُس غذا کی تلاش کے واسطے جس میں اُس کے بدن کا قوام وقیام ہے کیوں کر کوشش کرتا۔ اور اگر ماسکہ نہ ہوتی تو پیٹ کے اندر کیوں کر کھانا ٹھہر سکتا کہ معدہ اُسے ہضم کرے۔ اور اگر ہاضمہ نہ ہوتی تو کیونکر پکتا۔ اور کیوں کر وہ لب لباب نکلتا جو بدن کی غذا بن سکے اور اُس میں خلل نہ پڑنے دے اور اگر دافعہ نہ ہوتی۔ تو وہ ثفل جسے ہاضمہ نے چھوڑ دیا ہے کیوں کر دفع ہوتا اور یکے بعد دیگرے کس طرح نکلتا؟

کیا تم نہیں دیکھتے کس طرح پروردگار سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی لطیف کاریگری اور حسن تقدیر سے اُن قوے کو بدن اور ان کاموں پر جن میں اُس کی درستی ہے معین اور موکل کیا ہے۔ اس کی ایک مثال تم سے بیان کرتا ہوں۔ وہ یہ کہ بدن کو تو سمجھو کہ ایک بادشاہ کا مکان ہے اور اس کے حشم وخدم اور بچے اُس مکان میں ہیں جن کے حوالے اُس کا انتظام ہے۔ ایک کا تو یہ کام ہے کہ وہ اُس حشم وخدم کی ضرورتوں کو لاکر پہنچائے اور اُن کے پاس رکھے اور دوسرے کا یہ کام ہے کہ جو کچھ آیا ہے اُس کو لے اور جمع کرے۔ تاکہ اُس کی اصلاح کی جائے اور قابل خوراک بنایا جائے۔ اور تیسرے کا یہ کام ہے کہ اُس کو درست کرے اور تیار کرے اور ہر ایک کو بانٹے۔ چوتھے کا یہ کام ہے کہ جو کچھ گھر میں اُس غلہ وغیرہ کی وجہ سے کوڑا کرکٹ جمع ہو گیا ہے اُس کی جھاڑو بہا و دور کرے۔

پس بادشاہ اُسی مکان کا تو خلاق حکیم ہے جو تمام عالم کا مالک ہے

اور مکان - یہ بدن ہے اور حشم و خدم اعضا ہیں اور نوکر چاکر یہی چاروں قوتیں ہیں -

(اے مفضل) شاید تم میرے اس بیان کو جو قوائے اربعہ اور اُن کے افعال کی نسبت کیا زاید اور بیکار خیال کرو - حالانکہ یہ میرا بیان اُس نہج پر نہیں جو اطبا کی کتابوں میں مذکور ہوا ہے اور نہ میری گفتگو اس معاملہ میں اُن کی گفتگو کی سی ہے - کیونکہ اُن لوگوں نے تو اُن قوائے اربعہ کا ذکر اس بنیاد پر کیا ہے کہ فن طب اور بدنوں کے صحیح رکھنے میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اور ہم نے اس طرح سے بیان کیا ہے - کہ جس کی ضرورت دین کی اصلاح اور گمراہوں کے نفسوں کی کجی سے شفا دہی میں ہے - جیسے وہ میرا شافی بیان اور مثل جس میں میں نے تدبیر و حکمت کو واضح کر دیا ہے -

قوتِ حافظہ کا بیان اور اُن کی مصلحتیں

غور کرو اے مفضل ! اُن قوی کی بابت جو نفس انسان میں قرار دئے گئے ہیں اور وہ اس میں کس طرح واقع ہیں - میرا مطلب یہ ہے کہ فکر - وہم عقل اور حافظہ وغیرہ قوالے میں غور کرو - دیکھو کہ اگر اُن میں سے صرف قوت حافظہ ہی آدمی میں نہ ہو تو اُس کا کیا حال ہوگا - اور کس قدر خلل اُس کے کاموں میں اور امور معاش و تجارت میں پڑیں گے جب کہ اُسے یہی یاد نہ ہوگا کہ اُس کا دوسروں پر کیا آتا ہے - اور اُس پر دوسروں کا کیا آتا ہے - کیا لیا تھا - کیا دیا تھا - کیا سُنا تھا - کیا کہا تھا - اُس سے کیا کہا گیا تھا - اور یہ بھی نہ یاد رہے گا - کہ کس نے اُس پر احسان کیا تھا اور

کس نے بُرائی۔ کس چیز نے نفع پہنچایا تھا اور کس چیز نے نقصان۔

پھر اگر وہ کسی راہ میں بے شمار مرتبہ بھی چلتا تو بھی وہ راہ اُسے یاد نہ رہتی۔ کیوں کہ اس کے دماغ میں حافظہ ہی نہیں ہے (وہ اگر پڑھتا کسی علم کو تو تمام عمر یاد نہ کر سکتا۔ اور نہ کسی دین اور مذہب پر اپنا اعتقاد جما سکتا نہ کسی تجربہ سے فائدہ اُٹھا سکتا۔ اور نہ کسی گذشتہ چیز پر کسی موجود چیز کو قیاس کر سکتا۔ (کیونکہ اُسے یاد ہی نہیں کہ میں نے پہلے کیا دیکھا تھا) بلکہ وہ تو اس قابل ہوتا کہ انسانیت سے بالکل باہر سمجھا جائے۔

تو اے مفضل دیکھو کہ یہ قوی آدمی کے لئے کیسی بڑی نعمت ہیں۔ سب کو چھوڑ کر صرف ایک ہی کو دیکھو تو اُس کا کیا حال اور کیا مرتبہ ہے (کہ اگر یہ ایک حافظہ آدمی میں نہ ہو تو سینکڑوں خرابیاں اُس کے کام میں پڑیں۔ اور آخر زندگی سے تنگ آجائے)۔

حافظہ سے بڑھ کر آدمی کو جو نعمت ملی ہے وہ تو نسیان (بھول) ہے اگر نسیان نہ ہوتا تو آدمی کسی مصیبت میں تسلی ہی نہیں پا سکتا تھا اور نہ کبھی اُس کی حسرت تمام ہو سکتی تھی۔ اور نہ کبھی اُس کے دل سے کینہ نکل سکتا تھا یہی نسیان تو ہے کہ جب انسان کو عارض ہوتا ہے تو وہ اپنی مصیبت گذشتہ کو بھول جاتا ہے اور میل جول پیدا کر لیتا ہے۔ اور نہ اشیائے دنیا میں سے کسی چیز سے فائدہ اور ذائقہ اُٹھا سکتا جب کہ اُس کو اپنی مصیبتیں یاد آتی رہتیں۔ نہ اُس کو بادشاہ کی غفلت اور

اپنے حاسد کے حسد سے شکست پڑ جانے کی امید رہتی (اُسے ہر وقت خیال رہتا کہ میں نے بادشاہ کا فلاں گناہ کیا ہے اُسے یاد تو ضرور ہی ہوگا۔ اب وہ مواخذہ کرے گا اور اب مواخذہ کرے گا۔ اس خیال میں اس کی زندگی تلخ ہو جاتی۔ علیٰ ہذالقیاس حاسد کے حسد کے خیال سے جو اس کو تکلیف پہنچتی رہتی وہ بھی اس کو تلخ عیش کرتی رہتی)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ آدمی میں یہ دونوں قوتیں حافظہ اور نسیان کیسی متضاد پیدا کی گئی ہیں۔ اور ہر ایک کے لئے ایک خاص مصلحت قرار دی گئی ہے (کیا بغیر کسی حکیم کے فعل کے ایسی حکمتیں ظہور میں آسکتی ہیں)۔

فرقہ ثنویہ کا ابطال

اور جو لوگ کہ تمام اشیائے عالم کے دو متضاد خالق مانتے ہیں (جیسے ثنویہ) بالکل امید نہیں کہ وہ ان دو متضاد چیزوں کا خالق بھی انہیں دو متضاد خالق کو مانیں کیونکہ ان دونوں متضاد قوتوں میں دو مصلحتیں ہیں جنہیں تم دیکھ رہے ہو حالانکہ اُن کے نزدیک شر کے خالق سے سوائے شرارت اور بدی کے کچھ پیدا نہیں ہو سکتا اور یہاں دونوں متضاد قوتوں میں نفع ہی نفع ہے تو کیونکہ شر والا خالق اُن میں سے کسی ایک کو پیدا کر سکتا)

مفضل: غور کرو اس صفت پر جو خاص آدمی ہی کو دی گئی ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور اُن تمام مخلوق حیوانات میں سے اس کا شریک نہیں ہے وہ کیا ہے وہ شرم ہے اگر یہ نہ ہوتی تو کبھی کوئی شخص مہمان کی مہمانداری نہ کرتا۔ کوئی شخص اپنا وعدہ نہ پورا کرتا اور نہ کسی کی ضرورت پوری ہوتی۔ اور نہ نیکی حاصل کی جاتی اور

نہ بدی سے پرہیز کیا جاتا یہاں تک کہ ایسے بہت سے امور واجبہ ہیں جو صرف حیا و شرم کی وجہ سے بجا لائے جاتے ہیں کیونکہ جس نے حیا چھوڑ دی وہ نہ تو والدین کے حق کی رعایت کرتا۔ اور نہ قرابت داروں سے صلہ رحمی کرتا نہ امانت ادا کرتا۔ اور نہ کسی فحش بات سے اجتناب کرتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کیوں کر آدمی میں یہ تمام باتیں پورے طور پر جمع کر دی گئیں جن میں اس کی بھلائی اور اس کے کام کا پورا ہونا ہے۔

گویائی کی طاقت اور اس کی قسمیں

مفضل! غور کرو اس نعمت نطق (گویائی) پر جو اللہ تعالیٰ تقدس اسمائہ نے اسے دی ہے جس سے یہ اپنے باطنی خیال اور دلی بات کو ظاہر کرتا ہے۔ اور جیسا اس کی فکر پیدا کرتی ہے۔ اور اسی سے دوسروں کی دلی بات کو بھی سمجھتا ہے۔ اگر یہ صفت نہ ہوتی تو یہ مثل چوپاؤں کے ہوتا جو نہ اپنے دل کی بات بیان کر سکتے ہیں اور نہ بیان کرنے والے کی بات کو سمجھ سکتے ہیں۔

علیٰ ہذا القیاس تحریر کی صفت ہے جس سے گذشتہ لوگوں کے حالات موجود لوگوں کے لئے اور موجودین کے حالات آئندہ والوں کے لئے قید قلم میں لائے جاتے ہیں۔ اور اسی کے ذریعہ سے علوم و آداب وغیرہ کی کتابیں ہمیشہ باقی رہتی ہیں اور اسی کے ذریعہ سے ان گفتگوؤں اور حساب وغیرہ کو یاد رکھا جاتا ہے۔ جو اس کے اور کسی غیر کے درمیان واقع ہوتے ہیں۔ اگر یہ صفت نہ ہوتی تو ایک زمانہ کی چیزیں دوسرے زمانہ سے بالکل منقطع ہو جاتیں اور غیر ان لوگوں کی خبریں بھی نہ ملتیں جو اپنے اپنے وطنوں سے جدا ہیں اور علوم بھی معدوم

ہو جاتے ۔ آداب و اخلاق کی باتیں بھی تلف ہو جاتیں۔ اور بہت ہی بڑا خلل لوگوں کے کاموں اور معاملات میں اور نیز اُن دینی چیزوں اور روایات میں خلل واقع ہوتا جنہیں دیکھنے کی انہیں ضرورت ہے اور جن کا نہ جاننا اُن کو ممکن ہی نہیں (بلکہ لازم ہے کہ انہیں دیکھیں)۔

شاید تم یہ خیال کرو کہ انسان نے اس ضرورت کو اپنی تدبیر اور فہم و ذکاوت سے حاصل کیا ہے انسان کی طبیعت و فطرت میں یہ قوت پیدا نہیں کی گئی ہے اور علیٰ ہذا القیاس گفتگو اور کلام ہے کیونکہ یہ بھی اصطلاحی اور قرار داد چیز ہے جسے لوگ آپس میں ٹھہرا لیتے ہیں اور اُسی کے مطابق آپس میں بات چیت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے مختلف فرقوں میں مختلف زبانیں ہیں اور اسی طرح تحریریں۔ جیسے عربی تحریر اور سریانی اور عبرانی اور رومی وغیرہ جو ان تمام فرقوں میں مختلف ہے اس کی ایک اصطلاح قرار دے لی ہے۔ جیسے کلام اور الفاظ کی اصطلاح۔

پس جو شخص اس کا دعویٰ کرے (کہ اس میں خدا نے کیا کیا یہ تو آدمی نے خود بنالی ہے) تو اُس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ اگرچہ ان دونوں امروں میں انسان کی تدبیر اور فعل کو دخل ہے لیکن جس چیز کے سبب سے وہ اس تدبیر اور اس فعل تک پہنچا وہ بے شک ایک عطیہ ہے اور خدائے تعالیٰ عزوجل کی بخشش ہے جو اس کی ساخت کے اندر قرار دی ہے (مثلاً عقل یا زبان جس کے ذریعہ سے ان اصطلاحات کے قائم کرنے کی اُسے قدرت حاصل ہوتی ہے) پس اگر

اُس کو زبان نہ دی گئی ہوتی جس سے وہ گفتگو کرے اور ذہن نہ ملا ہوتا جس سے وہ کاموں کی راہ پا سکے تو وہ ہرگز بول نہ سکتا اور اگر اُس کو ہتھیلی اور انگلیاں نہ دی گئی ہوتیں تو لکھنا کبھی اُس سے ممکن نہ ہوتا۔

اس بات کی عبرت بہائم سے حاصل کرو جن کو نہ کلام کی طاقت ہے نہ تحریر کی (کیوں کہ ان میں نہ وہ ذہن ہے اور نہ وہ آلات تحریر و کتابت ہیں) پس (معلوم ہوا) دراصل یہ باری تعالیٰ و تقدس کا (قانون) فطرت ہے جس پر اُسے پیدا کیا ہے۔ اور خلق پر اُس کا ایک تفضل ہے۔ جو کوئی اُس کا شکریہ ادا کرے گا اُسے ثواب ملے گا اور جو اس نعمت کا کفران کرے گا تو کچھ پروا نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہان سے مستغنی ہے (اُسے کسی کے شکر کی ضرورت نہیں)۔

انسان کا علم

مفضل! غور کرو اُن چیزوں میں جن کا علم آدمی کو دیا گیا اور جس کا علم نہیں دیا گیا۔ اُن تمام چیزوں کا اُسے علم دیا گیا جن میں اُس کے دین اور دنیا کی بھلائی ہے۔ خالق تبارک و تعالیٰ کی معرفت ہے جو دلیلوں اور ان شہادتوں کے ذریعے سے حاصل کی جائے جو اُس کے مخلوقات کے اندر موجود ہیں اور اُن امور کی معرفت ہے جو اُس پر واجب ہیں مثلاً تمام آدمیوں کے ساتھ انصاف کرنا۔ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنی۔ امانت کا ادا کرنا محتاجوں کی غمخواری کرنی وغیرہ وغیرہ جن کی معرفت اور جن کا اقرار فطرۃ اور قدرۃً تمام امتوں میں ہے۔ خواہ وہ ہمارے موافق ہوں یا مخالف علیٰ ہذا القیاس اُسے اُن چیزوں کا علم دیا گیا جن میں اُس کی دنیا کی بھلائی

ہے جیسے زراعت، باغبانی۔ زمینوں کا آباد کرنا۔ بھیڑوں اور چوپاؤں کا جمع کرنا پانی کا کوؤں یا چشموں سے نکالنا۔ جڑی بوٹیوں کی شناخت جن سے بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ معدن کی پہچان جن سے قسم قسم کے جواہر نکالے جاتے ہیں کشتی پر سوار ہونے۔ دریا میں غوطہ خوری اور وحش وطیور اور مچھلیوں کے شکار کرنے کی انواع واقسام کی تدبیریں صناعت وحرفت کرنے، اور تجارت وکسب معاش کے طریقوں کی معرفت اور اُن کے علاوہ بہت سی اور چیزیں ہیں جن کے بیان میں طول ہے اور جن کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں انسان کی دُنیاوی زندگی کے کاموں کی درستی ہے تو اُسے ان چیزوں کا علم دیا گیا جس میں اس کی دینی اور دنیاوی بہتری ہو۔ علاوہ اس کے اور جو باتیں ہیں جن کا جاننا اس کی طاقت سے باہر ہے اور نہ اس کی حالت اُس کی مقتضی ہے۔ اُن کا علم اُسے نہیں دیا گیا۔ مثلاً علم غیب اور جو بات آیندہ ہونے والی ہے۔ یا بعض وہ چیزیں جو پہلے ہو چکیں جیسے آسمان کے اوپر اور زمین کے نیچے کی چیزوں کا جاننا اور جو دریاؤں کے اندر ہے اور عالم کے چاروں طرف ہے یا جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہے۔ یا جو رحم کے اندر ہے وغیرہ ذٰلک ان کا علم آدمیوں کو نہیں دیا گیا اور جن لوگوں نے ان کے جاننے کا دعویٰ کیا اُن کے دعووں کو ان باتوں نے باطل کر دیا جو برخلاف اُن کے بیان کے ظاہر ہوئیں (اور جس کے جاننے کا اُنھوں نے دعویٰ کیا تھا اُس کے مخالف نمایاں ہوئیں)۔

تو دیکھو (اے مفضل) کہ انسان کو کس طرح تمام ان چیزوں کا علم عطا ہوا

جو اُس کے لئے اُس کے دنیاوی اور دینی امور میں ضروری ہیں۔ اور اُس کے ماورا چیزوں کے جاننے سے روک دیا گیا تاکہ اُس کی قدر اور اُس کا نقصان معلوم ہو جائے (یعنی تاکہ معلوم ہو جائے کہ آدمی دراصل ایک بے حقیقت چیز ہے اس میں بہت کچھ نقصان اور کمی ہے۔ جس سے اُس کو غرور نخوت نہ پیدا ہونے پاسکے) اور اُن دونوں میں اُس کی بہتری ہے (اگر ان امور غیبیہ وغیرہ کا بھی اُس کو علم دیا جاتا تو انسان کا غرور حد سے زیادہ ہو جاتا۔ جب کہ تھوڑے سے علم پر آدمی پھولے نہیں سماتا تو جب کہ تمام معلومات غائب و حاضر اس کے پیش نظر ہو جاتے تو اپنے تئیں خدا ہی کہنے لگتا) لہذا ان چیزوں کی معرفت سے محروم رکھا گیا تاکہ جانے کہ میں ایک انسان ناقص ہوں مجھ سے بھی کوئی بڑھ کر موجود ہے۔ جسے ان کا بھی علم ہے اور وہ باری تعالیٰ عز اسمہ ہے)

اب اے مفضل ذرا غور کرو کہ انسان کو اُس کی مدت حیات کا علم کیوں نہیں دیا گیا وہ اس وجہ سے کہ اگر آدمی اپنی مدت زندگی کو جان لیتا اور بالفرض اُس کی زندگی بھی تھوڑی ہوتی۔ تو زندگی نہایت تلخ ہو جاتی (کیونکہ اب وہ اس جان لینے کی وجہ سے موت کا منتظر اور اُس وقت کا متوقع رہتا۔ بلکہ وہ اُس شخص کے مانند ہو جاتا کہ جس کا تمام مال برباد ہو گیا ہو یا قریب بربادی کے ہو اور وہ اپنی مفلسی اور فقیری کو محسوس کر رہا ہو تو اُس کو اپنے مال کے فنا ہونے اور اپنے فقر کا کیسا رنج ہوگا۔ بلکہ وہ غم واندوہ جو اُسے اپنی زندگی کے فنا ہونے کی طرف سے پیدا ہوگا زیادہ اس خوف سے کہیں زیادہ ہوگا جو اُسے اپنے مال کے خیال میں ہوگا کیونکہ جس

شخص کا مال تلف ہو جائے اُسے تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اُس کے عوض اور مل جائے گا اور اُس سے اُس کے دل کو تسکین ہو جائے گی بخلاف اس کے جسے اپنی زندگی کے فنا ہونے کا یقین ہو جائے تو اُس کی نا امیدی قوی ہو جائے گی۔ اور اگر اُس کی عمر زیادہ ہوتی اور اُسے معلوم ہو جاتا کہ میں زیادہ مدت تک جیوں گا تو اُسے اپنی بقا پر بھروسا ہو جاتا اور دُنیاوی لذتوں اور معصیتوں میں ہمہ تن مشغول ہو جاتا اور اس خیال سے گناہ کرتا کہ آج تو اپنی شہوت پوری کر لو پھر آخر میں توبہ کر لیں گے۔ حالانکہ یہ وہ بات ہے جسے پروردگارِ عالم اپنے بندوں سے نہیں چاہتا اور نہ اُسے پسند کرتا ہے۔ (بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ بندہ ہمہ وقت میری ہی طرف متوجہ رہے ملاہی و بدعت میں بالکل نہ مصروف ہو)۔

دیکھو اگر تمہارا کوئی غلام کسی کام کو اس خیال سے کرے کہ سال بھر تو تم کو ناراض رکھے اور ایک دن یا ایک مہینہ تم کو راضی رکھے تو ہرگز تم اُس کی یہ بات پسند نہ کرو گے۔ اور تمہارا یہ غلام نیک اور صالح غلام کے رتبہ پر (تمہارے نزدیک) نہ ہوگا۔ بخلاف اس کے اگر وہ ہر وقت اور ہر حالت میں تمہاری اطاعت اور خلوص ہی دل میں رکھے (تو وہ ضرور تمہیں بہت زیادہ محبوب ہوگا)۔

اس پر اگر تم یہ اعتراض کرو کہ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ ایک مدت تک آدمی نافرمانی کرتا ہے پھر جب توبہ کرتا ہے تو اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے؟ تو ہم اس کا یہ جواب دیں گے کہ یہ اُسی صورت میں ہوتا ہے کہ جب انسان کی خواہش نفسانی

غالب آجائے اور اس کی مخالفت نہ کرسکے اور دل میں یہ نہ ٹھان لے (کہ ہم مخالفت ہی کئے جائیں گے) اور اسی پر موقوف نہ رکھے (کہ آج چین کرلو کل توبہ کرلیں گے) تو اللہ جلّ اُس سے درگذر کرتا ہے اور اپنے تفضل سے اُس کو معاف کرتا ہے۔ لیکن جو کوئی یہ ٹھان لے کہ جب تک اُس کے دل میں ہے خدا کی معصیت کرے گا۔ اور پھر آخر عمر میں توبہ کرلے گا۔ تو اس صورت میں صرف وہ دھوکا دینا چاہتا ہے ایسے شخص کو جو اُس کے دھوکے میں نہیں آسکتا۔ کہ اس وقت تو نقد انقد لذت اُٹھالے اور اپنے تئیں آیندہ توبہ کا امیدوار اور موعود بنائے۔ اور نیز اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے وعدے کو پورا نہ کرسکے گا کیونکہ ناز پروری اور تلذذ سے باز آنا اور توبہ کی زحمت اُٹھانی خصوصاً بڑھاپے اور بدن کی کمزوری کے زمانہ میں نہایت دشوار امر ہے۔ اور جو شخص توبہ میں حیلہ حوالہ کرتا ہے اُس کو اس امر کا بھی امن نہیں ہے کہ دفعتہً موت آ کے ہلاک کردے اور وہ بے توبہ دنیا سے چلا جائے مثلاً کسی شخص پر قرض ہو اور وہ اُس کے ادا کردینے پر قادر بھی ہو باوجود اس کے ادائے قرض میں حیلہ حوالہ کرتا ہے یہاں تک کہ موت آجائے اور مال بھی فنا ہو جائے تو وہ قرض اُس کے اوپر قائم رہ جائے گا۔

لہذا۔ انسان کے لئے بہتری اسی میں تھی کہ اس کی مقدار عمر کا علم اُس سے مخفی رکھا جائے تاکہ وہ اپنی تمام عمر موت کا منتظر رہے اور اس ڈر سے گناہوں کو ترک کرے اور نیک عمل اختیار کرے۔

اب اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اس وقت بھی جب کہ اس کی مدت عمر کا حال

اُسے نہیں معلوم اور وہ ہر وقت موت کا ترقب رکھتا ہے بدکاریوں کا مرتکب ہوتا ہے اور
حرام کام کر لیتا ہے۔ تو ہم اس کا یہ جواب دیں گے۔ کہ اس معاملہ میں تدبیر تو ایسی ہی کی گئی
ہے جس پر یہ کام جاری ہے۔ اب اگر باوجود اس کے کوئی شخص نہ باز آوے اور بدکاریوں کا
مرتکب ہوتا ہے اور حرام کام کر لیتا ہے تو ہم اس کا یہ جواب دیں گے۔ کہ اس معاملہ میں تدبیر
تو ایسی ہی کی گئی ہے جس پر یہ کام جاری ہے۔ اب اگر باوجود اس کے کوئی شخص نہ باز آئے
اور بدیوں سے نہ پرہیز کرے تو یہ اُس کی بد اعتدالی مزاج اور قساوت قلبی ہے۔ اس میں
اصل تدبیر کی کوئی غلطی نہیں ہے۔ جیسا کہ طبیب اُن چیزوں کو مریض سے بیان کر دیتا
ہے جس سے اُسے نفع پہنچے۔ پھر اگر مریض اُس کی بات نہ مانے اس کے حکم پر نہ چلے۔
اس کے منع کئے ہوئے امور سے باز نہ رہے تو کبھی طبیب کی بتائی ہوئی باتوں سے
فائدہ نہ اٹھائے گا اور اس میں طبیب کی کوئی برائی نہیں ہے بلکہ اُسی بیمار کی برائی ہے۔
کیونکہ اُس نے طبیب کا کہنا نہ مانا۔

اور اگرچہ انسان باوجود امید موت کے جو اُسے عدم علم زمانہ موت کی حالت میں
ہر وقت حاصل ہے۔ گناہوں سے باز نہیں رہتا لیکن اگر اُسے اپنے بقا و طول حیات پر
پورا بھروسا ہو جائے تو پھر وہ نہایت ہی بد اور ناگوار گناہان کبیرہ کرنے لگا اور موت
کا انتظار اور خیال اس کے لئے ہر حال میں بہ نسبت اپنی طول حیات و بقا پر بھروسا
کرنے کے بہتر ہے۔ کہ اُس سے کچھ تو اُس کے دل میں ڈر رہے گا کچھ تو خدا کا خیال
کرے گا جس سے وہ گناہان سخت سے بچ سکے گا۔ اور اگر ایسا ہے کہ ایک قسم کے آدمی

باوجود ترقب موت کے اُس سے غافل ہیں اور اُس سے نصیحت نہیں حاصل کرتے تو دوسرا گروہ ایسا بھی ہے جو اُس سے نصیحت حاصل کرتا ہے اور معصیت سے باز رہتا ہے اور عمل صالح بجا لاتا ہے اور محتاجوں اور فقیروں کو صدقہ دینے کے لئے اپنے مال اور اور نفیس اشیاء میں بخشش سے کام لیتا ہے تو ہرگز انصاف نہیں تھا کہ یہ لوگ اس بات سے فائدہ اُٹھانے سے محروم کئے جاتے (اور وہ لوگ اس میں سے حصہ نہ لیتے) (یعنی ایک کے نہ فائدہ اٹھانے سے دوسرا اُس فائدے سے کیوں محروم کیا جاتا لہذا حال موت مخفی کیا گیا کہ جس شخص سے بھی ہو سکے اس سے فائدہ اُٹھا لے اور جو نہ فائدہ اُٹھاتے وہ اُس کی بدنصیبی)۔

مفضل! غور کرو خوابوں میں (رات کے وقت آدمی جو خواب دیکھتا ہے) اس میں کیا حکمت و مصلحت صرف کی گئی۔ اور سچے خواب کو جھوٹے میں مخلوط کر دیا ہے پس اگر سب کے سب خواب سچے ہوتے تو تمام آدمی انبیاء ہی ہو جاتے (پھر وہ حکمت جو اصل خلقت انسان میں ہے فوت ہو جاتی یعنی معاملہ امتحان) اگر تمام خواب جھوٹے ہی ہوتے تو اس میں کچھ فائدہ نہ تھا۔ بلکہ زاید بیکار اور بے معنی ہوتے لہذا کبھی تو خواب سچے ہوتے ہیں تاکہ آدمی اُس سے اپنی مصلحت و کاروبار میں فائدہ اُٹھائے جس کی اُسے ہدایت ملی ہے یا جس نقصان کا اُسے حال معلوم ہوا ہے اُس سے بچاؤ کرے اور اکثر جھوٹے ہوتے ہیں تاکہ آدمی اُنہیں پر بھروسہ نہ کر لے (کہ جو ہم خواب دیکھیں گے اُسی کے مطابق عمل کریں گے۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر خدائے تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور بھلائی برائی

میں آسے دعا مانگنے کی ضرورت ہی نہ معلوم ہوتی)۔

غور کرو (اے مفضل) اُن چیزوں میں جنہیں تم عالم میں موجود دیکھ رہے ہو اور جو اس لئے مہیا کی گئی ہیں کہ آدمیوں کو اُس کی ضرورت ہے۔

مٹی تو مکان بنانے کے لئے اور لوہا دستکاری کے لئے۔ لکڑی کشتی وغیرہ بنانے کے واسطے۔ پتھر چکیاں وغیرہ بنانے کے واسطے۔ تانبا برتنوں کے واسطے۔ سونا چاندی معاملات کے لئے (لین دین) جواہرات ذخیرہ کرنے کے واسطے دانے۔ غذا کے واسطے پھل۔ تفکّر کے واسطے۔ گوشت کھانے کے لئے خوشبودار چیزیں لذت حاصل کرنے کے واسطے دوائیں۔ بیماروں کو صحیح کرنے کے لئے۔ چوپائے بار برداری کی غرض سے۔ سوکھی لکڑیاں۔ آگ جلانے کے واسطے۔ راکھ۔ چونا بنانے کے لئے۔ ریت۔ زمین کے فائدہ کے لئے اور کوئی کس قدر ایسی چیزوں کو شمار کرے (کیجئے) ایسی ہی بے شمار چیزیں ہیں جن کا حصر نہیں ہو سکتا۔

تو کیا اے مفضل تمہارا یہ خیال ہے کہ اگر کوئی شخص کسی گھر میں داخل ہو اور دیکھے کہ اُس میں انسان کی تمام ضرورت کی چیزیں مہیا و موجود ہیں۔ تمام مکان بھی اس خزانے سے بھرا پڑا ہے اور دیکھے کہ ہر ایک چیز ایک خاص سبب سے رکھی ہوئی ہے۔ تو کیا وہ یہ خیال کرے گا کہ اس کا رکھنے والا کوئی نہیں۔ آپ ہی آپ رکھی گئی ہیں۔ کیوں کر کوئی عقلمند آدمی اس بات کو تجویز کر سکتا ہے کہ یہ عالم اور جو کچھ اس کے اندر ہے آپ ہی آپ ہو گیا ہے (اور کوئی ان کا خالق نہیں)۔

اے مفضل اُن چیزوں سے عبرت حاصل کرو جو انسان کی ضرورتوں کے لئے
بنائی گئی ہیں اور اُن میں کیا حکمت ہے۔ تو دیکھو تو اُس کی خوراک کے واسطے
دانہ پیدا کیا گیا اور اُسے اُس کے پیسنے اور گوندھنے اور روٹی پکانے کی تکلیف
دی گئی۔ اُون اس کے لئے پیدا کیا گیا اور اُسے اُس کے ڈھنکنے۔ اُس کو
کاتنے۔ اُسے بننے کی تکلیف دی گئی۔ درخت اُس کے لئے پیدا کیا گیا اور اُس کا
بونا اس کا سینچنا اس کی نگہداشت اُس کے متعلق کی گئی جڑی بوٹیاں اُس کی دوا
کے لئے بنائی گئیں اور اُس کے حاصل کرنے اُس کو باہم ملانے اس کو بنانے کی
تکلیف اُسے دی گئی۔ اور علیٰ ہذا القیاس تم تمام چیزوں کو اسی طرح پاؤ گے۔ تو دیکھو
کہ ان کے بنانے والے نے کیوں کر ان چیزوں کو بنا کر انسان کی مدد کی جن میں
بالکل اُس کی تدبیر کارگر نہ ہو سکتی تھی؎۔ اور ان میں عمل و تصرف کرنے کی ضرورت
اور محل کو اُسی پر چھوڑا کیونکہ اُس کی بہتری اسی میں تھی۔ اس لئے کہ اگر وہ (خدائے
تعالیٰ) ان کاموں کو بھی کر دیتا (جو انسان کے متعلق ہیں۔ مثلاً دانے کا پیسنا اُس کا
صاف کرنا۔ اُسے گوندھنا اور پھر روٹی پکانا) اور اُس کے لئے ان چیزوں میں تصرف
و عمل کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ تو وہ اترا ہٹ اور نخوت سے زمین پر پنجوں کے بل
چلنے لگتا اور زمین اُسے اُٹھا نہ سکتی (یعنی حد کی نخوت اُس کے مزاج میں پیدا

؎ ظاہر ہے کہ اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو انسان اپنے سے پیدا نہیں کر سکتا تھا پھر ضرورت کے
کو وقت کہاں سے لاتا لہٰذا مدبر عالم نے اُن چیزوں کو پہلے سے پیدا کر دیا۔

ہو جاتی، اور یہ بات اُسے اس حد تک پہنچا دیتی کہ وہ ایسے کام کرنے لگتا جس میں اُس کی تباہی اور ہلاکت ہوتی۔

نیز اگر انسان کے تمام ضروریات بے عمل دست موجود کر دیتا تو ان کی زندگی کچھ خوش مزہ نہ ہوتی۔ اور نہ اُس چیز کی کچھ لذت ان کو ملتی (کیوں کہ وہ بے مشقت حاصل ہوئی ہے اور جو چیز بے مشقت ملتی ہے اُس کے ملنے کی نہ انسان کو کچھ قدر ہوتی ہے اور نہ اُس سے اُس کی روح کو کچھ فرحت حاصل ہوتی۔ ہاں اگر مشقت اور محنت کے بعد حاصل ہو تو اُس کے ملنے سے دل کو کیفیت آتی ہے اور وہ اُس سے خوش ہوتا ہے جب کہ اپنی کوشش کا نتیجہ سامنے دیکھ لیتا ہے)۔

کیا تم (اے مفضل) نہیں دیکھتے کہ جو شخص کہیں مہمان کے طور پر جاتا ہے اور وہاں ایک زمانہ تک قیام کرتا ہے اور اس کے تمام ضروریات میزبان کی طرف سے برابر ملتے رہتے ہیں نہ اُسے کھانے کی خبریں مہیا کرنی پڑتی ہیں نہ پینے کی نہ سونے بیٹھنے کی۔ تو آخر وہ اس نکمے (بیکار) رہنے اور معطل بیٹھنے سے اکتا جاتا ہے اور اپنے لئے کوئی مشغلہ ڈھونڈھنے لگتا ہے۔ تو کیا حال ہوتا جبکہ تمام عمر اُسے کوئی کام ہی نہ کرنا پڑتا (روٹی پکی پکائی مل جاتی۔ کپڑے سئے سلائے آجاتے)۔ درخت بے باغبانی کئے ہوئے پھل اپنے دیدیتے اور اُس کے منہ تک پہنچا دیتے) تو انسان کے لئے یہی مصلحت ٹھہری کہ اُس کے لئے ان کاموں میں ہاتھ لگانے کی ضرورت باقی رکھی گئی۔ تاکہ معطل اور بیکار بیٹھنا اُس کو اکتا نہ دیوے اور ان کاموں کے کرنے سے روکے جنہیں

وہ حاصل نہیں کرسکتا اور اگر پا بھی جائے تو اس میں اس کے لئے کوئی بھلائی نہ ہو۔ (مثلاً بعض آدمی جن کے پاس دولت ہوتی ہے اور وہ بیکار رہتے ہیں تو ان کو یہ دھن سماتا ہے کہ کیمیا بنانی چاہیئے اس فکر میں ہزاروں روپیہ برباد کرتے ہیں گھر کا اثاثہ ضائع کرتے ہیں مگر نتیجہ کچھ نہیں ہوتا۔ یہ کیوں ہوا اسی وجہ سے تو کہ وہ بیکار بیٹھے تھے طبیعت تو چاہتی ہے کہ کوئی شغل اس کے لئے ہونا چاہیئے۔ لہٰذا ادھر متوجہ ہوئی اور جب ادھر متوجہ ہوئی تو مال و زر ضائع ہوا خاک ہاتھ نہ آیا اور اگر کسی کو لاکھوں لاکھ میں کچھ معلوم بھی ہو گیا تو اس کو فائدہ مند نہیں ہوتا۔ تجربہ اس پر شاہد ہے۔ پس حکیم علی الاطلاق اور مدبر عالم نے قدرت کی طرف سے اس کے لئے پہلے ہی سے مشغلے پیدا کر دیئے ہیں جن میں مصروف رہے اور فضول کاموں میں ہاتھ نہ ڈالے جن سے اس کو نقصان پہنچے)۔

جان لے اے مفضل! کہ انسان کی اصل معاش و زندگی روٹی اور پانی ہے۔ تو دیکھو کہ ان میں کیا کیا تدبیریں صرف کی گئی ہیں۔

آدمی کو پانی کی ضرورت روٹی کی ضرورت سے زیادہ ہے۔ اور یہ اس سبب سے ہے کہ انسان بھوک پر بہ نسبت پیاس کے زیادہ صبر کر سکتا ہے اور جس قدر روٹی کا محتاج ہے اس سے زیادہ پانی کا محتاج ہے۔ کیونکہ اسے پانی کی ضرورت پینے کے لئے پڑتی ہے۔ وضو میں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ کپڑا دھونے میں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔ چوپاؤں کو پلانے میں اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

زراعت کے سیکھے نہیں۔ درکار ہے لیکن پانی تو ایسا عام بنایا گیا جس کے خریدنے
کی ضرورت نہ ہو تاکہ انسان کو اُس کی تلاش میں مشقت نہ اُٹھانی پڑے۔ اور روٹی
ایسی بنائی گئی کہ اُس کی تحصیل دشوار ہو اور بے تدبیر کے ہاتھ نہ آسکے۔ تاکہ
انسان کا یہ شغل برقرار رہے اور اُسے تبختر و نخوت کا موقع نہ دے اور فضول
کاموں سے روکے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک بچہ جبکہ وہ بالکل صغیر السن ہوتا ہے
معلم کے پاس تعلیم کے لئے بھیج دیا جاتا ہے۔ صرف اس لئے کہ کھیل کود میں
مصروف نہ ہونے پائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُس کو یا اُس کے عزیزوں کو اُس سے
کوئی تکلیف اُٹھانی پڑے علیٰ ہٰذا القیاس اگر انسان بالکل شغل سے خالی ہوتا
تو ناز و تبختر اور فضول کاری اور نخوت سے ایسے کام کر گزرتا جس کا نقصان اُسے
بہت سخت پہنچتا۔

اُس کو یوں سمجھو کہ مثلاً جو شخص بالکل آرام و آسائش اور اپنا فراغی تونگری
اور خوش عیشی اور ناز و نعم وغیرہ میں پلا ہو وہ ان امور میں بڑھ جاتا ہے۔

ایک آدمی دوسرے آدمی سے شکل میں یکساں نہیں ہوتا

سمجھو کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے کیوں مشابہ نہیں ہوتا جیسا کہ وحوش
وطیور وغیرہ صورت میں ایک سے ہوتے ہیں۔ تم ہرنوں اور چکوروں کا ایک گلہ
اور جھنڈ دیکھتے ہو جس میں کا ہر ایک دوسرے سے مشابہ معلوم ہوتا ہوگا اور کوئی
فرق ان میں باہم محسوس نہ ہوتا ہوگا۔ اور آدمیوں کو دیکھتے ہو کہ سب کی صورتیں اور
ساخت جدا جدا ہیں۔ یہاں تک کہ دو آدمی ایک صفت کے کم دکھائی دیں گے۔

سبب اس میں یہ ہے کہ ان کو اس بات کی ضرورت ہے کہ ہر ایک اپنی صورتوں اور حلیوں سے پہچانا جائے۔ کیونکہ ان میں باہم معاملات ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ معاملات بہائم وغیرہ میں نہیں ہوتے۔ تاکہ ایک دوسرے کے شخصی طور پر پہچاننے کی ضرورت ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وحوش وطیور کا باہم متشابہ ہونا انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچاتا۔ مگر انسان ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ اتفاقاً اگر کبھی ایسا ہو جاتا ہے کہ توام پیدا ہوئے دو بچے ایک دوسرے سے مشابہ ہوں تو لوگوں کو اُن سے معاملات میں سخت مشکل اور دشواری پیش آتی ہے اور جو ایک کو دینا چاہیئے وہ دھوکے سے دوسر کو دیا جاتا ہے اور ایک کے بدلے مواخذہ میں دوسرا پکڑا جاتا ہے اور ایسا ہی کبھی اور چیزوں میں بھی بسبب مشابہت کے پیدا ہو جاتا ہے (مثلاً عطار کو دوائیں بیخ بادیان دینی ہے اور دھوکے میں وہ بیخ کبر دے دیتا ہے یا انجبار کی گولی دینی ہے اور وہ بسبب مشابہت کے جمال گوٹہ کی گولیاں دیدیتا ہے جس سے مریض کو سخت نقصان پہنچتا ہے) چہ جائے کہ صورت کا تشابہ (یہ تو اور بھی نقصان رساں ثابت ہوتا) تو کس نے اپنے بندوں کے لئے ایسی باریکیاں اور لطائف پیدا کئے جن کا خطور بھی دل میں ہونا دشوار ہے۔ کہ اُس کی خوبی پر مطلع ہو۔ ہاں بہ اُسی نے پیدا کئے جس کی رحمت ہر چیز پر پھیلی ہوئی ہے۔ (فتبارک اللّٰہ احسن الخالقین کیا طبیعت اور نیچر میں بھی یہ طاقت ہے کہ ایسے ایسے لطائف کو سمجھے اور پھر اُسے مناسب موقعوں اور ضرورتوں کے مطابق حسب حال پیدا کر سکے۔ توبہ کرو۔ لاحول ولا قوۃ الا باللّٰہ)۔

(اے مفضل) اگر تم کسی آدمی کی تصویر دیوار پر کھنچی ہوئی دیکھو اور تم سے کوئی کہے کہ یہ تصویر آپ سے آپ ظاہر ہوئی ہے کسی بنانے والے نے اسے نہیں بنایا ہے تو کیا تم اس بات کو مان لوگے! نہیں بلکہ تم اس کی بات پر ہنسوگے تو کیوں کہ تم ایک بے حس تصویر کی بابت اسے نہیں مانتے کہ وہ بن بنائے بن گئی اور ایک انسان جیتے جاگتے بولتے چالتے کی نسبت مانے لیتے ہو کہ وہ آپ سے آپ ہوگیا۔

ایسا کیوں ہوا کہ جانداروں کے جسم باوجودیکہ ہمیشہ غذا کھاتے رہتے ہیں برابر بڑھتے ہی نہیں رہتے بلکہ نمو کی ایک حد تک پہنچ کے ٹھہر جاتے ہیں اور اس سے آگے نہیں بڑھتے اگر اس میں کوئی حکمت نہیں تو ایسا کیوں ہے۔

اس میں حکیم (مطلق) کی تدبیر یہ ہے کہ حیوانات کے ہر صنف کے جسموں کی مقدار ایک حد معین پر رہے۔ نہ اس سے بڑی ہو نہ چھوٹی۔ اور وہ بڑھتے رہتے ہیں جب اس حد معین پر پہنچتے ہیں ٹھہر جاتے ہیں۔ حالانکہ غذا برابر جاری رہتی ہے منقطع نہیں ہوتی اگر برابر بڑھتے ہی رہتے تو وہ اجسام نہایت بڑے ہوجاتے اور ان کی مقداریں مشتبہ ہوجاتیں اور کسی کی کوئی حد معروف و معلوم نہ رہتی۔

خاص کر آدمیوں کے بدن میں ایسا کیوں ہے کہ حرکت اور محنت سے ان میں گرانی پیدا ہوجاتی ہے اور باریک صنعتوں سے بھاگتے ہیں اسی وجہ سے ان کو جن چیزوں کی اسے ضرورت ہوتی ہے مثلاً لباس، خواب گاہ وغیرہ ان میں اسے زیادہ مشقت ہو

(اور پھر) اُسے اپنے کام کی قدر ہو کیونکہ اگر بے تکلیف کوئی بات حاصل ہو تو اُس کی قدر نہیں ہوتی اور نیز یہ بھی سبب ہے کہ اگر آدمی کو کوئی تکلیف اور درد نہ ہوا کرتا۔ تو وہ بدکاریوں سے کیوں بچتا اور اللہ کے سامنے کیوں جھکتا۔ اور لوگوں پر کیوں مہربانی کرتا؟

کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب کسی کو درد کی تکلیف ہوئی جھٹ اُس نے خدا کے سامنے خضوع و خشوع کیا۔ عاجزی کرنے لگا۔ اور اپنے پروردگار کی قربت حاصل ہونے کے لئے راغب ہوا اور صدقہ دینے میں اپنے ہاتھ کھول دیئے۔

اور اگر آدمی کو مار کھانے سے تکلیف محسوس ہوتی تو بادشاہ سرکشوں اور بدکاروں کو کس طرح سے سزا دیتا اور بچے علوم و صناعات کیوں کر سیکھتے (بچے لگے سو ڈر تو یہ بات ہی نہیں) اور غلام اپنے آقاؤں کے سامنے کیوں کر انکساری کرتے اور دل سے اُن کی اطاعت کیوں کرتے۔

کیا اس میں ابن ابی العوجاء (دہریہ مذکورۃ الصدر) اور اُس کے ساتھ والوں کی جو تدبیر کے منکر ہیں اور مانویہ کی جو تکلیف اور درد کی حکمت کو مانتے ہی نہیں (یعنی کہتے ہیں کہ تکلیف جو انسانوں کو پہنچتی ہے اُس میں کوئی حکمت اور فائدہ نہیں بلکہ فضولیات سے ہے) کچھ تنبیہ اور توبیخ نہیں ہے (رہے تو سب کچھ مگر لا یعقلی اور ہٹ دھرمی کا کیا علاج ہے)۔

اگر حیوانات میں صرف نر ہی پیدا ہوتے مادہ نہ ہوتی یا صرف مادہ ہی

حیوانات میں صرف نر یا صرف مادہ ہی کیوں نہ پیدا کئے۔ سن بلوغ پر مرد کے ڈاڑھی کیوں نکلتی ہے۔

پیدا ہوتی اور نر نہ ہوتے تو کیا نسل نہ منقطع ہو جاتی اور اس کے ساتھ حیوانات کے تمام اجناس و اصناف فنا نہ ہو جاتے۔ لہذا بعض بچے تو نر پیدا ہوتے ہیں اور بعضے مادہ تاکہ ہمیشہ نسل برقرار رہے اور کبھی ان کی ختم نہ ہو جائے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ مرد و عورت جب سن شعور و بلوغ کو پہنچتے ہیں تو مرد کے ڈاڑھی نکلتی ہے اور عورت کے نہیں نکلتی اگر اس میں حکمت و تدبیر نہیں تو کیا ہے یہ اس سبب سے ہے کہ چونکہ پروردگار نے مرد کو حاکم اور عورت کا متکلم و نگہبان بنایا ہے اور عورت کو اُس کی دلہن اور مددگار کو۔ لہذا مرد کو ڈاڑھی عطا کی کیونکہ اس میں عزت جلالت اور ہیبت ہے اور عورت کو نہ دی تاکہ اُس کے چہرہ کا حسن اور تازگی باقی رہے جو خوش فعلی اور ہم خوابی کے لئے نہایت مناسب ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حکیم عزوجل کی تدبیر سے یہ خلقت کیسی کیسی خوبیاں ظاہر کرتی ہے جس میں بالکل غلطی کو دخل نہیں۔ جس قدر جس چیز کی ضرورت ہے اُسی قدر دیتی ہے اور جس کی ضرورت نہیں ہوتی نہیں دیتی۔ وفضلاً مرد کے لئے ڈاڑھی کی ضرورت تھی وہ اُسے ملی۔ عورت کو اس کی ضرورت نہ تھی اُس کو نہ ملی۔

مفضل۔ کہتے ہیں کہ اتنے میں زوال کا وقت آگیا۔ آقا نماز کے لئے اُٹھے اور فرمایا کل صبح کو انشاءاللہ میرے پاس آنا میں وہاں سے اُن معلومات کے

حاصل ہونے سے نہایت خوش خوش اور خدا کا شکر کرتا ہوا اس نعمت پر جو اُس نے
مجھے دی تھی واپس آیا۔ تمام شب نہایت خوشی میں بسر کی کہ میرے آقا نے
کیا کچھ مجھے عطا کیا اور کیا کیا نہ تعلیم فرمائی۔

دوسرا جلسہ

مفضل کہتے ہیں جب صبح ہوئی تو اپنے آقا کی خدمت میں حاضر
ہوا۔ اذن حضوری لیا گیا۔ اور میں داخل دولت سرا ہوا۔ آپ نے مجھے بیٹھ
جانے کا حکم دیا۔ میں بیٹھ گیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ اُسی کے لئے تمام تعریفیں
ہیں جو گردش زمانہ کا مدبر (یعنی اُس کا گردش دینے والا۔ دور زمانہ کا یکے بعد
دیگرے لانے والا) اور قرنہائے دہر کو ایک دوسرے کے بعد دوسرا دینے اور
ایک عالم کے بعد دوسرا عالم بنا کر لانے والا ہے تاکہ بدکاروں کو اُن کی برائیوں
کا بدلہ دے اور نیکوکاروں کو اُن نیکیوں کا۔ اس لئے کہ وہ عادل ہے
تمام نام اُس کے مقدس ہیں اور نعمتیں اُس کی بڑی ہیں۔ وہ آدمیوں پر ذرا
بھی ظلم نہیں کرتا لیکن انسان خود اپنے نفسوں پر ظلم کیا کرتے ہیں۔ اس پر خدا کا
کلام گواہ ہے کہ جو شخص ایک ذرہ کے بقدر نیکی کرے گا اُس کا بدلہ پائے گا اور

جو ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کا عوض پائے گا۔ اس قسم کی اور آیتیں بھی اس کی کتاب (قرآن مجید) میں ہیں جس کے اندر تمام چیزوں کی تفصیل و توضیح موجود ہے نہ جھوٹ اس کے سامنے آسکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے وہ حکیم مطلق اور محمود کل کی طرف سے بھیجی ہوئی کتاب ہے۔ اور اسی وجہ سے سید عالم (محمد مصطفےٰؐ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ انما ھی اعمالکم ترد الیکم۔ یہ تمہارے اعمال تمہیں کو واپس کر دیے جائیں گے (یا یہ کہ یہ سزا و جزا تمہارے اعمال کا بدلا ہے جو تمہیں لوٹا دیا گیا) (یعنی خدائے تعالےٰ کو کچھ ان اعمال سے فائدہ نہیں پہنچےگا۔ بلکہ ان کا فائدہ تمہیں کو قیامت میں پہنچےگا۔

پھر امام علیہ السلام نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور ارشاد کیا اے مفضل! یہ خلق حیران و سرگرداں ہے۔ اندھی ہے متولی ہے۔ اپنی سرکشی کے اندر چلتی ہے۔ اپنے شیطانوں اور تھنبوں کی پیروی کرتی ہے۔ آنکھ والے تو ہیں مگر اندھے ہیں کچھ نہیں دیکھتے زبان والے تو ہیں گر گونگے ہیں۔ کچھ نہیں سمجھتے۔ کان والے تو ہیں مگر بہرے ہیں۔ کچھ نہیں سنتے پستی و حقارت میں خوش ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ہم ہدایت پا گئے عاقلوں کے درجہ سے پھرے ہوئے ہیں۔ گندے بخس لوگوں کے سبزے کو چرتے ہیں۔ (یعنی جو کہ جہل لوگ کہتے ہیں وہی یہ بھی کہنے لگتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کا وجود نہیں عالم کی تمام چیزیں آپ سے آپ پیدا ہو گئی ہیں۔ یہ نیچر فاعل ہے یا

طبیعت وغیرہ وغیرہ گویا وہ موت کے ناگہاں آجانے سے امن میں ہیں اور بدلہ پانے سے بچے ہوئے ہیں۔ افسوس کس قدر بدبخت ہیں! اور ان کا رنج اور ان کی تکلیف کس قدر طولانی ہوگی۔ اور ان کی بلا کس قدر سخت ہوگی جس دن کہ کوئی دوست کسی دوست کو فائدہ نہ پہنچا سکے گا۔ اور نہ ان کی بالکل مدد کی جائے گی (یعنی قیامت کے دن) البتہ وہ جن پر اللہ ہی رحم کرے)۔

مفضل! میں یہ سن کر رونے لگا۔ آپ نے فرمایا نہ رو۔ تو نجات پا گیا کیونکہ تو نے حق کو قبول کیا۔ اور نجات پا گیا۔ اس لئے کہ تو نے معرفت حاصل کر لی۔"

پھر فرمایا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ تم سے حیوانات کا حال بیان کروں تاکہ تم کو ویسا ہی حال ان کا بھی معلوم ہو جیسا کہ اس کے علاوہ اوروں کا حال معلوم ہوا۔

غور کرو حیوان کے بدن کی بناوٹ اور اس ہیئت وانداز میں جس پر وہ بنائے گئے ہیں نہ وہ پتھر کے سے سخت ہیں کیونکہ اگر ایسے ہوتے تو مڑ نہ سکتے اور کاموں میں تصرفات نہ کر سکتے اور نہ تو نرم بھی ہیں ورنہ پھر اٹھ ہی نہ سکتے ——— اور نہ بلا سہارے مستقل بنفسہ قائم رہ سکتے۔ لہذا وہ ایسے نرم گوشت سے بنائے گئے جو جھک سکتے اور مڑ سکتے ہیں اور ان کے اندر سخت ہڈیاں قرار دی گئیں جن میں پٹھے کو ٹھڑے جوڑے ہیں اور رگیں مضبوط باندھے ہوئے ہیں اور ایک کو دوسرے سے ملائے ہوئے

ہیں۔ ان ہڈیوں اور پٹھوں کے اوپر ایک جلد قایم کی گئی ہے جو تمام بدن کو محیط ہے۔

اسی کے مشابہ یہ تصویریں (مورتیں اور کٹھ پتلیاں) ہیں جو لکڑی سے بنائی جاتی ہیں اور انہیں کپڑوں میں لپیٹتے ہیں اور ڈوروں سے باندھتے ہیں اور اس کے اوپر سے گوند کا وارنش کر دیتے ہیں۔ تو لکڑی کو تم ہڈیاں فرض کرو اور کپڑوں کو گوشت اور ڈوروں کو پٹھے اور رگیں اور وارنش کو جلد سمجھو۔ تو اگر چلنے پھرنے والے حیوانات میں ایسا ہو سکتا ہو کہ آپ سے آپ یہ چیزیں بن گئیں (یعنی رگیں، پٹھے، گوشت، ہڈیاں اور ان کا باہم ارتباط اور تعلق) تو یہ بھی ممکن ہو گا کہ ان مردہ تصویروں میں بھی ایسا ہی ہو سکے (یعنی آپ سے آپ وارنش پھر جائے آپ سے آپ ان پر کپڑے لپٹ جائیں۔ آپ سے آپ ڈورے بندھ جائیں) اور اگر ان مورتوں میں (پتلیوں میں) ایسا ممکن نہیں ہے تو حیوانات بطریق اولےٰ ناممکن ہو گا۔

اس کے بعد ان حیوانات کے بدنوں کو غور کرو۔ چونکہ یہ آدمی کے جسم کی طرح گوشت ہڈی اور پٹھے سے پیدا کئے گئے ہیں۔ لہٰذا ان کو کان، آنکھ بھی دیے گئے۔ تاکہ آدمی اپنی ضرورت ان سے پوری کر سکے۔ کیونکہ اگر یہ اندھے بہرے ہوتے۔ تو انسان ان سے فائدہ نہ اٹھا سکتا۔ اور نہ یہ اس کی کسی ضرورت میں کارآمد ہو سکتے۔

پھر یہ کہ اُن کو ذہن اور عقل کا مادہ نہیں دیا گیا کیوں؟ اس لئے کہ یہ آدمیوں کے مطیع رہیں اور جب کہ وہ ان پر سخت مشقت ڈالیں اور بھاری بوجھ لادیں تو یہ اُس سے سرکشی نہ کریں۔

اگر یہاں یہ کوئی یہ اعتراض کرے کہ انسان کے غلام بھی ہوتے ہیں اور وہ اُن کی اطاعت کرتے ہیں اور باوجود سخت تکلیف و مشقت کے اُن کے فرماں بردار رہتے ہیں۔ مگر ان کو عقل بھی دی گئی ہے، ذہن بھی ان میں ہے۔ (اسی طرح اگر ان حیوانات کو بھی عقل و ذہن ملتا تو کیا حرج تھا جس طرح سے غلام اپنے آقاؤں کے مطیع اور فرماں بردار رہتے ہیں یہ بھی رہتے) تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ اس قسم کے آدمی (جو غلام ہیں) وہ دل سے اطاعت نہیں کرتے جیسی اطاعت یہ چوپائے کرتے ہیں کہ بوجھ بھی اٹھاتے ہیں چکی بھی پیستے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور جن کاموں کی انسان کو ضرورت ہے ان میں ان جانوروں کو کوئی بھڑکاتے اور بہکائے تو کچھ فائدہ بھی نہیں ہوتا کہ ان حیوانات میں کسی کے بہکانے کا کچھ اثر پیدا ہو۔ بخلاف انسان کے کہ اُس میں اس کا اثر بدیہی ہے۔)

پھر اگر حیوانات میں عقل پیدا کی گئی ہوتی اور وہ تکلیف برداشت نہ کر سکنے کے سبب آدمیوں کا کام نہ کرتے ان کی فرماں پذیر نہ رہتے تو آدمی اُن کاموں کو (جنہیں یہ حیوانات کرتے ہیں) خود ہی کرتا تو اور کاموں سے

معطل ہو جاتا کیونکہ اُسے ایک اونٹ یا ایک خچر کے بدلے بہت سے آدمی درکار ہوتے (جو اُن کاموں کو کر سکتے جو ان حیوانات سے لئے جاتے ہیں) تو یہی عمومی کام تمام آدمیوں کو اپنے ہی میں صرف کر لیتے اور کوئی ایسا نہ بچتا جو پیشہ و صناعت و حرفت کر سکتا۔ علاوہ اس کے انسانوں کو ان کاموں سے سخت تعب بھی پہنچتا اور اُن کے معاش میں مشقت اور تنگی ہو جاتی!!! (لہذا حیوانات کو ان کے بار برداری وغیرہ کے لئے ایسا پیدا کیا کہ انہیں عقل و شعور نہ ہو تاکہ انسان کے حکم سے سرتابی نہ کر سکیں)۔

تین قسم کے جانوروں کی ساخت

مفضل! غور کر ان تین قسم کے حیوانات اور ان کی ساخت کو کیونکہ مختلف ہیں اور ہر ایک کے لئے اس قسم کی ساخت سے کیا بہتری اور خوبی ہے۔

(۱) انسان

(۱) انسان کے لئے چونکہ یہ مقدر کر دیا گیا تھا کہ اس میں ذہن و ذکاوت ہو گی۔ اور معماری۔ نجاری۔ زرگری۔ جامہ دوزی وغیرہ پیشے اور حرفتیں کرے گا لہذا اُن کی ہتھیلیاں بڑی بنائی گئیں جن میں موٹی موٹی انگلیاں ہیں تاکہ تمام چیزوں کے گرفت کرنے پر اچھی طرح قادر ہوں اور سب میں ضروری یہ پیشے تھے (جو بغیر چوڑی ہتھیلیوں اور انگلیوں کی مدد کے ہو ہی نہ سکتے تھے۔

(۲) درندے

(۲) گوشت خوار حیوانات کے لئے چونکہ یہ مقدر کر دیا گیا تھا کہ ان کی زندگی شکار کے ذریعہ سے ہو گی۔ تو ان کی ہتھیلیاں لطیف سمٹنے والی پنجوں اور ناخنوں دار بنائی گئیں۔ جو شکار کے تو لائق ہیں مگر صنعت و

حرفت کے کام کی نہیں۔

(۳) نباتات خوار حیوانات کے لئے چونکہ یہ مقدر و معین کر دیا گیا تھا کہ نہ تو اُن کے متعلق صنعت و حرفت کا کام ہوگا اور نہ شکار کا لہذا بعض کو گوکھریاں دی گئیں جو انہیں زمین کی سختی سے محفوظ رکھیں جب کہ وہ چرنے کا ارادہ کریں۔ اور کسی کو گول کھرے سُم دیئے گئے جیسے چوپاؤں کے تلوے ہوتے ہیں جو زمین پر برابر پڑ سکیں تاکہ سواری اور باربرداری کے لئے تیار ہو سکیں۔

گوشت خور جانوروں کی ساخت اور بناوٹ کو غور کرو کہ اُن کے تیز دانت اور سخت پنجے اور چوڑے دہانے پیدا کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ان کے لئے چونکہ یہ مقدر کر دیا گیا ہے کہ گوشت ہی اُن کی غذا ہو تو اُن کی ساخت بھی اُس کے مناسب ہی بنائی گئی۔ اور اُن کو ایسے ہتھیاروں اور آلوں سے مدد دی گئی جو شکار کے قابل ہوں۔

علیٰ ہذا القیاس تم شکاری پرندوں کو بھی پاؤ گے کہ اُن کی چونچ اور اُن کے پنجے ان کے کام کے قابل بنائے گئے ہیں۔

اگر یہی پنجے و چونچ (غیر شکاری) جانوروں کو دیئے جاتے تو اُن کے لئے بیکار ثابت ہوتے کیونکہ نہ تو وہ شکار کرتے ہیں اور نہ گوشت کھاتے ہیں اور اگر درندوں کو کھر (بجائے پنجوں کے) دیئے جاتے تو جن چیزوں

کی انہیں ضرورت تھی وہ انہیں ملتیں یعنی وہ ہتھیار جن سے شکار کر کے اپنی زندگی بسر کر سکیں۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان دونوں قسم کے حیوانات کو وہی چیزیں ملی جاتی ہیں جو اس قسم کے لئے مناسب اور اس کے موافق ہیں بلکہ انہیں سے اس کی زندگی ہے۔

اب چوپائے جانوروں کو دیکھو۔ کہ وہ کس طرح اپنی ماؤں کے پیچھے پیچھے خود بخود چلتے ہیں اٹھانے کی ان کو ضرورت نہیں پرورش کی ان کو ضرورت نہیں۔ جیسا کہ آدمیوں کے بچوں کو ضرورت ہے۔ یہ اس سبب سے ہے کہ ان بچوں کے ماؤں کے پاس وہ آلات نہیں ہیں۔ جو آدمی کے بچوں کی ماؤں کے پاس ہیں۔ مثلاً نرمی و لطفت اور پرورش کا علم اور ان بچوں کو ہاتھوں اور انگلیوں کے ذریعہ سے اٹھانے کی قوت جو اسی لئے بنائے گئے ہیں۔ (یہ باتیں بیچارے چوپاؤں میں کہاں) لہذا ان چوپایہ بچوں کے لئے یہ دیا گیا کہ آپ ہی آپ اٹھیں اور خود اپنا کام کر سکیں۔

اسی طرح جانوروں پرندوں میں بھی پاؤ گے جیسے مرغی۔ کبک اور تیتر کے بچے کہ اسی وقت چلنے پھرنے اور دانہ چگنے لگتے ہیں۔ جب کہ انڈے سے نکلتے ہیں۔ لیکن وہ پرندے جو کمزور ہیں اور ان میں اٹھنے کی طاقت نہیں۔ جیسے دیسی اور جنگلی کبوتر اور حمر کے بچے۔۔ کہ ان کی ماؤں کو ان کی بہت ہی

محبت دی گئی کہ جب وہ اپنے پوٹوں کو بھر لیتی ہیں تو اُن بچوں کے مُنہ میں لاکر بھرتی ہیں اور برابر کھلاتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ (بچے) خود اپنا کام انجام دے سکیں۔

اسی وجہ سے کبوتر کو بہت سے بچے نہیں دیئے گئے جیسے مرغیوں کے بہت سے بچے ہوتے ہیں تاکہ ان کی مائیں اپنے بچوں کے پالنے پر قادر ہو سکیں اور وہ بچے خراب اور ہلاک نہ ہوں۔ پس حکیم لطیف خبیر کی حکمت کا ہر ایک حصّہ ملا ہے۔

حیوانات کی ٹانگیں کیوں جفت بنائی گئیں

دیکھو حیوانات کی ٹانگوں کو کیوں کر جفت بنائی گئی ہیں۔ یہ اس لئے کہ چلنا ممکن ہو۔ اگر طاق بنائی گئی ہوتیں تو اس کے قابل نہ ہوتیں۔ اس سبب سے کہ چلنے والے جاندار اپنے ایک پاؤں کو اُٹھاتے اور دوسرے پر سہارا لیتے ہیں۔ دو ٹانگوں والے ایک کو اُٹھاتے دوسری پر ٹھہرتے ہیں۔ اور چار ٹانگوں والے دو کو اُٹھاتے اور دو پر سہارا لیتے ہیں۔ اور یہ مختلف طرح سے ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر چوپائے دونوں ٹانگیں ایک ہی طرف کی اُٹھاتے اور دوسری طرف کی دو ٹانگوں پر سہارا لیتے تو زمین پر ٹک نہ سکتے جیسے تخت وغیرہ صرف دو پایوں پر ٹک نہیں سکتا تو ایسا ہوا کہ داہنی طرف کی تو اگلی ٹانگ کو اُٹھائے اور بائیں طرف کی پچھلی۔ اور اسی طرح مخالف بہت سے باقی ٹانگوں کو اُٹھاتے تاکہ زمین پر قایم رہ سکے اور چلنے کے وقت گر نہ پڑے۔

کیا تم گھوڑے کو نہیں دیکھتے کہ کیونکہ ہار پہ بلدی اور چکی پیسنے کا کام دیتا ہے۔ اور وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ گھوڑا آرام و آسائش میں رکھا جاتا ہے۔

اور اونٹ اس قدر کام کرتا ہے کہ جتنا کئی آدمی مل کے نہیں کر سکتے۔ اگر یہ حکم نہ مانتا تو کیسا ہوتا؟ اب تو ایک بچے کی بھی اطاعت کر لیتا ہے۔ اور بیل کیوں کر اپنے مالک کا فرماں بردار ہوتا ہے۔ جہاں تک کہ اس کی گردن پہ جوا رکھ کے اس کے ذریعہ سے زراعت کرتا ہے۔ شریف نسل کا گھوڑا تلواروں اور نیزوں میں اپنے مالک کی طرح گھس جاتا ہے۔ بھیڑ کے ایک گلہ کو ایک آدمی چرا لیتا ہے اور اگر ایسا ہوتا کہ بھیڑیں بھاگ جایا کرتیں اور ہر ایک ان میں سے ایک راستہ لیتی تو وہ شخص ان کو پا نہ سکتا۔ علیٰ ہذا القیاس اور تمام قسم کے حیوانات جو انسان کے مسخر ہیں۔ تو ایسا کیوں ہے؟ اسی سبب سے تاکہ ان میں عقل نہیں۔ غور و فکر کی قوت نہیں۔ اگر ان میں عقل ہوتی اور یہ کاموں میں غور کرتے ہوتے تو بالا دلی آدمی کی اکثر ضرورتوں میں پہلو تہی کر جاتے۔ اونٹ اپنے کھینچنے والے کا حکم نہ مانتا۔ نہ بیل اپنے مالک کا۔ بھیڑیں اپنے چرواہے سے بھاگ بھاگ کے متفرق ہو جاتیں اور علیٰ ہذا القیاس۔

اسی طرح یہ درندے اگر عقل و شعور رکھتے ہوتے تو آدمیوں سے مقابلہ کرتے اور ان سے جھگڑتے کہ ہماری خوراک کی چیز پر تم کس طرح

قابض و متصرف ہو گئے) تو میا وکہ شیر بھیڑئے چیتے اور ریچھوں سے کون مقابلہ کرنے جاتا۔ اگر وہ ایک دوسرے سے مل کر آدمیوں پر چڑھائی کرتے؟ کیا تم نہیں دیکھتے کہ یہ بات ان سے کیوں کر روک دی گئی۔ اور بجائے اس کے کہ اُن سے انسان ڈرتا ہے وہ خود آدمیوں کی سکونت گاہ سے ہیبت کھاتے اور بھاگتے ہیں۔ پھر یہ بھی کہ دن میں اپنی غذا تلاش کرنے نہیں نکلتے۔ رات کو نکلا کرتے ہیں۔ تو باوجود صولت و قوت کے بے روک ٹوک اور بے مار پیٹ آدمیوں سے ڈرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان کے گھروں میں کود کود کے آجاتے اور اُن کی زندگی تنگ کر دیتے۔

پھر منجملہ ان تمام درندوں کے کتے میں ایک خاص بات رکھی گئی ہے کہ اپنے مالک پر مہربان ہوتا ہے اور اس کی حمایت و حفاظت کرتا ہے اور اُس کے گھر کی حفاظت کے واسطے چار دیواری اور چھتوں کے اردگرد اندھیری رات میں پھرتا رہتا ہے اور چوروں سے بچاتا ہے۔ اُس کی محبت اپنے مالک سے اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ خود اُس کے اور اس کے گلہ اور مال کے بچانے کے واسطے اپنی جان دیدیتا ہے اور حد سے زیادہ اس سے محبت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے ساتھ بھوک اور تکلیف پر صبر کرتا ہے تو کتا کیوں ایسا پیدا کیا گیا۔ اسی لئے تاکہ آدمی کی حفاظت کرے۔ اس کے دانت سخت ہیں اُس کے پنجے خشن ہیں۔ اس کی آواز ڈرانی ہے۔ کیوں؟ اسی لئے

تاکہ چور اُس سے ڈریں۔ اور جن چیزوں کی وہ حفاظت کرتا ہے اُن کے پاس نہ آئیں۔

مفضل! چوپاؤں کے چہروں کو غور کرو۔ کیونکر بنا ہے۔ تم دیکھو گے کہ اُن کی آنکھیں سامنے کو لگی ہوتی ہیں تاکہ کسی دیوار سے ٹھوکر نہ کھا جائیں۔ یا کسی گڑھے میں نہ گر پڑیں اور اُن کے دہانوں کو ٹھوڑی کے نیچے سے پھٹا ہوا پاؤ گے۔ اگر اس طرح پھٹے ہوتے جیسے انسانوں کے منہ میں۔ ٹھوڑی کے سامنے سے تو وہ اس بات پر قادر نہ ہوتے کہ زمین سے کوئی چیز اُٹھا سکتے کیا تم نہیں دیکھتے کہ آدمی اپنے منہ سے کھانے کی چیز کو نہیں اُٹھاتا بلکہ اپنے ہاتھوں سے اُٹھاتا ہے۔ یہ اس کو خاص شرافت اور کھانے والوں پر دی گئی ہے۔ اور چونکہ چوپاؤں میں ایسے ہاتھ نہ تھے جن سے وہ گھاس کو اُٹھا کر کھا سکیں۔ لہٰذا اُن کا ٹھوڑی کا حصّہ نیچے کی جانب شگافتہ کر دیا گیا۔ تاکہ گھاس کو پکڑ سکے اور پھر اُسے چبا سکے۔

اور لمبے ہونٹوں سے اُس کو مدد دی گئی۔ تاکہ نزدیک اور دور کی چیزوں کو پا سکے۔

ان جانوروں کی دُم کو عبرت سے دیکھ۔ کہ اس میں کیا نفع قرار دیا گیا ہے۔ یہ اُن کے بول و براز کے مقامات کے لیے ایک قسم کا ڈھکنا ہے۔ جو دونوں کو چھپائے رہتی ہے اور اس کا فائدہ یہ بھی ہے کہ ان حیوانات کے دُبر سے لے کر پیٹھ تک چرک اور میل لگا رہتا ہے جس پر مکھیاں اور

مچھر اُن کو جمع ہو جاتے ہیں۔ تو اُن کی دُمیں بجائے چوری کے بنائی گئیں جن سے مکھی، مچھروں کو اُن مقامات سے بھگا سکیں اور اس میں یہ بھی ایک فائدہ ہے کہ دائیں بائیں دُم کے ہلانے سے اُن کو آرام ملتا ہے (گویا یہ ایک قسم کا ان کا شغلہ ہے) اس لئے کہ چونکہ یہ جانور چاروں ہی پیروں پر کھڑے رہتے ہیں اور اگلے دونوں پاؤں بدن کے اُٹھائے رہنے میں مصروف ہیں اور انھیں ادھر اُدھر پھرانے کا موقع نہیں ملتا۔ تو ان جانوروں کو اپنی دُم ہی ہلانے میں راحت ملتی ہے اور اس میں بہت سے فائدے اور بھی ہیں جن کے جاننے سے وہم قاصر ہے اور جو اُسی وقت معلوم ہوں جب کہ اُس کی ضرورت پڑے۔

منجملہ اُن فائدوں کے ایک فائدہ یہ بھی ہے۔ کہ جانور کبھی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ تو اُس کے نکالنے اور اٹھانے کے لئے دُم سے بڑھ کر کوئی چیز کام نہیں دے سکتی۔

اور دُم کے بالوں میں آدمیوں کے بھی بہت فائدے ہیں۔ کہ انھیں اپنی ضرورتوں میں صرف کرتے ہیں۔

پھر ان حیوانوں کی پیٹھ سطح اور چاروں ٹانگوں کے اوپر اوندھی ہوئی بنائی گئی تاکہ ان پر سوار ہونا ممکن ہو۔ ان کے مقام دخول اُن کے پیچھے کھلے ہوئے بنائے گئے تاکہ نر کو جفتی کھانی ممکن ہو۔ اور اگر پیٹ کے نیچے بنایا جاتا جیسے عورت کی شرمگاہ ہے تو اُن کے نر اُن کو جفتی کرنی ممکن نہ ہوتی۔ کیا

تمھیں معلوم نہیں کہ اُن کے نرشتہ کے سامنے سے جفتی نہیں کھا سکتے جس طرح کوئی مرد عورت سے صحبت کر سکتا ہے۔

ہاتھی کی سونڈ کو غور کرو اور دیکھو کہ اس میں کیا باریک حکمت ہے۔ یہ سونڈ اس کے لئے چارہ اور پانی لینے اور پیٹ تک پہنچانے میں ہاتھ کے قائم مقام ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو ہاتھی کسی چیز کو زمین سے نہ اٹھا سکتا۔ کیونکہ اُس کی ویسی گردن نہیں ہے جیسے اور چوپاؤں کی طرح آگے بڑھا سکے تو جب اُس کی گردن ایسی لمبی نہ ہوئی تو اُس کے قایم مقام لمبی سونڈ دی گئی۔ تاکہ اُسے لٹکا سکے اور اپنی ضرورت کو اُس سے حاصل کرے۔ تو کس نے بجائے اس عضو معدوم (ہاتھ) کے اُسی ایسی چیز دی جو اُس کا بدلہ ہو سکے۔ اُسی نے نا جو اپنی مخلوقات پر نہایت مہربان ہے۔ اور یہ بن پیدا کئے کیوں کر ہو سکتا تھا جیسا کہ یہ ظالم نیچری اور دھریئے کہتے ہیں۔

پس اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ پھر ویسی گردن کیوں نہ بنائی جیسی اور چوپاؤں کی ہے تو اُسے یہ جواب دیا جائے گا کہ ہاتھی کا سر اور اس کے کان بہت بھاری اور ثقیل ہیں۔ اگر یہ سر اور کان لمبی گردن پر بنائے گئے ہوتے تو اُسے توڑ دیتے اور سست کر دیتے۔ لہٰذا اُس کا سر اُس کے دھڑ سے ملا ہوا بنایا گیا۔ تاکہ اُسے وہ تکلیف نہ پہنچے جو ہم نے بیان کی ہے۔ اور بجائے گردن کے یہ سونڈ بنا دی گئی تاکہ اُس کے ذریعہ سے اپنی غذا

حاصل کر سکے پس باوجود گردن نہ ہونے کے یہ تمام اُن چیزوں کو پوری طرح
حاصل کر لیتا ہے جس میں اُس کی ضرورت رفع ہو جائے۔

دیکھو ہتھنی کی فرج کیوں کر پیٹ کے نیچے پیدا کی گئی مگر جب اُسے
شہوت ہوتی ہے تو اوپر کی جانب ابھر آتی ہے تاکہ نر کو اُس سے جفتی کرنا
ممکن ہو۔ غور کرو کہ ہتھنی کی شرمگاہ برخلاف اور حیوانوں کے
بنائی گئی پھر اُس میں وہ بات رکھ دی گئی جس سے وہ امر ممکن ہو سکے جس میں
اُس کی نسل کا بقا و دوام ہے۔

زرافہ کی ساخت کو ذرا غور کرو اور اس بات کو کہ اُس کے اعضاء
کیسے مختلف ہیں اور چند طرح کے حیوانوں کے اعضا سے مشابہ ہیں۔ اُس کا
سر تو گھوڑے کا سا سر ہے۔ گردن اونٹ کی سی کھریاں گائے کی سی اور اُس کی
کھال چیتے کی سی۔ بعض جاہلوں نے یہ گمان کیا ہے (جن کو خدائے تعالیٰ کی
حکمتوں کی معرفت نہیں) کہ کئی قسم کے نروں کی جفتی سے اس قسم کا بچہ
ہوتا ہے۔ ان جاہلوں نے یہ بیان کیا ہے کہ خشکی کے قسم قسم کے جانور جب
پانی پینے کے لئے گھاٹوں پر وارد ہوتے ہیں تو کوئی جانور کسی سے کوئی کسی سے
جفتی کھا جاتا ہے تو اس صورت کا بچہ پیدا ہو جاتا ہے جو گویا مختلف قسم کے
حیوانات سے کا ملتقط نمونہ ہے۔ یہ اس کہنے والے کی جہالت ہے اور یہ خدائے
جل قدسہ و عز جلالہ کو پہچانتا نہیں۔

کسی قسم کا جانور دوسری قسم کے حیوانات سے جفتی نہیں کھاتا گھوڑا۔ اونٹنی سے جفتی نہیں کھاتا۔ اور نہ اونٹ گائے سے صرف جفتی تو انہیں جانوروں میں باہم ہوتی ہے جو ایک دوسرے سے مشاکل و مشابہ ہوں۔ جیسے گھوڑا گدھی سے جفتی کھاتا ہے جس سے خچر پیدا ہوتا ہے۔ اور بھیڑیا بجو سے جفتی کھاتا ہے۔ جس سے سمج پیدا ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اگر کوئی بچہ ان کی جفتی سے پیدا ہو تو ایک ایک عضو ہر ایک جانور کے مشابہ ہو (مثلاً سر تو بجو کا سا ہو اور ٹانگیں بھیڑیے کی سی) جیسا کہ زرافہ میں ہے کہ ایک عضو گھوڑے کا ہے۔ اور ایک عضو اونٹ کا اور کھر یار گائے کی۔ بلکہ وہ تو ان دونوں سے مل کر ایک تیسری قسم کا جانور بن جاتا ہے۔ جیسے تم خچر کو دیکھتے ہو کہ اس کا سر اس کے کان اس کا پٹھ اس کی دم اس کے سم گدھے اور گھوڑے کے ان اعضاء کے درمیان درمیان ہیں۔ اور اس کی آواز گھوڑے کی ہنہناہٹ اور گدھے کی آواز کے درمیان درمیان ہے۔

پس یہی اس بات کی دلیل ہے کہ زرافہ مختلف جانوروں کی باہم جفتی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے یہ بھی ایک عجیب مخلوق ہے جس سے اس کی قدرت معلوم ہو جو کسی چیز میں عاجز نہیں

یہ بھی معلوم کر لینا چاہیئے۔ کہ قسم قسم کے حیوانات کا خالق جس کے جس عضو بدن کو چاہتا ہے ایک سا پیدا کرتا ہے اور جس کے اعضائے بدن کو چاہتا

سے مختلف پیدا کرتا ہے۔ بناوٹ میں جو چاہتا ہے زیادتی کر دیتا ہے اور جو
چاہتا ہے کم کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ اس سے اُس کی قدرت معلوم ہو۔ اور
یہ کہ اُسے کوئی ایسی چیز جس کا وہ ارادہ کرے عاجز نہیں کر سکتی۔

زرافہ کی لمبی گردن کا فائدہ

لیکن اُس کی گردن کیوں لمبی ہے اور اس میں اُسے کیا فائدہ ہے۔
تو وہ فائدہ یہ ہے کہ اُس کی چراگاہ اور اُس کی پیدائش کی جگہ درختوں کے
جھنڈ میں ہے، جہاں اونچے اونچے، لمبے لمبے درخت پیدا ہوتے
ہیں تو اُسے لمبی گردن کی ضرورت تھی تاکہ یہ اپنے منہ سے درختوں کی پتیاں
توڑ سکے اور اُس کے پھلوں سے اپنی غذا کر سکے۔

بندر کی ساخت اور اس کی خاصیتیں

بندر کی پیدائش اور اُس کے اکثر اعضا کے آدمی سے مشابہ ہونے
پر غور کرو یعنی سر۔ دونوں شانے اور سینہ اور اسی طرح اُس کے
باطنی اعضا بھی انسان کے باطنی اعضا سے مشابہ ہیں اور علاوہ بریں
اُسے ذہن و ذکاء بھی دیا گیا ہے جس کی وجہ سے اپنے پالنے والے کی ان
باتوں کو سمجھتا ہے جس کا وہ اشارہ کرتا ہے۔ اور اکثر انسان کو جو کام کرتے
دیکھتا ہے اُس کی نقل اُتارتا ہے۔ یہاں تک کہ انسانی خصلت اور
اُس کے شمائل و خصائل سے اپنی تدبیر ساخت میں بہت قریب
ہے اور آدمی کے لئے باعث عبرت ہے کہ وہ اس بات کو سمجھے کہ میں بھی
بہائم کی طینت اور مادّے سے بنا ہوں۔ کیونکہ انہیں بہائم میں سے

وہ بھی ہے جو انسان سے اس قدر قریب ہے اور یہ کہ اگر مجھ کو ذہن وعقل وگویائی میں اُس پر فضیلت نہ دی گئی ہوتی تو میں کسی جانور ہی کے مانند ہوتا۔

علاوہ اس کے بندر کے جسم میں کچھ زیادتیاں بھی ہیں جن کی وجہ سے اس میں اور انسان میں تفرقہ ہوجاتا ہے۔ مثلاً دہانہ۔ لمبی دُم اور بال جو اُس کے جسم کا لباس ہے اور یہ باتیں کچھ انسان سے اُس کے ملحق ہوجانے کو مانع نہ ہوتیں۔ اگر اس کو انسان ہی کے مانند عقل ذہن اور گویائی کی طاقت دی گئی ہوتی بس۔ صحیح حدِ فاصل اس میں اور آدمی میں صرف عقل۔ ذہن اور طاقت گویائی کی کمی ہے۔

مفضل! ذرا اللہ تعالےٰ کی مہربانی ان بہایم پر تو دیکھو کہ ان کے بدنوں کو مختلف قسم کے بالوں کا کیسا لباس پہنایا ہے تاکہ سردی اور آفتوں کے زیادہ پڑنے سے محفوظ رہیں۔ اور انہیں (بجائے جوتے کے) کھریاں۔ سم۔ اور خف (اونٹ اور ہاتھی کے جیسے پاؤں ہوتے ہیں) دئے تاکہ (اُن کے پاؤں) گھسنے سے بچیں۔ کیونکہ اُن کے نہ ہاتھ ہیں نہ ہتھیلیاں اور نہ انگلیاں جن سے سوت کا کاتنا اور کپڑے کا بننا ممکن ہو تو ان کی یوں مدد کی گئی کہ ان کا لباس ان کی ساخت اور خلقت ہی میں بنا دیا گیا۔ جو ان کی زندگی تک باقی رہے۔ انہیں اس کے تجدید اور بدلنے کی ضرورت نہ پڑے مگر

انسان تو صاحب تدبیر ہے اس کے پاس ہتھیلیاں ہیں جن سے کام کر سکتا ہے وہ کپڑا بنتا ہے اور سوت بھی کاتتا ہے اور اسی سے اپنے لئے کپڑا بناتا ہے اور وقتاً فوقتاً اسے تبدیل بھی کرتا رہتا ہے۔ اور اس کے لئے اس میں کئی طرح کی بہتری بھی ہے منجملہ اس کے یہ ہے کہ وہ اپنے لباس کے بنانے میں مصروف ہو کر فضول باتوں سے بچتا ہے اور غیر ملائم کاموں سے جو بیکاری سے پیدا ہو جاتے ہیں اور منجملہ اس کے یہ ہے کہ جب چاہتا ہے اپنے کپڑے کو اُتارنے سے آرام حاصل کرتا ہے اور منجملہ اس کے یہ بھی کہ اپنے لئے طرح طرح کا لباس بنا سکتا ہے جن میں خوشنمائی اور حسن ہو تو ان کے پہننے اور تبدیل کرنے میں اسے لذت ملتی ہے اور علیٰ ہٰذالقیاس لطیف صنعت سے طرح طرح کے موزے اور جوتے بناتا اور ان سے اپنے پاؤں کی حفاظت کرتا ہے اور اس میں ان کے کاریگروں کے لئے معاش اور تجارت بھی جن سے ان کی تندرستی ہے اور جن سے ان کی اور ان کے عیال کی روزی ہے۔ تو یہ مختلف قسم کے بال بہائم کے لئے بجائے لباس کے ہیں اور کھریاں سُم اور خف قائم مقام موزوں کے۔

مفضل! ذرا اس عجیب خلقت کو غور کرو جو بہائم میں بنائی گئی ہے وہ یہ کہ یہ تمام بہائم۔ جب مرجاتے ہیں تو اپنے تئیں اسی طرح چھپا دیتے ہیں جیسے انسان اپنے مردوں کو دفن کر دیتا ہے اگر ایسا نہیں تو پھر کہو وحش

اور درندوں وغیرہ کے مردے کیا ہوتے ہیں جو ایک بھی دکھائی نہیں دیتا اور ایسے کم بھی نہیں ہیں کہ اپنی کمی کی وجہ سے پوشیدہ رہتے ہیں بلکہ اگر ان کو آدمیوں کی بہ نسبت زیادہ کہا جائے تو بالکل سچ ہے۔

اسے ان ہرنوں جنگلی گائے بیلوں، گدھوں، جنگلی بکریوں -- اور بارہ سنگھوں کے گلوں کے ذریعے سے سمجھ اور نیز درندہ وحوش اور مختلف طرح کے درندے۔ شیر۔ بجو۔ بھیڑئیے چیتے وغیرہ اور مختلف قسم کے کیڑے مکوڑوں اور حشرات الارض اور زمین پر چلنے والے جانوروں سے عبرت حاصل کرو۔ جو صحراؤں اور پہاڑوں میں رہتے ہیں اور علی ہذالقیاس پرندوں کے جھنڈ مثلاً کوے۔ چکور۔ بط۔ کلنگ۔ کبوتر اور تمام شکاری پرندوں سے عبرت لو۔ ان سب کے مردے کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ مگر وہی ایک آدھ جسے شکاری شکار کر لیتا ہے۔ یا درندے پھاڑ کھاتے ہیں تو (دراصل یہ ہوتا ہے کہ) جب ان حیوانات کو اپنے مرنے کا احساس ہوتا ہے تو کسی مخفی مقام میں چھپ بیٹھتے ہیں اور وہیں مر جاتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو تمام زمین ان کے مردوں ہی سے بھر جاتی۔ یہاں تک کہ ہوا کی بو خراب ہو جاتی اور طرح طرح کی بیماریاں اور وبا پیدا ہو جاتی تو اس بات کو دیکھو جو انسان نے (حیوانات ہی سے) حاصل کی اور اس پہلی تمثیل (جسے خدائے تعالٰے نے ہابیل و قابیل کے قصے میں بیان کیا ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل

کر دیا تو دیکھا کہ دو کوّے لڑتے ہوئے آئے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا اور زمین کھود کر اُسے دفن کر دیا۔ اس سے قابیل نے سیکھا کہ ایک گڑھا کھود کر اور اُس میں اپنے بھائی کی لاش چھپا دی) پر عمل کیا جسے پروردگار نے ان کے لئے قائم کیا تھا۔

کس طرح اُس نے ان بہائم وغیرہ میں یہ ادراک اور یہ طبیعت (قانون فطرت) قرار دی جس کی وجہ سے آدمی اُن امراض اور فسادات کی ایذا سے بچے جو اس پر واقع ہوتے۔

مفضل! ان مجمد ادیوں کو سوچو جو بہائم میں قرار دی گئی ہیں اور جو رفتار طور پر اللہ تعالےٰ کی مہربانی سے ان کی خلقت میں داخل ہیں تاکہ اس کا کوئی مخلوق اس کی نعمتوں سے محروم نہ رہے۔ مگر یہ سمجھ عقل اور قوت مفکرہ کے ساتھ نہیں ہے جس کی پہلے نفی کی گئی ہے، دیکھو کہ گوزن سانپ کو کھا جاتا ہے اور اس وجہ سے اسے سخت پیاس لگتی ہے۔ مگر پانی نہیں پیتا اس خوف سے کہ اگر اُس نے پانی پیا تو زہر اُس کے تمام جسم میں سرایت کر جائے گا اور اُسے مار ڈالے گا تالابوں کے کنارے کھڑا رہتا ہے اور اُس کو پیاس سے سخت تکلیف ہوتی ہے بلند آواز سے چیختا ہے مگر پانی نہیں پیتا اگر پی لے تو اُسی دم مر جائے تو دیکھو کہ بالطبع ان جانوروں میں سخت پیاس کے روک لینے کی ضرر کے خوف سے کس قدر برداشت رکھی

گئی ہے۔ حالانکہ یہ ایسی چیز ہے کہ عقل والا تمیز دار آدمی بھی خود اسے ضبط نہیں کر سکتا۔

لومڑی (کو دیکھو کہ) جب اُسے خوراک نہیں بہم پہنچتی تو اپنے تئیں مُردہ بنا لیتی ہے اور اپنے پیٹ کو پھلا لیتی ہے۔ اس لئے کہ پرندے اُسے مردہ سمجھیں۔ جوں ہی پرندے نوچنے اور کھانے کے لئے اُس پر گھستے ہیں فوراً اُن پر حملہ کرتی اور انہیں پکڑ لیتی ہے۔

پھر بتاؤ کہ بے زبان اور بے ادراک لومڑی کو یہ تدبیر کس نے بتائی اُسی نے تاجوان طریقوں سے اُسے روزی پہنچانے کا ذمّہ دار ہوا ہے۔ چونکہ لومڑی اکثر اُن امور کو نہیں کر سکتی جو درندے کرتے ہیں۔ مثلاً شکار کا مقابلہ کرنا اُن پر حملہ کرنا تو اُسے اس چالاکی اور حیلہ گری سے اُس کے معاش کے لئے مدد پہنچائی گئی۔

ڈلفین (جو آبی جانوروں اور ڈوبتے ہوئے آدمی کو بچا لیتا ہے) پرندوں کا شکار چاہتا ہے تو اُس کی اس معاملہ میں یہ تدبیر ہوتی ہے کہ پہلے مچھلی کو پکڑ کے مار ڈالتا ہے تاکہ وہ پانی پر اُبھری رہے اور خود اُس کے نیچے چھپا رہتا ہے اور پانی کو اُچھالتا رہتا ہے کہ کہیں اُس کا جسم دکھائی نہ دے جائے۔ جب کوئی پرندہ اُس اُبھری ہوئی مچھلی پر گرتا ہے تو اُسے اُچک کر شکار کر لیتا ہے۔

مفضل کہتے ہیں! میں نے عرض کی کہ مولا اژدہے اور بادل کا کچھ حال بیان فرمایئے آپ نے ارشاد کیا کہ ابر گویا اس پر موکل کیا گیا ہے جہاں اسے پائے اچک لے جیسے سنگ مقناطیس لوہے کو جذب کر لیتا ہے۔ اس وجہ سے وہ اپنا سر زمین سے اٹھاتا ہی نہیں کیوں کہ اُسے ابر کا خوف لگا ہوا ہے اور سوائے گرمی کے دنوں کے۔ جب کہ آسمان صاف ہو اور ابر کا ایک نقطہ بھی اوپر نہ ہو باہر آتا ہی نہیں اور وہ بھی صرف ایک مرتبہ نکلتا ہے۔

مفضل:- میں نے عرض کی تو ابر کیوں اژدہے پر موکل کیا گیا جو اس کی گھات میں رہتا اور جہاں اُسے پائے اچک لے جاتا ہے۔

امام علیہ السلام:- اس لئے کہ آدمیوں کو اُس کے ضرر سے بچائے۔

مفضل- میں نے عرض کی مولا آپ نے بہایم حیوانات کا تو ایسا حال بیان کر دیا جو عبرت حاصل کرنے والوں کے واسطے عبرت ہو سکے۔ اب چیونٹی چیونٹے۔ اور پرندوں کا حال بیان فرمایئے۔

امام علیہ السلام! مفضل اس ننھی سی چیونٹی کے منہ کو دیکھو کیا اس میں کسی ایسی بات کی کمی پاتے ہو جس میں اُس کی بہتری اور بھلائی ہو اور جو اس کے مناسب ہو۔ یہ اندازہ اور صواب کہاں سے آیا سوائے اس کے

کہ وہی حکمت و تدبیر اس میں بھی صرف ہوتی ہے جو بڑی مخلوق اور چھوٹی مخلوق میں ہوئی۔ (اسی وجہ سے جتنی چیزیں چیونٹی کے لئے ضروری ہو سکتی تھیں سب ہی اس کے واسطے پیدا کر دی گئیں۔)

دیکھو اس چیونٹی کو کہ اپنے قوت (غذا) کے جمع کرنے کے لئے کیونکر مجتمع اور اکٹھا ہوتی ہیں۔ تم ایسا دیکھو گے کہ کئی کئی چیونٹیاں جب کسی دانے کو اپنے سوراخ میں پہنچانا چاہتی ہیں تو ایسی ہوتی ہیں جیسے چند آدمی مل کر غلہ وغیرہ اٹھائے جاتے ہیں بلکہ چیونٹی کو اس بارے میں تو اتنی کوشش اور تندہی ہوتی ہے کہ آدمی ویسا کر نہیں سکتے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ دانے کے اٹھائے جانے پر ایک دوسرے کی کیسی مدد کرتی ہیں جیسے آدمی پھر دانے کے کاٹنے کا ارادہ کرتی اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو (یہ دانے ان کے سوراخوں میں پانی پاکر) اُگ آئیں اور ان کے کام کے نہ رہیں۔ اور جب ان دانوں کو تری پہنچ جاتی ہے تو اسے نکال کر پھیلا دیتی ہیں تاکہ خشک ہو جائے۔ پھر یہ بھی ہے کہ چیونٹیاں ایسے مقام پر اپنا سوراخ بناتی ہیں جو بلند ہو تاکہ پانی کی رَو وہاں تک پہنچ کر انھیں غرق نہ کر دے۔ مگر یہ سب باتیں بے عقل و فکر کے ہیں اور ایک فطری اور قدرتی باتیں ہیں جو اُن کی مصلحت کے واسطے خدائے عزوجل کی مہربانی سے ان کی خلقت میں داخل کر دی گئی ہیں۔

اس جاندار کو دیکھو جسے لیث (شیر) کہتے ہیں اور عام لوگ اسد الذباب (مکھیوں کا شیر) یہ ایک قسم کی مکڑی ہے۔ جو مکھیوں کا شکار کرتی ہے) کیسی تدبیر

اور حیلہ گری اور اس کو اپنی تحصیل معاش کے لئے کیا رفق و ملائمت دی گئی ہے۔

تم دیکھو گے کہ جب اُسے مکھی کا احساس ہوتا ہے کہ اُس کے قریب آئی تو دیر تک چھوڑ رکھتی ہے (بالکل اُس سے تعرض نہیں کرتی اور نہ چال کرتی شکار کا ارادہ ظاہر کرتی ہے) گویا خود ایک مری ہوئی چیز ہے جس میں کچھ حس و حرکت ہی نہیں جب مکھی کو دیکھ لیتی ہے کہ اب وہ مطمئن ہو گئی اور اس سے بالکل غافل ہے تو نہایت آہستہ آہستہ رسان رسان اس کی طرف چلتی ہے جس وقت اتنی قریب پہنچ جاتی ہے کہ اسے پکڑ سکے گی تب اُس پر اُچکتی اور اُسے پکڑ لیتی ہے۔ اور جب پکڑ لیتی ہے تو اس طرح اُس پر اپنے تمام جسم سے چمٹتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو اُس سے چھوٹ جائے اور اتنی دیر اُس کو مضبوط تھامے رہتی ہے کہ اُسے محسوس ہو جاتا ہے کہ مکھی اب کمزور ہو گئی۔ اور ہاتھ پاؤں اُس کے ڈھیلے ہو گئے۔ پھر متوجہ ہوتی ہے اور اُسے پھاڑ کھاتی ہے۔ اور اسی کے ذریعہ سے اُس کی حیات ہے۔ (اب بتاؤ کہ یہ تدبیر مکڑی کو کس نے بتائی کہ اس طرح حیلہ گری کام میں لاوے اور مکھی کا شکار کر کے اپنی غذا بنائے کیا مکڑی کے مادہ نے اُسے سکھایا یا اس کی بے ادراک طبیعت نے ہرگز نہیں بلکہ کسی بڑے مدبر حکیم نے جس نے اُسے پیدا کیا ہے یہ ترکیب و

تدبیر اُس کی خلقت میں ودیعت رکھی ہے)۔

لیکن باقی (عام) مکڑی۔ تو وہ جالا تنتی اور اُسے مکھیوں کے شکار کا
جال اور پھندہ بناتی ہے اور اس کے اندر خود چھپ کر بیٹھتی ہے۔ جوہیں
مکھی اُس میں پھنسی اُس نے لپک کر اُسے دم بدم کاٹنا شروع کیا۔ اس کی
زندگی اس طرح ہوتی ہے۔

اسی طرح لوگ یہی حال کتوں اور شیروں کے شکار اور جال اور
پھندے کے صید کا بھی بیان کرتے ہیں (یعنی جیسے کوئی آدمی کسی کتے یا شیر
کو شکار کرتا ہے یا جال اور پھندے سے کسی پرندہ کو پھنساتا ہے وہی تدبیر
یہ مکڑیاں بھی باوجود بے عقل و ادراک ہونے کے محض اپنی فطرتی اور
قدرتی قوت سے کر لیتی ہیں)۔

تو دیکھو کہ اس کمزور جانور کی طبیعت میں کیونکر وہ بات رکھی گئی جسے انسان
بغیر حیلہ و تدبیر اور واستعمال آلات کے نہیں کر سکتا۔ تم کسی چیز کو عیب زدگی تو
جب کہ اُس میں کوئی اثر عبرت موجود ہو۔ جیسے چیونٹی چیونٹے وغیرہ (یعنی اُن کو
حقیر نہ سمجھو) (اس کلام سے حضرت کا مقصود یہ ہے کہ چیونٹی وغیرہ چھوٹی
چھوٹی مخلوقات خدا کو حقیر نہ سمجھو ان میں بھی عجیب عجیب حکمتیں اور صناعیاں
ہیں جو اُن کے خالق نے اُن میں ودیعت کی ہیں۔ جن سے انسان غور کرنے
کے بعد بڑی بڑی عبرتیں حاصل کر سکتا ہے) کیونکہ کبھی کسی نفیس مطلب

کی مثال ایسی حقیر اور چھوٹی چیز سے بھی دی جاتی ہے۔ تو اس سے اُس نفیس مطلب کی قدر کچھ گھٹ نہیں جاتی۔ جیسے سونا لوہے کے باٹ سے تولا جاتا ہے تو اُس تولنے سے اُس کی کچھ عزت کم نہیں ہو جاتی۔

مفضل! پرندے کے جسم اور اُس کی بناوٹ کو غور کرو چونکہ اُس کے لئے یہ مقرر کر دیا گیا تھا کہ فضائے آسمان میں اُڑا کرے۔ اس لئے اُس کا جسم ہلکا اور بدن گٹھا ہوا بنایا گیا۔ چار پیروں کے بدلے صرف دو پاؤں اُسے دیے گئے اور پانچ انگلیوں کے بدلے صرف چار اور پیٹ اور پیشاب کے دو سوراخوں کے بدلے صرف ایک سوراخ جو دونوں کام دے سکتا ہے۔ پھر اُس کو سینہ تیز (اور باریک) دیا گیا کہ اُس طرف کی ہوا کو کاٹ سکے جدھر جانا چاہے جیسا کہ کشتی بھی اسی صورت پر بنائی گئی تاکہ پانی کو کاٹ سکے اور اُس میں چل سکے۔ اُس کے بازوؤں اور دم میں لمبے لمبے مضبوط پر پیدا کئے گئے تاکہ ان کے ذریعے سے اُڑنے کے لئے بلند ہو سکے۔ اور تمام بدن پروں سے ڈھک دیا گیا تاکہ اُس کے اندر ہوا بھر کر اُسے بلند کرے۔ اور چونکہ اس کے لئے یہ مقدر کیا گیا تھا کہ غذا اُس کی دانے اور گوشت سے ہوگی جسے وہ بغیر چبائے صرف نگل جائے گا تو اُس کی خلقت اور ساخت میں سے دانت کم کر دئے گئے اور سخت چونچ ٹھونگنے والی پیدا کی گئی جس سے وہ اپنے کھانے کی چیزوں کو اُٹھا سکے نہ وہ دانتوں کے اُٹھانے سے چھل جاتی۔

اور نہ گوشت کے نوچنے سے ٹوٹ جاتی ہے اور چونکہ اُس کے دانت نہیں ہیں۔ بلکہ کھڑا دانہ نگل جاتا ہے اور کچا گوشت کھا جاتا ہے اس لئے اس کے پیٹ کے اندر بہت زیادہ حرارت پیدا کی گئی۔ جو اُس کی غذا کو خوب گلا دے جس کی وجہ سے چبانے کی ضرورت ہی نہ رہے۔

(اسے یوں سمجھو کہ انگور وغیرہ کے بیج تو آدمی کے پیٹ سے سالم نکل آتے ہیں مگر پرندوں کے پیٹ میں ایسے گل جاتے ہیں کہ ان کا اثر بھی نہیں رہتا (اس سے ثابت ہوا کہ پرندوں کے پیٹ یا پوٹے میں ایسی حرارت ہے جو سخت بیج اور دانوں کو بھی گلا دیتی ہے)

پھر وہ ایسے بھی بنائے گئے۔ کہ انڈے ہی دیا کریں۔ بچے نہ جنیں تاکہ اُڑنے میں اُن کو گرانی نہ ہو کیونکہ اگر بچہ اُس کے پیٹ میں اتنے دنوں ٹھہرتا کہ مضبوط ہووے تب پیدا ہو تو اُسے بہت گرانی ہوتی اور اُڑنے سے روک دیتا۔ لہذا اُس کی خلقت اور ساخت کی ہر چیز اُسی مناسبت سے پیدا کی گئی ہے۔ جس صورت سے اُس کا ہونا مقدر ہو چکا ہے۔

پھر یہ بھی مقدر ہوا کہ یہ فضائے آسمانی میں اُڑنے والا پرندہ (جس کی فطرت اُڑنے ہی کے لئے بنائی گئی ہے) اپنے انڈوں پر بیٹھے اور ایک ہفتہ یا دو ہفتہ یا تین ہفتہ تک اپنے پروں کے نیچے رکھے تاکہ بچہ نکلے۔ پھر وہ (دیکھیا) اُس پر (ہمہ تن) متوجہ ہوتا۔ اور اسے ہوا بھراتا ہے تاکہ اُس کا پوٹہ غذا

کے واسطے وسیع ہو جائے۔ پھر اُسے پرورش کرتا ہے اور ایسی چیز سے غذا دیتا ہے
جس سے وہ زندہ رہ سکے۔

کس نے یہ کام اُس کے متعلق کیا کہ پہلے دانے چنے پھر جب اُس کے
پوٹے کے اندر ٹھیرے تو اُسے نکالے اور اُس سے اپنے بچہ کو بھرائے۔ اور کیوں
وہ اُس مشقت کا متحمل ہوتا ہے۔ حالانکہ نہ اُس کے لئے غور و فکر کی طاقت
دی گئی ہے۔ اور نہ اُسے وہ اُمید ہی ہے جو انسان کو اپنے بچوں سے ہوتی
ہے مثلاً عزت بخشش۔ اور بقائے نام وغیرہ۔ تو یہ ایسا فعل ہے جو گواہی دے
رہا ہے کہ کسی خاص ایسے سبب سے خدائے تعالیٰ جل جلالہ کی عنایت سے
اُس کے بچے کے لئے معطوف ہوا ہے جسے وہ پرندہ خود نہیں جان سکتا۔
اور نہ اُسے اُس کا فکر و غم ہے۔ وہ کیا ہے؟ وہ دوام و بقائے نسل ہے۔

مرغی کو دیکھو کہ انڈے سینے اور بچے نکالنے کے لئے کیسی بیقرار ہوتی ہے۔
حالانکہ نہ اُس کے انڈے یکجا ہوتے ہیں نہ اُس کا کوئی خاص گھونسلا ہے۔ بلکہ ابھرتی
اور پھولتی اور کڑکڑاتی ہے۔ کھانا پینا چھوڑ دیتی ہے۔ جب تک کہ اُس کے
پاس انڈے نہ جمع کر دئے جائیں جنہیں وہ سیئے اور بچے نکالے۔ یہ کیوں ہوا۔
اسی لئے تاکہ اُس کی نسل باقی رہے (ورنہ اُسے اس قدر کوشش کی کیا ضرورت
تھی) اور اگر قدرتاً اُس میں یہ بات پیدا نہ کی گئی ہوتی تو کون اُس کو اقامہ نسل
پر مجبور کرتا۔ حالانکہ نہ اُس میں سوچنے کی قوت ہے اور نہ غور کی جس سے وہ سمجھتی

کہ مجھے انڈے سینے چاہئیں تاکہ ان سے بچے نکلیں اور میری نسل قائم رہے ۔)

انڈے کی ساخت اور اس کے اندر کی بستہ زردی اور رقیق سفیدی کو دیکھو ایک حصہ تو اس لئے بنایا گیا کہ اس سے بچہ پیدا ہو اور ایک حصہ اس لئے کہ اس کی غذا بنے جب تک کہ وہ انڈے سے نکل نہ لے۔ (زردی سے بچہ بنتا ہے اور سفیدی اس میں جذب ہوتی ہے اور وہی اس کی غذا بنتی ہے) دیکھو کہ اس میں کیا حکمت ہے از بسکہ اس بچہ کی خلقت محفوظ چھلکے کے اندر قرار پائے جس میں کوئی بیرونی چیز داخل نہیں ہو سکتی تو اس کی غذا اس کے اندر ہی قرار دی گئی۔ جو اس کے نکلنے کے وقت تک کے لئے کافی ہو سکے کسی شخص کو جب ایسے سخت قید خانہ میں بند کر دیتے ہیں جس میں کوئی جانے نہ پائے۔ تو اس کے پاس اس قدر قوت (خوراک) بھی رکھ دی جاتی ہے جو اس کے قید خانہ سے نکلنے کے وقت تک کے لئے کافی ہو اسی طرح انڈے کے اندر بچے کے لئے غذا کا سامان یعنی انڈے کی سفیدی پیدا کی گئی جو اس میں جذب ہو کر اس کی غذا بنے ۔

پرندے کے پوٹے اور اس حکمت کو سوچو جو اس میں قائم کی گئی ہے۔ چونکہ سنگدانہ میں غذا لے جانے کا راستہ تنگ ہے تھوڑی تھوڑی کر کے غذا اس میں پہنچتی ہے تو اگر ایسا ہوتا کہ پرندہ دوسرا دانہ تو چگنے نہ پاتا جب تک پہلا دانہ سنگدانہ میں پہنچ جاتا تو اسے بڑی دیر لگتی ۔ اور چونکہ وہ اپنی نہایت دور اندیشی سے جلد جلد اپنے کھانے کی چیز کو سمیٹ لیتا ہے۔ تو اس کا پوٹہ ایسا بنایا گیا جیسے تو بڑہ جو

اس کے آگے لٹکا ہوا ہے تاکہ جو کچھ اُسے کھانے کے لئے ملے جاری سے اُس میں بھرلے۔
پھر آہستہ آہستہ سنگدانہ (جو خاص ہضم کرنے کے واسطے بنایا گیا ہے) تک پہنچائے۔
پوٹے میں ایک اور بھی فائدہ ہے وہ یہ کہ بعض پرندوں کو اپنے بچے بھرانے کی
ضرورت ہوتی ہے تو اس صورت میں غذا کا بچہ کے پوٹے کی طرف قریب سے لوٹا
دینا آسان ہوتا ہے (بخلاف اس کے اگر اس کے دانے پیٹ میں جا کر جمع ہوا کرتے
تو بچوں کو بھرانے کے واسطے پیٹ کے اندر سے نکال کر بچے کے منہ میں بھرنا بہت
دشوار ہوتا۔ لہٰذا ایسا مقرر ہوا کہ پرندے دانوں کو پوٹے میں بھرلیں اور
قریب ہی سے اپنے بچوں کو بھرا سکیں)۔

مفضل۔ میں نے عرض کی کہ معطلہ فرقہ میں سے کچھ لوگوں کا یہ دعویٰ ہے
کہ رنگوں اور شکلوں کا پرندوں میں مختلف ہونا محض عناصر و اخلاط کے امتزاج
اور اُن کی مقدار کی کمی بیشی کی وجہ سے ہے۔ کسی نے خاص طور پر ایسا نہیں بنایا
ہے (کہ پرندہ کئی کئی رنگوں کا ہو اور کئی کئی طرح کی شکلیں ہوں جیسے مور، چکور
مرغ، تیتر وغیرہ بلکہ ان کے رنگوں کا اختلاف صرف مادے کی کمی بیشی کی وجہ
سے ہے)۔

امام علیہ السلام۔ یہ گل کاریاں جو تم مور اور دراج (تیتر)
میں دیکھتے ہو اور یہ تدریجی برابری اور مقابلہ (کہ اگر ایک طرف دو گل ہیں
ہے تو دوسری طرف بھی ایسا ہی ہوگا۔ ایک مادہ میں جو پُر رنگین اور جس صفت کا

ہے۔ دوسرے بازو میں بھی اُسی نمبر کا ہو اسی رنگ اور صفت کا ہوگا۔ جتنا چڑھاؤ اوتار ایک جانب ہے اتنا ہی دوسری جانب بھی ہے) جیسے کوئی شخص قلم سے نقش بندی اور مصوری کرتا ہے اسے یہ امتزاج (باہمی امتزاج عناصر اعمل دبہ عقل وشعور) ایسی شکل پر جس میں کچھ اختلاف نہ ہو کیوں کر بنا سکتا ہے۔ اگر یہ رنگینیاں اور گلکاریاں بے کسی صانع کے ہوتیں تو ان میں نسبت مساوات نہ رہتی۔ اور اختلاف ہوتا۔ حالانکہ ہم کس حسن و دلفریبی کے ساتھ ان رنگ آمیزیوں کو پرندوں میں دیکھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی قدیر حکیم نے نہایت صناعی اور حکمت سے ان میں ایسے ایسے رنگوں کو بھرا ہے)۔

پرندے کے پر کو غور سے دیکھ کر کیونکر بنا ہے تم اُسے ایسا دیکھو گے کہ گویا باریک تیلیوں سے بنا جاتا ہے اسی طرح بنے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملے ہوئے جیسے ایک ڈورہ دوسرے ڈورے اور ایک بال دوسرے بال سے۔

پھر تم اُس بناوٹ کو دیکھو کہ جب تم اُسے کھولو تو تھوڑا کھل جاتا ہے اور پھٹ نہیں جاتا تاکہ اُس میں ہوا بھر سکے۔ اور جب وہ اُڑنا چاہے اڑ سکے۔ اور پر کے بیچ میں تم ایک مضبوط موٹی سینک دیکھو گے جس پر بالوں کے مانند ایک چیز بنی گئی ہے تاکہ وہ اپنی سختی کی وجہ سے اُسے تھامے رہے۔ اور وہ (سینک) پر کے اندر ایک سوراخ دار چیز اور کھوکھلی ہے تاکہ پرندے کو بوجھ

نہ ہو۔ اس کو اٹھنے سے روک نہ سکے۔

کیا تم نے اس لمبی ٹانگوں والے پرندے کو بھی دیکھا ہے اور یہ بھی سمجھے ہو کہ اس کی ساقین لمبی ہونے سے کیا فائدہ ہے۔ اکثر پرندہ پانی کی کم گہرائی کے مقام پر ہوتا ہے۔ تم اسے دیکھتے ہو گے کہ اپنی لمبی ساقوں سے گویا ایک مقام پر بیٹھ کر دیدبانی کر رہا ہے۔ اور وہ غور کرتا رہتا ہے کہ پانی میں کیا چیز چلی۔ پس جب کسی ایسی چیز کو دیکھتا ہے جو اس کی غذا کے مقابل ہے تو رسان رسان چند قدم چل کر اسے پکڑ لیتا ہے اور اگر اس کی ساقیں چھوٹی ہوتیں اور پھر شکار کی طرف اس کے پکڑنے کے لئے چلتا تو اس کا پیٹ پانی سے مل جاتا اور پھول جاتا تو وہ اس سے خوف کھاتا اور الگ ہو جاتا۔ لہذا اس کے لئے یہ دو عمود بنائے گئے کہ اپنی ضرورت پوری کر سکے اور اس کے مطلب میں کچھ خرابی نہ پڑے۔

پرندے کی خلقت میں جو کئی طرح کی حکمتیں صرف کی گئی ہیں انہیں سوچو تم یہ لمبی ساقوں والے پرندے کو دیکھو گے کہ اس کی گردن بھی لمبی ہے۔ یہ اس غرض سے کہ زمین سے اپنے کھانے کی چیز اٹھا سکے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لمبی گردن کے بدلے لمبی سی چونچ بنا دی جاتی ہے تاکہ اس سے اور سہولت و امکان ہو جائے۔

کیا تم ایسا نہیں دیکھتے۔ کہ مخلوقات میں سے جس چیز کو تلاش کرو

اُسے نہایت ٹھیک درست اور حکمت کے ساتھ پاؤ گے (ضرور ایسا ہی ہے۔ مخلوقات میں کوئی چیز نہیں معلوم ہوتی جس میں انواع واقسام کی حکمتیں نہ صرف کی گئی ہوں اور جو بالکل اُس شے کے مناسب ہی نہ ہوں)۔

اُن جڑی بوٹیوں کو دیکھو جنھیں یہ پرندے دن میں تلاش کرتے ہیں۔ نہ تو ایسا ہوتا کہ انہیں ملے ہی نہیں۔ اور نہ ایسا ہوتا کہ اکٹھا اور ایک ہی جگہ رکھی ہوئی مل جائے۔ بلکہ تلاش اور چلنے پھرنے سے دستیاب ہوتی ہیں۔ یہی حالت اور مخلوقات کی بھی ہے۔ سبحان اللہ وہی قابل تسبیح و تقدیس ہے جس نے روزی معین کی کس کس طرح سے اُن کو قوت پہنچائی اور ایسا نہ کیا کہ یہ اُس پر قادر بھی نہ ہو سکے۔ کیونکہ خلقت کو اُس کی احتیاج ہے۔ اور نہ ایسا بنایا کہ عام طور پر ہر جگہ آسانی سے مل جائے۔ کیونکہ خلقت کو اُس کی احتیاج ہے۔ اور نہ ایسا بنایا کہ عام طور پر ہر جگہ آسانی سے مل جائے۔ کیونکہ اس میں کوئی بہتری نہیں ہے اس لئے کہ اگر غذا اکٹھی ایک ہی جگہ جمع کی ہوئی مل جایا کرتی تو بہائم اُسی میں پڑے لوٹا کرتے اور وہاں سے جدا ہی نہ ہوتے۔ یہاں تک کہ سوء ہضم پیدا ہو جاتا اور مر جاتے۔ اور انسان بھی فراغت و اطمینان کی وجہ سے نہایت اتراہٹ نخوت اور تکبر میں پڑ جاتے تو بہت سے فسادات پیدا ہوتے اور خواہش ہونے لگتے۔

(اس لئے ایسا بنایا گیا کہ اشیائے غذا ہر قسم کے جانداروں کی متفرق مقامات سے حاصل ہوں تاکہ اُن کی تلاش میں ان جانداروں کی ورزش بھی ہوتی رہے اور حرکت کی وجہ سے اُن کی غذا بھی ہضم ہو۔ فکو خیال کی وجہ سے اُن کو اتراہٹ اور نخوت کا بھی موقع نہ ملے ایک ہی مقام پر مجتمع غذا ملنے سے ایسا نہ ہو کہ یہ زیادہ کھا جائیں اور سوءِ ہضم ہو جائے)۔

تم کچھ جانتے ہو کہ وہ پرندے جو صرف رات ہی کو نکلا کرتے ہیں جیسے اُلو۔ کیڑے مکوڑے اور چمگادڑ۔ ان کی خوراک کیا ہے؟

مفضل :- مجھے تو معلوم نہیں۔

امام علیہ السّلام :- ان حیوانات کی خوراک وہ انواع اقسام کے جانور ہیں جو اس فضا میں پھیلے ہوئے ہیں مثلاً مچھر پروانے اور ٹڈیوں کی صورت کے پتنگے۔ اور مکڑیاں وغیرہ یہ تمام جانور فضائے آسمان میں پھیلے رہتے ہیں۔ کوئی مقام ان سے خالی نہیں رہتا۔

اسے یوں سمجھو کہ جب تم رات کو کسی چھت پر یا صحن میں چراغ روشن کرتے ہو تو اس قسم کے بہت سے کیڑے اُس پر جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ سب کہاں سے آتے ہیں۔ قریب ہی سے تو آتے ہیں۔ اگر کوئی یہ کہے کہ جنگلوں اور میدانوں سے آتے ہیں تو اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ اُسی وقت اتنی دور کے مقامات سے کیوں کر آن پہنچتے ہیں۔ اور اتنے فاصلے سے چراغ کو کیسے دیکھتے ہیں جو کسی ایسے مکان

میں روشن کیا گیا ہے جس کے گرداگرد اور بہت سے مکانات ہیں بااین ہمہ یہ
تو ایک چشم دید بات ہے کہ یہ کیڑے قریب ہی سے چراغ پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔
اور شب کے نکلنے والے پرندے جب نکلتے ہیں تو انہیں پکڑ پکڑ کے اپنی
غذا بناتے ہیں۔

دیکھو ان شب کے نکلنے والے پرندوں کے لئے اس قسم کے فضا
میں پھیلے ہوئے کیڑے مکوڑوں سے کیونکر روزی پہنچانے کا رستہ
نکالا گیا۔

اسی کے ساتھ ان حیوانات کے پیدا ہونے کی غرض بھی سمجھو۔ شاید
کوئی خیال کرنے والا یہ خیال کرے کہ یہ تو فضول پیدا ہوئے ہیں ان سے
کوئی فائدہ ہی نہیں۔

خفاش کو تو ایک عجیب الخلقت جانور پیدا کیا ہے جو پرندے
اور چوپائے کے بین بین ہے۔ بلکہ چوپاؤں سے زیادہ قریب ہے۔ اس
لئے کہ اُس کے دو کان اوپر کو نکلے ہوئے ہیں۔ دانت ہیں باریک رونگٹے
ہیں۔ بچے جنتا ہے دودھ پلاتا ہے۔ بول و براز کرتا ہے۔ جب چلنا چاہتا ہے
چاروں پیروں سے چلتا ہے۔ یہ سب صفتیں پرندے کے برخلاف ہیں۔ پھر
یہ شب ہی کو نکلتا ہے اور اُن کیڑوں پتنگوں کو اپنی غذا بناتا ہے جو جو سما میں
منتشر ہیں۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ چمگادڑ تو کچھ کھاتی ہی نہیں۔ اس کی غذا

ایسے حیوانات پیدا کیوں کئے گئے اس میں کیا حکمت ہے

صرف ٹھنڈی ہوا ہے۔ حالانکہ یہ بات دو وجہوں سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ اس سے ثقل اور پیشاب دفع ہوتا ہے یہ بے غذا کے ہو ہی نہیں سکتا۔ دوسرے یہ کہ اس کے دانت ہیں۔ اگر یہ کچھ نہ کھاتا ہوتا تو دانت اس کے بالکل بیکار تھے۔ حالاں کہ خلقت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

لیکن اس جانور (چمگادڑ) کے وجود کے فائدے تو مشہور ہی ہیں۔ اس کی بیٹ بعض عملی چیزوں میں داخل کی جاتی ہے اور بڑی غرض تو اس کی وہ عجیب و غریب ساخت اور خلقت اور اپنی مصلحت اور فائدے کے لئے اُس کا آنا جانا۔ جہاں چاہے اور جس طرح چاہے۔ جو خالق جل شانہ کی قدرت کو بتا رہی ہے۔

اور وہ پرندہ جسے ابن تمرہ[1] کہتے ہیں کبھی کبھی درختوں پر آشیانہ بناتا ہے۔ جب کسی بڑے سانپ کو دیکھتا ہے کہ اُس کے گھونسلے نگل جانے کے لئے اپنا منہ کھولا۔ تو نہایت بے چین ہوتا ہے اور کوئی تدبیر تلاش کرتا ہے جس کے سبب سے اُس سے بچے۔ جو ہیں آسے حسکہ (خار خشک جسے گوکھرو کہتے ہیں) مل گیا جھٹ اُٹھا لایا اور سانپ کے مُنہ میں اوپر سے ڈال دیا اب سانپ لوٹنے لگتا ہے۔ آخر اُس کی تکلیف سے مر جاتا ہے۔

---

[1] غالباً اس سے مُراد وہ پرندہ ہے جسے ہندوستان میں بیا کہتے ہیں۔ ۱۲

اگر میں تم سے یہ بات نہ بیان کرتا تو کیا تمہارے یا کسی اور کے دل میں اس کا خطرہ بھی ہوتا کہ جسکہ میں یہ بڑی منفعت ہے۔ یا کوئی سمجھ سکتا تھا کہ کسی چھوٹے یا بڑے پرندے کو یہ تدبیر سوجھا کرتی ہے۔

اس سے عبرت حاصل کرو۔ اور اسی طرح بہت سی چیزیں ہیں جن میں غیر معلوم فواید ہیں جو بغیر کسی نئے واقعے کے جو بیان کیا جائے۔ یا کسی خبر کے جو سنی جائے معلوم نہیں ہو سکتے۔

شہد کی مکھی کو دیکھو اور شہد کے بنانے پر ان کے متفق کوشش سے جمع ہونے اور چھ پہلوؤں کا گھر بنانے کو غور کرو اور یہ کہ اس میں فطانت کی کیا کیا باریکیاں ہیں۔ جب تم اس کے کام پر غور کروگے تو تمھیں نہایت ہی عجیب و لطیف معلوم ہوگا۔ اور جب اُن کی بنائی ہوئی چیز کو دیکھوگے تو بہت ہی قابل عظمت پاؤگے۔ جو آدمیوں کے لئے کیسی اچھی شریف مصرف کی چیز ہے۔

اور جب کرنے والے (جس نے ایسا باقاعدہ مکان بنایا اور جس نے پھولوں کے عرق سے شہد تیار کیا اور موم پیدا کیا۔ یعنی شہد کی مکھی) کو دیکھوگے تو اُسے نہایت ہی غبی پاؤگے جو اپنے تئیں بھی نہیں سمجھ سکتا چہ جائیکہ اور چیزیں پس یہ ہیں صاف کھلی دلیل اس بات کی موجود ہے کہ اس کی صنعت کی یہ درستی اور حکمت اس مکھی (شہد کی مکھی) کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ اُس کی حکمتیں ہیں جس نے انھیں اس فطرت پر پیدا کیا ہے۔ اور آدمیوں کی مصلحت کے لئے اس

کام پر اُسے مجبور کر دیا ہے (تاکہ وہ شہد پیدا کرے جس سے انسان فائدہ اٹھائے۔ اُسے اپنے علاج میں صرف کر سکے، اس کے ذریعہ سے محظوظ ہو سکے)۔

اس ٹڈی کو دیکھو کیسی کمزور اور پھر کس قدر قوی ہے۔ جب تم اُس کی خلقت اور ساخت کو دیکھو گے تو تمام چیزوں سے کمزور پاؤ گے اور اگر اس کا لشکر کسی شہر پر آپڑے تو کسی کو اتنی قوت نہ ہو گی کہ اس سے اپنے تئیں بچا سکے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ روئے زمین کے بادشاہوں میں سے اگر کوئی بادشاہ اپنے خیل و حشم کو ٹڈیوں سے بچانے کے لئے جمع کرے تو وہ بالکل اُس پر قادر نہ ہو گا۔ کیا یہ بات قدرت خالق تعالےٰ پر دلیل نہیں ہے کہ وہ اپنی کمزور ترین مخلوقات کو قوی ترین مخلوقات پر بھیجے اور وہ اس کے دفعیہ پر قادر نہ ہوں۔ اسے دیکھو کہ روئے زمین پر کیسے سیل کی طرح آپڑتی ہے اور کوہ و صحرا میدان و شہر سب کو گھیر لیتی ہے یہاں تک کہ اس کی کثرت سے آفتاب کی روشنی بھی چھپ جاتی ہے۔

تو خیال کرو اگر یہ ٹڈیاں ہاتھ سے بنائی جاتیں تو کب اس کثرت کے ساتھ جمع ہو سکتی تھیں اور کتنے سال اس میں ختم ہوتے اس سے پروردگار نے اپنی قدرت کا ثبوت دیا ہے جس قدرت کو کوئی شے عاجز نہیں کر سکتی اور نہ اُسے کوئی چیز زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

مچھلی کی خلقت اور اُن مناسبتوں کو دیکھو کہ جس حالت پر اُس کا ہونا اور رہنا مقرر ہو چکا ہے کس طرح اُس میں موجود ہیں۔

اُسے ٹانگیں نہیں دی گئیں کیوں کہ اس کو چلنے کی ضرورت نہ تھی۔ اُس کا مسکن پانی قرار دیا گیا۔ اُس کے پھیپھڑے نہیں پیدا کیا گیا کیوں کہ اُسے سانس لینا ممکن نہیں (اگر سانس لیتی تو پیٹ میں اُس کے پانی بھر جایا کرتا اور اُس سے فوراً مر جاتی) جب کہ وہ سمندر میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اُسے ٹانگوں کے بدلے سخت پر دیئے گئے جن سے وہ دونوں طرف پانی کو کاٹتی جاتی ہے جیسے ملاح کھابیوں سے کشتی کے دونوں طرف پانی کاٹتا ہے۔ اس کے جسم کو موٹے چھلکوں کا لباس پہنایا گیا جو ایک دوسرے کے اندر متداخل ہیں جیسے زرہ یا جوشن کی کڑیاں تاکہ اپنے تئیں آفتوں سے بچا سکے۔ اُسے قوت شامہ بہت زیادہ دی گئی اس لئے کہ نظر اس کی کمزور ہے اور پانی اُسے روکتا ہے تو کھانے کی چیز کو دور سے سونگھ لیتی ہے اور پھر اُس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ ورنہ کیونکر اُسے محسوس کر سکتی (کہ کھانے کی چیز کہاں ہے) اور (یہ بھی) جانو کہ اُس کے دہانے سے لے کر دونوں کانوں تک سوراخ بنائے گئے ہیں منہ سے تو پانی پیتی اور اس راہ سے نکال دیتی ہے اور اس طرح روح کی ترویح و آسائش کرتی ہے۔ جیسے اور حیوانات ٹھنڈی ہوا سے صبح سے ترویح روح حاصل کرتے ہیں۔

اب اس کی نسل کی زیادتی کو اور اس کی خصوصیت کو لحاظ غور کرو۔ تم ایک مچھلی کے پیٹ میں اتنے انڈے پاؤ گے جن کا زیادتی کی وجہ سے شمار نہیں ہو سکتا اس کا سبب یہ ہے کہ اور جانوروں کی غذا میں اس کی وجہ سے زیادتی ہو جائے کیوں کہ اکثر حیوانات مچھلیوں ہی کو کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ درندے بھی

جھاڑیوں کے اندر پانی کے کنارے مچھلیوں کی گھات میں بیٹھے رہتے ہیں جہاں اس کے پاس سے ہو کے کوئی مچھلی گذری اور اس نے جھٹ اُچک لیا پس چونکہ درندے بھی مچھلیاں کھاتے ہیں اور اور پرندے بھی مچھلیاں کھاتے ہیں اور آدمی بھی۔ خود مچھلیاں بھی مچھلیوں کو کھاتی ہیں (بڑی مچھلیاں چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہیں) تو اس میں حکمت یہی ٹھری کہ جس کثرت سے اب ہیں اُسی قدر ہوں۔

پھر اگر تم کو خالق عالم کی وسعت حکمت اور مخلوقین کے کلّی علم کو جاننا منظور ہو تو دریا کے وہ انواع اقسام کی مچھلیاں۔ آبی حیوانات۔ سیپ اور قسم قسم کے جانوروں کو دیکھو جن کا شمار نہیں ہو سکتا اور نہ جن کے فائدے معلوم ہو سکتے ہیں۔ مگر یکے بعد دیگرے جنہیں انسان اُن ذریعوں سے معلوم کرتا ہے جو پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً قرمز ہے کہ اُس کے رنگ کو لوگوں نے یوں جانا کہ ایک مادہ سگ دریا کے کنارے دوڑ رہی تھی۔ اُسے ایک چیز ملی۔ جسے حلزون (یہ ایک کیڑا ہے جو اونٹوں کے چراگاہ میں ہوتا ہے اور رنگ دیتا ہے) کہتے ہیں تو اُس کو کھا لیا۔ اُس سے اُس کا دہانہ رنگیں ہو گیا۔ لوگوں کو جو یہ اچھا سا رنگ معلوم ہوا تو قرمز (جھاڑی کا کیڑا ہے جس سے ریشم کو رنگتے ہیں) کو رنگ بنا لیا۔ اور ایسی بہت سی چیزیں ہیں جسے لوگ وقتاً فوقتاً زمانہ بزمانہ معلوم کرتے ہیں۔ (اور بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو اب تک

معلوم ہی نہیں ہوئیں ۔)

مفضل ۔ اتنے میں زوال کا وقت قریب آیا اور مولا نماز کے لئے اُٹھے اور فرمایا ۔ کل سویرے صبح کو انشاءاللہ تعالےٰ آنا میں وہاں سے واپس آیا ۔ اور اُن علوم کی وجہ سے جو حضرت نے مجھے بتائے دُگنا خوش تھا ۔ اور آپ کے اس عطیہ پر نہایت مسرور ۔ اور آپ کے اس انعام پر شکر کرتا تھا ۔ اور وہ شب بہت ہی خوشی میں بسر کی ۔

تیسرا جلسہ

جب تیسرا دن ہوا تو صبح سویرے ہی میں اپنے مولا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے لئے اجازت مانگی گئی میں داخل مکان ہوا۔ آپ نے مجھے بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔ الحمد للہ الذی اصطفانا ولم یصطف علینا اصطفانا بالعلم وایدنا بالحلم من شذ عنا فالنار ماواہ ومن تفیأ بظل دوحتنا فالجنۃ مثواہ۔

اے مفضل :۔ میں نے تمھارے سامنے انسان کی خلقت اور جس خدا نے اس کی اصلاح و تدبیر فرمائی ہے۔ اور اس کے حالات کا ادل بدل ہونا اور جو اس میں عبرت ہے مفصل بیان کردی اور حیوانات کے حال کی بھی تشریح کردی۔ اب میں سما (بظاہر اس سے بلندی آسمان اور اس کی فضا مراد ہے) آفتاب۔ چاند ستارے۔ افلاک (حرکت کرنے والے آسمان) رات۔ دن۔ گرمی۔ سردی۔ ہوائیں عناصر اربعہ (مٹی۔ پانی۔ ہوا۔ آگ) مینہ بڑے بڑے پتھر، پہاڑ۔ کیچڑ۔ چھوٹے پتھر۔ معدنیات۔ نباتات۔ درخت خرما۔ اور عام درختوں کا ذکر کرتا ہوں۔ اور یہ کہ ان میں کیا کیا دلیلیں اور

عبرتیں ہیں۔

سما (بلندی و فضائے آسمان) کے رنگ کو دیکھو کہ اس میں کیا صحیح تدبیر ہے۔ کیوں کہ یہ رنگ نظر کے لئے تمام رنگوں کی بہ نسبت زیادہ مناسب اور مقوی ہے۔ یہاں تک کہ اطبا بھی اُس شخص کے لئے جس کی آنکھ میں کوئی بیماری ہو گئی ہو سبزی کی طرف برابر دیکھنا یا جو اس سے قریب قریب مایل بسیاہی ہو تجویز کرتے ہیں اور حذاق اطبا، اُس کے لئے جس کی نظر کمزور ہو گئی ہو ایسے لگن میں دیکھا کرنا بتاتے ہیں جس کا رنگ سبز ہو اور اُس میں پانی بھرا ہوا ہو۔

تو دیکھو کہ اللہ جل و تعالیٰ نے آسمان سبز رنگ کا کیوں کر بنایا ہے جو مایل بہ سیاہی ہے تاکہ اُن نگاہوں کو روکے جو اُس پر بار بار پڑتی ہیں اور دیر تک دیکھنے سے اُس میں خرابی (کوئی خراش) نہ ڈالے پس یہی ایک چیز جس کو لوگوں نے فکر و غور اور تجربوں سے حاصل کیا ہے (یعنی یہ کہ آشوب چشم والے کو سبز رنگ کی طرف دیکھنا چاہئے) وہ خدائی حکمت بالغہ کے ذریعہ سے اُس کی خلقت میں مندرجہ پائی جاتی ہے (جن میں سوچنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی بلکہ پہلے ہی سے انسان کی ضرورت کے لئے مہیا کر دیا گیا ہے تاکہ عبرت حاصل کرنے والے اس سے عبرت حاصل کریں، اور ملحدین اس میں غور کریں۔ اللہ ان کو قتل کرے کہاں بھکے چلے

ہ۔ حدیث میں لفظ سما ہے جس سے سما فضائے آسمان اور اس کی بلندی سمجھنا ہوئی کیونکہ مقابلہ میں اس کے معصوم نے فلک فرمایا ہے جس سے خاص گردش کرنے والا آسمان مراد ہے۔

جا رہے ہیں۔

مفضل! رات اور دن کے قائم کرنے کے لئے آفتاب کے طلوع اور غروب کرنے کی بابت غور کرو۔

پس اگر اس کا طلوع نہ ہوتا تو تمام عالم کا کام بھی تباہ و برباد ہو جاتا۔ نہ تو لوگ اپنے معاش کی کوشش کر سکتے اور نہ اپنے کام کر سکتے جب کہ تمام دنیا ان کی نگاہ میں تیرہ و تار ہوتی۔ اور روشنی کی لذت اور راحت نہ پانے کی وجہ سے اُن کی زندگی بھی بامزہ و خوشگوار نہ ہوتی۔

اس کے طلوع کے اغراض تو خیر اس قدر واضح ہیں کہ اُس کے بیان میں طول دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اس کے غروب کے فوائد پر غور کرو پس اگر وہ غروب نہ ہوتا تو آدمیوں کو آرام و قرار ہی نہ ملتا۔ باوجودیکہ اُن کو اپنے بدن کے تئیں راحت دینی اور اپنے حواس کو مجتمع کرنے اور ہضم طعام کے لئے قوت ہاضمہ کو ابھارنے اور غذا کو اعضاء کے اندر نفوذ کرانے کے لئے بڑی سخت ضرورت سکون اور آرام لینے کی ہے۔

پھر اگر غروب آفتاب نہ ہوتا اور رات نہ آتی برابر دن ہی رہتا تو اُن کا حرص ان سے برابر اس قدر کام لیتا کہ جس سے اُن کے جسم میں خرابی پیدا ہوتی۔ کیونکہ اکثر آدمی اس قسم کے ہیں کہ اگر یہ رات اُن پر اپنی تاریکی نہ ڈالے تو کسب معاش اور جمع مال اور خزانہ کرنے کی حرص کی وجہ سے بالکل آرام و قرار ہی نہ لیں۔

لہ پھر یہ بھی ہوتا کہ برابر آفتاب کے روشن رہنے کی وجہ سے تمام زمین تپتی رہتی اور جو حیوانات یا نباتات کہ اس پر ہیں وہ بھی ہر وقت جلتے رہتے (اور اس سبب سے تمام حیوانات ونباتات کو سخت نقصان پہنچتا) لہٰذا اس کے لئے خدائے تعالےٰ نے اپنی حکمت تدبیر سے یہ مقدر کر دیا کہ ایک وقت غروب کرے اور ایک وقت طلوع جیسے چراغ کہ مکان والے لوگوں کے لئے ایک وقت میں ضرورتوں کے رفع کرنے کے لئے روشن کر دیا جاتا ہے اور اسی طرح پھر ان سے غائب ہو جاتا ہے۔ (بجھا دیا جاتا ہے) تاکہ انھیں سکون وقرار ملے۔ تو باوجودیکہ نور اور ظلمت دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ پھر بھی ان امور کے لئے جن میں صلاح و درستی عالم ہے کس قدر مطیع و یکسان ہیں (اس میں مانویہ فرقہ کی رد ہے جو کہتا ہے کہ تاریکی محض شر ہے اس میں کوئی خیر وخوبی نہیں حالانکہ ظلمت یعنی تاریکی میں اتنے فوائد ہیں جو اوپر بیان فرمائے گئے۔)

پھر سال کے چاروں زمانوں (گرمی۔ سردی۔ ربیع۔ خریف) کے قائم کرنے کے لئے آفتاب کے بلند ہونے اور نیچے کی طرف جھکنے پر غور کرو کہ اس میں کیا تدبیر و مصلحت ہے (آفتاب کے بلند ہونے سے مطلب اس کا خط استوار سے جانبِ شمال آنا اور انحطاط سے مطلب جانب جنوب چلا جانا ہے جو نظام بطلیموسی سے اور نیز ارصادات کواکب سے ثابت ہے کہ آفتاب کی بہ راہ مدار اشتوائیہ جانب جنوب و شمال حرکت ہوتی رہتی ہے اسی سے اعتدال ربیعی اعتدال خریفی۔

انقلاب صیفی۔ انقلاب شتوی پیدا ہوتے ہیں جس زمانہ میں اس کا میل جانب شمال ہوتا ہے تو شمالی ملکوں میں گرمی ہوتی ہے۔ اور جب جانب جنوب چلا جاتا ہے تو شمالی حصوں میں سردی ہوتی ہے۔ اور علیٰ ہذالقیاس اس کے برعکس جنوبی ملکوں میں ہے انہیں دو زمانوں کے درمیانی رفتارِ آفتاب میں فصل ربیع و فصل خریف ہوتی ہے)۔

جاڑے میں درخت اور دیگر نباتات میں حرارت عود کر آتی ہے اور ان کے پھلوں کے مادے پیدا ہوتے ہیں (اس وجہ سے کہ سردی کی وجہ سے مسامات ہر شے کے بند ہو جاتے ہیں اور حرارت اُس کے اندر ہی گھٹی رہتی ہے۔ یہی وہ اصلی حرارت اُس کی ہوتی ہے جو پھلوں کے مادوں کو تیار کرتی ہے۔ اگر سردی سے حرارت کا محبتس ہونا مثال سے سمجھنا چاہئے ہو تو دیکھو کہ اس زمانہ میں کنوؤں کا پانی گرم ہوتا ہے اس لئے کہ زمین کی حرارت باہر نہیں نکل سکتی۔ اُس کے مسامات بند ہو جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے گرمیوں میں کنوؤں کا پانی ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ حرارت بہ سبب مسامات کے کھلے رہنے کے نکلتی رہتی ہے)۔

اور ہوا میں تکاثف پیدا ہوتا ہے جس سے ابر اور مینہ پیدا ہوتے ہیں اسی فصل میں حیوانات کے بدن قوی اور مضبوط ہوتے ہیں۔

فصل ربیع میں بھی حرارت (طبیعی) حرکت میں آتی ہے اور اُس مادہ کا

کا ظہور ہوتا ہے جو سردی کے موسم میں پیدا ہوا ہے۔ اس سے نباتات میں خوشے لگتے ہیں۔ درختوں میں پھول آتے ہیں۔ حیوانات کو ہیجان شہوت ہوتا ہے۔

گرمی میں ہوا گرم ہو جاتی ہے۔ جس سے پھل پختہ ہوتے ہیں اور جسم کے رطوبات فضلیہ تحلیل ہوتے ہیں۔ زمین خشک ہو کر عمارت بنانے اور تیز اور کاموں کے قابل ہو جاتی ہے۔

خریف میں ہوا صاف ہو جاتی ہے امراض دفع ہو جاتے ہیں۔ بدن صحیح ہوتے اور رات طولانی ہو جاتی ہے۔ تو اس میں بعض بعض کام (اطمینان کے ساتھ) اس کے طولانی ہونے کی وجہ سے ہو سکتے ہیں۔

اس فصل میں اور مصلحتوں کے لئے بھی ہوا بہت اچھی ہوتی ہے اگر میں ان سب کا ذکر کروں تو طول کلام ہو جائے گا۔

آفتاب کا بارہ برجوں میں جانا اور اس کی حکمت

اب سال کا دور قایم کرنے کے لئے آفتاب کے بارہ برجوں میں منتقل ہونے پر غور کرو۔ اور دیکھو کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ یہ وہی دور ہے جس سے سال کے چاروں زمانے۔ جاڑا۔ ربیع۔ گرمی اور خریف درست ہوتے ہیں اور یہی دوران چاروں کو پورا کرتا ہے آفتاب کے اس قدر دورے اور گردش میں غلے اور پھل تیار ہوتے ہیں اور انسان کی غرض و غایت تک پہنچ جاتے ہیں۔ پھر دوبارہ عود کرتے اور نشوونما شروع کرتے ہیں۔

کیا تمھیں معلوم نہیں کہ برج حمل سے برج حمل تک آفتاب
کے پھیر کی مقدار کا نام سال ہے۔ پس سال اور ایسی ہی چیزوں (مہینوں
ہفتوں وغیرہ) سے زمانہ کا شمار و پیمانہ اُس وقت سے کیا جارہا ہے
جب سے خدائے تعالےٰ نے عالم کو پیدا کیا ہے۔ گزشتہ ہر زمانہ اور ہر عصر میں
بھی یہی ہوتا رہا۔ اس سے لوگ عمروں اور قرض و اجارہ اور دیگر معاملات
وغیرہ کاموں کی معین مدتوں کا حساب لگاتے ہیں۔ دور آفتاب ہی کی رفتار
سے سال پورا ہونا اور زمانہ کا حساب صحت کے ساتھ قایم ہوتا ہے۔

دیکھو کہ آفتاب کس طرح عالم پر اپنی روشنی ڈالتا ہے اور کس حکمت
سے ایسا ہونا اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ پس اگر آسمان کے صرف ایک مقام
پر روشن رہتا۔ وہیں ٹھہرا رہتا۔ وہاں سے نہ کھسکتا تو اُس کی شعاع اور
اُس کا فائدہ اکثر سمتوں میں نہ پہنچتا اس لئے کہ پہاڑ اور دیواریں اُس سے
مانع ہوتیں۔ لہذا ایسا بنایا گیا کہ دن کے پہلے حصے میں مشرق سے طلوع کرے
اور اپنے سامنے والی مغرب کی تمام چیزوں پر روشنی ڈالے۔ پھر برابر گردش
کرتا رہے اور ایک سمت کے بعد دوسری سمت پہ پھیلتا رہے۔ یہاں تک کہ
جب مغرب میں پہنچ جائے تو اُن تمام چیزوں پر روشنی ڈالے جن پر
اُس کی تابش دن کے اوّل حصے میں نہیں پہنچی ہے تاکہ کوئی ایسا مقام باقی
نہ رہ جائے جو فائدہ کا ایک حصہ اور وہ غرض نہ حاصل کرے جس کے لئے

ایسا کیا گیا ہے (یعنی اس قسم کی گردش آفتاب بنائی گئی ہے) اور اگر ایک سال تک یا سال کے کچھ ہی حصہ میں اُس کے برخلاف ہو جائے تو بتاؤ بھلا آدمیوں کا کیا حال ہو بلکہ اس صورت میں وہ زندہ ہی کیوں کر رہیں۔ کیا انسان ایسی بڑی بڑی باتوں کو دیکھتا نہیں جن میں اُس کی کوئی تدبیر نہ چل سکتی تھی وہ خود اپنے قانون و قواعد پر جاری ہو گئے نہ سستی کرتے ہیں اور نہ اپنی اوقات معینہ سے جو نظام و بقائے عالم کے لئے ضروری ہے پیچھے رہ جاتے (بلکہ جس طرح کی ضرورت نظام عالم کے قائم رکھنے کے لئے پڑتی ہے اُس کو وہ باقاعدہ جاری کی ہوئی چیزیں انجام دیتی رہتی ہیں۔ جیسے یہی حرکت آفتاب کہ اس سے کس طرح باقاعدہ نظام عالم قایم ہے کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ سے یہ انتظام ہو گیا ہو کیا آفتاب کے مادے یا صورت میں یہ ادراک ہے جو ایسا کرے؟ کیا آفتاب کو زمین کی چیزوں سے کوئی رغبت ہے جو اُسے نباتات و حیوانات کے فائدہ رسانی کے لئے آمادہ کرتا ہے؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بلکہ کسی اور مدبر نے جس نے زمین کی چیزوں کو پیدا کیا اور جن کی مصلحت آفتاب کی حرکت اور اُس کی روشنی کے اثر پر قرار دی ہے۔ اُسی نے اس آفتاب کو بھی پیدا کیا اور اُس کو باقاعدہ گردش کرنے والا بنایا تاکہ نظام اشیائے نباتی و حیوانی و جمادی قایم رہے فتبارک اللہ احسن الخالقین)۔

اللہ تعالیٰ نے چاند کے ذریعے سے (بڑا) ثبوت پیش کیا ہے۔ اس میں ایک بڑی رہنمائی ہے۔ عامہ خلائق اس کو مہینے کے شمار میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے مطابق سال کا حساب درست نہیں ہوتا کیونکہ اس کا دورہ نہ تو چاروں فصلوں کو پورا کرتا ہے نہ پھلوں کے پیدا ہونے اور اس کی پختگی کو (پورا کرتا) اسی وجہ سے قمری مہینے اور سال۔ شمسی مہینوں اور سال سے مختلف ہوتے ہیں چونکہ قمری مہینے بدلتے رہتے ہیں تو کبھی وہی ایک مہینہ گرمی میں واقع ہوتا ہے کبھی سردی میں (مثلاً کبھی رجب کا مہینہ جو قمری حساب سے ہے جنوری میں واقع ہوتا ہے جو شمسی مہینہ ہے اور کبھی مارچ میں علیٰ ہٰذا القیاس اور مہینوں کا حال ہے۔ (مثلاً محرم ہی ہے کہ کبھی گرمیوں میں واقع ہوتا ہے۔ کبھی برسات میں کبھی جاڑوں میں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قمری اور شمسی مہینے بدلتے رہتے ہیں۔ ایک دوسرے کے مطابق اور حساب میں برابر نہیں ہیں)۔

اسی بات پر غور کرو کہ یہ (چاند) شب کے وقت کیوں روشن ہوتا ہے اور اس میں حکمت کیا ہے جانداروں کے سکون و قرار اور نباتات کو برودت پہنچانے کے لئے تاریکی کی ضرورت ہے پھر بھی اس میں (کوئی) خوبی نہ تھی کہ رات بالکل گھپ اندھیری ہو روشنی بالکل ہووے ہی نہیں کہ کوئی کام بھی اس میں ممکن نہ ہو اس لئے کہ اکثر رات کے وقت بھی آدمیوں کو کام کی اس سبب سے ضرورت

ہوتی ہے کہ بعض کاموں کے لئے دن کا وقت تنگ ہوتا ہے یا گرمی کی شدت و افراط کے سبب سے (دن کو آدمی کام نہیں کرسکتا) تو وہ چاند کی روشنی میں بھی چند کام کرتا ہے جیسے زراعت۔ دودھ دوہنا۔ لکڑی کاٹنی وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا چاند کی روشنی اس لئے بنائی گئی ہے کہ آدمیوں کے کسب معاش میں معین ہو جب کبھی اس کی ضرورت پڑے۔ اور راہ گیروں کو چلنے میں دلچسپی رہے۔ اور اس کا طلوع رات کے کسی کسی حصہ میں قرار دیا گیا (نہ برابر تمام رات میں) اور مقدار آفتاب کی روشنی سے اس کی روشنی کم رکھی گئی۔ اس لئے کہ لوگ اسی طرح کام نہ کرنے لگیں جیسے دن میں کام کرتے ہیں اور آرام ہی نہ لیں تو مر ہی جائیں (یعنی اگر چاند کی روشنی بھی تمام رات قائم رہا کرتی اور اس کی تیزی بھی اتنی ہی ہوتی جتنی آفتاب کی ہے تو حریص آدمی شب کے وقت آرام نہ کرتے بلکہ اسی طرح کام دھندے میں لگے رہتے جیسے دن کو مصروف رہتے ہیں پھر تو بیمار ہو جاتے۔ ہلاکت تک نوبت پہنچتی۔ پس چونکہ ایسا ہونا نظام عالم کے لئے مفید نہ تھا اس لئے اس کی روشنی مدھم بنائی گئی اور ایسا مقرر ہوا کہ تمام رات نہ روشن رہا کرے تاکہ انتظام عالم میں خلل نہ پڑے۔

چاند کے تغیرات میں جو رویت ہلال کے وقت اور محاق میں۔ نیز گھٹنے بڑھنے اور گہن لگنے سے ہوتے ہیں۔ خاص کر اس امر کی تنبیہ ہے کہ کسی قدرت خالق نے یہ تغیرات اس میں صلاح عالم کے واسطے مقرر کئے ہیں جس سے عبرت

حاصل کرنے والے عبرت لے سکتے ہیں۔ (یعنی غور کرنے والے اُن تغیرات سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ آخر چاند میں کمی زیادتی گہن وغیرہ کیوں پڑتے ہیں ان میں بھی کسی خاص مدبر کی کاری گری ہے جس نے نظام عالم کے واسطے ایسا کیا ہے)۔

مفضل! (ذرا) ستاروں اور اُن کے اختلاف رفتار پر غور کرو۔ بعضے تو ایسے ہیں جو اپنے مرکز (یا مقام) سے جو آسمان میں اُن کے لئے مقرر ہے جدا ہوتے ہی نہیں۔ اور اگر ان کو گردش ہوتی ہے تو ایک ساتھ ہی ہوتی ہے (جیسے ثوابت ستارے۔ جو اپنے اپنے مرکزوں پر قائم ہیں اور گردش فلکی کی وجہ سے مجتمعاً وہ گردش کرتے معلوم ہوتے ہیں مگر خود وہ اپنے مرکز اصلی کو نہیں چھوڑتے) اور بعض اُس سے چھوٹتے ہوتے ہیں۔ (یعنی وہ متحرک ہوتے ہیں) کہ برجوں میں آتے جاتے رہتے اور رفتار میں بھی مختلف ہیں (مثلاً کسی کا دورہ بارہ مہینے کا ہے کسی کا صرف ایک مہینے کا کسی کا اٹھارہ مہینے کا اور علیٰ ہذا القیاس) اور ان میں سے ہر ایک کے لئے دو مختلف رفتاریں ہیں ایک تو عام ہے جو فلک الافلاک کی گردش کے ساتھ ساتھ مغرب کی طرف ہوتی ہے۔ (جو روزانہ کے طلوع و غروب سے معلوم ہو سکتی ہے) دوسرے خود اُس کی ذاتی رفتار ہے جو مشرق کی طرف ہوتی ہے جیسے وہ چیونٹی کہ چکی کے پاٹ پر پھرتی ہو چکی تو دائیں جانب گردش کرتی ہے اور چیونٹی بائیں جانب اس صورت میں چیونٹی کو دو قسم کی مختلف حرکتیں ہوں گی۔ ایک اُس کی ذاتی رفتار ہے جو اپنے سامنے کی طرف ہو گی۔ دوسری

بلا ارادہ چکی کے ساتھ ساتھ جو اُسے پیچھے کی طرف کھینچتی ہوگی۔ یہ مسئلہ علم ہیئت
کے مسائل میں سے نہایت ہی لطیف ہے اور مثال بھی بے نظیر ہے۔ فلسفۂ
ہیئت نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ سیارات اپنی اصلی حرکت سے مشرق کی طرف
حرکت کرتے ہیں۔ یہ بات چاند کی حرکت پر غور کرنے سے معلوم ہوسکتی ہے کہ پہلی شب
میں کہاں طلوع کرتا اور دوسری شب میں اُس سے کس قدر مشرق کی طرف۔
پھر تیسری شب میں دوسری شب سے زیادہ مشرق کی طرف یہاں تک کہ بارہ
تیرہ تاریخ کو ٹھیک مشرق سے طلوع کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہی حال آفتاب کا
بھی ہے کہ مغرب سے مشرق کی طرف آتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور سیارات زہرہ۔
مشتری۔ مریخ۔ عطارد۔ زحل کی بھی ذاتی حرکت یہی ہے۔ مگر چونکہ فلک الافلاک
کی گردش مشرق سے مغرب کی طرف ہے۔ جیسا کہ صرف بارہ گھنٹے کے ایک دن میں
یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ آفتاب کہاں سے نکلا اور کدھر چلا گیا تو یہ تمام سیارات
اپنی اصلی حرکت کے ساتھ ساتھ فلک الافلاک کی گردش کے بھی تابع ہیں۔ خود تو
آہستہ آہستہ اپنی ذاتی حرکت سے مغرب کی طرف سے مشرق کو آتے ہی ہیں۔ مگر
قسری (غیر ذاتی) حرکت سے مشرق کی طرف سے مغرب کو چلے جاتے ہیں۔
لہذا چیونٹی کی مثال بالکل ٹھیک ہوگئی۔ جو چکی کی حرکت کے برخلاف چل رہی
ہے۔ وہ اپنی حرکت سے ضرور بائیں طرف چلی جاتی ہے گو چکی اُسے دائیں جانب لئے
جاتی ہے مگر وہ چکی کے پورے حلقے کو اپنی اصلی حرکت سے بائیں رخ پر پورا

کرہی دے گی)

اب ان لوگوں سے پوچھو جو اس امر کا دعوای کرتے ہیں کہ یہ ستارے جس حالت وکیفیت پر اب ہیں۔ اسی طرح پہ بے کسی خالق وصناع کے بن گئے ہیں۔ کسی نے بالارادہ ان کو نہیں بنایا ہے کہ آخر کس چیز نے روک دیا تھا کہ تمام ستارے ثوابت ہی نہ ہو گئے یا سب کے سب سیارے نہ ہو گئے۔ (ایسا کیوں ہوا کہ کچھ تو غیر متحرک ہوئے اور کچھ متحرک اس کا سبب کیا ہے) کیونکہ بغیر خالق کے پیدا ہو جانا تو امر واحد ہے (اس میں اختلاف کیسا) تو یہ مختلف حرکتیں خاص انداز ومقدار پر کیوں ہوتی ہیں (کمی و زیادتی کیوں نہیں ہوتی۔ ایک ہی رفتار سب کی کیوں نہیں ہے وغیرہ وغیرہ) اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان دونوں قسموں کے ستاروں کی اس طور پر گردش جواب ہے کسی ارادے تدبیر۔ حکمت اور تقدیر (اندازہ) سے ہوتی ہے۔ مہمل یعنی بلا خالق کے نہیں ہے جیسا ان معطلین (دہریوں) کا دعویٰ ہے۔

اب اگر کوئی معترض یہ کہے "پھر بعض ستارے ثوابت کیوں ہوئے اور بعضے سیارے کیوں؟" تو ہم اس کو یہ جواب دیں گے کہ اگر سب کے سب ثوابت ہوتے تو وہ شناختیں اور دلالتیں نہ رہ جاتیں جو ان سیارات کے ایک برج سے دوسرے برج میں جانے اور منتقل ہوتے رہنے سے معلوم ہوتی ہیں چنانچہ عالم کی بہت اشیاء حادثہ آفتاب اور باقی ستاروں کے اپنے اپنے

منازل میں منتقل ہوتے رہنے سے معلوم ہوتے ہیں۔ (جیسا کہ منجمین نے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے) (لہذا وہ فائدے جواب صرف چند ستاروں کے متحرک ہونے سے حاصل ہوتے ہیں مثلاً فصلوں کا معلوم کرنا حوادث کا پتہ لگانا وغیرہ وغیرہ وہ فوت ہو جاتے) اور اگر سب کے سب سیارہ اور متحرک ہوتے تو ان کی مصروف منزل اور کوئی معلوم علامت نہ ہوتی۔ کیوں کہ اگر واقفیت ہوتی ہے تو اسی سے کہ کواکب سیارہ اپنے اپنے معین بروجوں میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ کسی راہ چلنے والے کی رفتار کا اندازہ منزلوں سے ہوتا ہے (کہ ایک منزل چلا یا دو منزل یا چار منزل اگر میل یا کوس یا منزلیں نہ بنی ہوتیں تو اس کی رفتار کا اندازہ نہایت دشوار تھا۔ علیٰ ہٰذا القیاس اگر یہ ستارے سب متحرک ہوتے اور ان کی حرکتیں بھی مختلف ہوتیں۔ تو اُن کی رفتار کا اندازہ ناممکن ہوتا۔ اوّل تو اس وجہ سے کہ یہ لاکھوں ہی ہیں کہاں تک کوئی محاسب یا منجم ان کا حساب لگا سکتا۔ دوسرے اس وجہ سے کہ کوئی مشرق میں ہے کوئی مغرب میں کوئی شمال میں کوئی وسط میں کوئی انتہا میں۔ کوئی کہیں کوئی کہیں تو ان کے منازل مقرر کرنے میں بھی بالکل ناممکن ہوتے۔ تیسرے اس وجہ سے کہ ان سب کا بارہ بروج مشہورہ میں سے ہو کر جانا ہی محال ہے لہذا اندازہ بھی ناممکن ہوتا تو غرض اصلی جو اُن کے موجود ہونے اور حرکت کرنے سے ہے سب لغو اور

مہمل ہو جاتی)

اور اگر سب کے سب ایک ہی حالت پر حرکت کرتے ہوتے تو ان کا نظام ایک دوسرے سے مخلوط ہو کر وہ غرضیں جو ان میں قرار دی گئی ہیں فوت ہو جاتیں۔

اور پھر کسی کہنے والے کو یہ بھی حق حاصل ہوتا کہ وہ یہ کہہ سکتا۔ ان کا ایک ہی حالت پر حرکت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا کوئی مدبر و خالق نہیں ہے جس طرح ہم (اُس اختلاف رفتار سے) اُس کا وجود ثابت کر آئے ہیں۔ لہٰذا (معلوم ہوا) کہ اُن کے اختلاف رفتار و تغیرات اور اُن کی حرکتوں کے اغراض و مصلحت میں کھُلی ہوئی دلیل اس بات کی ہے کہ ان میں تدبیر و ارادہ سے کام لیا گیا ہے۔ (کسی مدبّر خالق نے اس کو باقاعدہ حرکت دی ہے اور اختلاف حرکت قایم کیا ہے تاکہ لوگ ان سے فائدہ اُٹھا سکیں)۔

ان ستاروں کی بابت غور کرو جو سال کے کسی حصہ میں ظاہر ہوتے ہیں اور کسی سال چھپ جاتے ہیں جیسے ثریا، جوزا۔ دونوں ستارہائے شعریٰ اور سہیل۔ اگر یہ تمام ستارے ایک وقت میں ظاہر ہوا کرتے تو ان میں سے کوئی ایسی نشانی نہ بن سکتا جسے لوگ پہچانتے اور جانتے اور اپنے امور میں اُس سے ہدایت پاتے۔ جیسے کہ اب ثور و جوزا وغیرہ کے طلوع و غروب سے

(واقعات وغیرہ) کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ لہذا ہر ایک کا طلوع و غروب خاص خاص موقعوں میں اس لئے قرار پایا کہ لوگ ان باتوں سے فائدہ اٹھائیں جنھیں یہ ستارے علیحدہ علیحدہ بتاتے ہیں۔

اور جیسا کہ ثریا وغیرہ خالص خالص مصلحتوں کے لئے کسی وقت طلوع کرتے اور کسی وقت غروب کرتے ہیں اسی طرح بنات النعش ایسے بنائے گئے کہ ہمیشہ ظاہر ہی رہیں غائب ہو ویں ہی نہیں کیونکہ اس کی اور خاص غرض ہے وہ یہ کہ ستارے بمنزلہ ایک نشان کے ہیں جس سے لوگ جنگل اور دریا میں نامعلوم راہوں کو معلوم کر لیتے ہیں۔ چونکہ یہ ستارے کبھی چھپتے ہی نہیں تو جب انسانوں کو کسی طرف کی راہ معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جھٹ اُسے دیکھ لیتے ہیں۔

یہ دونوں باتیں باوجود اپنے اختلاف حالات کے غرض اور مصلحت ہی میں صرف کی گئی ہیں (کوئی ان میں سے بیکار یا نقصان دہ نہیں ہے)۔

(علاوہ بریں) اس میں بہت سے کاموں کے اوقات کی شناخت اور دلالت ہے۔ مثلاً زراعت۔ باغبانی۔ خشکی یا دریا کا سفر۔ اور اور چیزوں کی بھی شناخت ہوتی ہے جو مختلف زمانوں میں ہوتے رہتے ہیں مثلاً مینہ کا برسنا۔ ہواؤں کا چلنا گرمی کا ہونا۔ جاڑوں کا آنا۔

نیز اندھیری راتوں میں چلنے والے وحشتناک میدانوں اور خوفناک

دریاؤں میں ان سے رستہ پاتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ستارے جو آسمان پر
کبھی آگے کو جاتے ہیں کبھی پیچھے کو ہٹتے ہیں کبھی مغرب کی طرف جاتے ہیں، اور کبھی
مشرق کی طرف اس میں بہت سی عبرتیں ہیں۔

چونکہ چاند اور سورج دونوں کو کب نہایت تیز رفتاری سے چلتے ہیں
تو اگر ہم سے قریب ہوتے اور ہمیں اُن کی سرعت رفتار ویسی ہی محسوس ہوتی جیسی
ان کی اصلی حالت ہے تو کیا تمہارا خیال ہے کہ اس کی ایک اور شعاع سے
آنکھیں نہ چندھیا جائیں جیسے بعض اوقات بجلی کی چمک سے ایسا ہوتا ہے
کہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں جب کہ پے در پے کوندنے لگتی اور آگ کی
طرح زمین و آسمان کے درمیان مشتعل معلوم ہوتی ہے۔ اس کی یہ بھی مثال ہے کہ
اگر چند آدمی ایسے مکان میں ہوں جس کی چھت میں قندیلیں روشن ہوں اور یہ
بہت زور سے اُن کے سر کے گرد گردش کر رہی ہوں تو ضرور اُن کی آنکھیں پتھرا
جائیں گی یہاں تک کہ منہ کے بل گر پڑیں گے (پس اگر اس سرعت رفتار
کے ساتھ ستارے ہمارے سر کے قریب ہوتے اور تیزی کے ساتھ ہماری
آنکھوں کے سامنے گردش کرتے ہوئے چلتے تو کسی طرح نظر اُن پر نہ ٹھہر سکتی
اور لوگ گھبرا گھبرا کر گر پڑتے) تو دیکھو کس طرح یہ بات مقرر کر دی گئی
کہ ان کی رفتار ہم سے بہت فاصلے پر ہوا کرے تاکہ نگاہوں کو نقصان پہنچائے
اور اُس میں بیماری نہ پیدا کر دے اور اس قدر تیز رفتار اس لئے بنائے

ما بین ستارے کے متعلق لطیف حکمت

گئے کہ جس قدر ان کی سیر و رفتار کی ضرورت ہے اس میں بھی نہ خلل پڑے۔

ان ستاروں میں تھوڑی تھوڑی روشنی دی گئی تاکہ جب چاند نہ ہو تو یہ اس کی جگہ پر روشنی کا کام دیں۔ اور جب چلنے پھرنے کی ضرورت ہو تو ان کی ضو میں چلنا پھرنا ممکن ہو سکے۔ چنانچہ آدمی کو کبھی اس بات کی ضرورت بھی ہوتی ہے کہ وہ شب میں چلے تو اگر کچھ بھی روشن نہ ہوتے جس سے وہ راہ پا سکتا تو اس کو اپنے مقام سے کھسکنا بھی دشوار تھا۔

اس لطف و حکمت پر غور کرو جو اس قسم کی خلقت و تقدیر (ایک خاص اندازہ پر کسی چیز کو بنانا) میں قائم کی گئی ہے کہ تاریکی کی بھی ایک مدت قرار دی گئی کیونکہ اس کی ضرورت تھی اور اس کے اندر یہ ضو بھی قرار دی گئی جس سے وہ اغراض پورے ہوں جنھیں ہم نے بیان کیا۔

اس فلک پر اس کے آفتاب ماہتاب ستارے اور برجوں کے غور کرو جو ایک خاص اندازہ اور مقدار کے ساتھ جہان کے گرد اپنی اس دائمی گردش سے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ رات دن اور ان چاروں فصلوں کے اختلاف میں خود زمین اور زمین کے رہنے والے مختلف حیوانات اور نباتات کے لئے بہت سی مصلحتیں ہیں چنانچہ میں نے ابھی تم سے بیان کر ہی دیا ہے۔ کیا کوئی عقل والا یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسی با اندازہ تدبیر و اصلاح جس سے نظام عالم میں درستی و حکمت قائم ہے بغیر کسی مقدر حکیم کے ہو گئی ہے۔

پس اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ بخت و اتفاق سے ایسا ہو گیا ہے (کسی خلق کی کاریگری اس میں نہیں ہے) تو یہی بات وہ اس دولاب (چرخ یا رہٹ جس سے پانی کھینچ کر باغوں اور کھیتوں میں پہنچایا جاتا ہے) کی بابت بھی کیوں نہیں کہتا جسے وہ پھرتے ہوئے اور کسی ایسے باغ کو سینچتے ہوئے جس میں درخت اور نباتات لگے ہوتے ہیں دیکھتا ہے۔ (اس میں بھی یہی کہہ دے کہ یہ رہٹ آپ ہی آپ چلتا ہے۔ آپ ہی آپ بن گیا ہے اس کا کوئی بنانے والا نہیں) کیونکہ اس کے بھی تمام آلات کو وہ دیکھتا ہے کہ معین اندازہ سے بنائے گئے ہیں اور ایک جزو دوسرے جزو سے اسی قاعدہ پر ملا ہوا ہے جس میں اس باغ کی اور اس کے اندر کی چیزوں کی بہتری ہے۔ اور اگر وہ یہی بات اس دولاب کی بابت بھی کہے (کہ یہ آپ سے آپ ہی بن گیا ہے۔ اسے کسی نے نہیں بنایا) تو کیوں کر اس کے لئے یہ ثابت کیا جائے گا کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے) اور تمہارے نزدیک لوگ ایسے کہنے والے کو کیا کہیں گے جب اس سے اس بات کو سنیں گے یہی کہیں گے کہ اے احمق بدمغز بیوقوف۔ خردماغ۔ دیکھتا نہیں کہ رہٹ کی طبیعت اور اس کا مادہ جو خود بے عقل و ادراک چیز ہے کیا ایسا کر سکتا ہے کہ اس اندازے اور ترتیب کے ساتھ باغ کی تمام مناسبتوں کے لحاظ سے ایسا رہٹ بنا دے؟ کیا کوئی عقل ایسے تسلیم کرے گی؟)

کیا ایک لکڑی کے بنے ہوئے دولاب میں جو تھوڑی سی تدبیر و حکمت

سے صرف ایک قطعہ زمین کے فائدہ کے لئے بنایا گیا ہے اس بات کے کہنے سے انکار کریگا کہ اُس کا کوئی بنانے والا نہیں ہے بلکہ کسی نے اسے با اندازہ و حکمت نہیں بنایا ہے اور لتنے بڑے دولاب (چرخ آسمان) کی نسبت جو ایسی ایسی حکمتوں کے ساتھ بنا ہے جس کے سمجھنے سے انسانی ذہن عاجز ہیں اور جس میں تمام روئے زمین اور اس پر کی کل چیزوں کا فائدہ ہے کہہ سکے گا کہ یہ ایک اتفاقی چیز ہے بخت و اتفاق سے بے صناعی اور بے تقدیر و اندازہ بن گیا ہے۔ اگر آسمان کی کوئی کل ویسے ہی بگڑ جائے جیسے لکڑی کے بنے ہوئے آلات بگڑ جاتے ہیں تو انسانوں کے پاس کوئی ایسی تدبیر ہے جس سے اس کو ٹھیک کر سکیں؟ (تو یہ لاحول ولاقوۃ خیال تک بھی نہیں ہو سکتا تدبیر کیسی) یہ تو دہریوں کی ہٹ دھرمی ہے جو ایسا کہتے ہیں۔ ورنہ بھلا کہیں عقل بھی ایسی احمقانہ بات کہنے کی رائے دیسکتی ہے؟

اے مفضل! ذرا رات دن کی مقدار پر غور کرو کہ مخلوقات کی بہتری کیواسطے کس طور پر قائم ہوئے ہیں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کی حد جب پندرہ گھنٹے تک پہنچ جاتی ہے تو پھر اس سے زیادہ نہیں بڑھتے (حضرت کا یہ ارشاد معظم بلاد اور معمورات کی نسبت ہے ورنہ عرض ثمانین و تسعین پر قطب کے قریب قریب تو تقریباً چھ چھ مہینے کے دن اور رات ہوتے ہیں حضرت نے صرف ان مقامات کا ذکر فرمایا ہے جہاں آبادی ہے نہ وہاں کا جہاں کسی جاندار کا رہنا ہی تقریباً محال ہے)۔

کیا تم جانتے ہو کہ اگر دن کی مقدار سو یا دو سو گھنٹوں کی ہو جاتی تو تمام حیوانات و نباتات فنا نہ ہو جاتے (یقیناً مر جاتے اور فنا ہو جاتے) حیوانات تو اس وجہ سے کہ اس طویل مدت تک نہ دم لیتے نہ آرام و قرار اور بہائم بھی چرنے سے باز نہ آتے (اگر ان کو دن کی اتنی طولانی روشنی ملا کرتی) آدمی بھی کام نہ چھوڑتے نہ چلنا پھرنا۔ لہذا سب کے سب (تھوڑے زمانہ میں) ہلاک اور تلف ہو جاتے۔

رہے نباتات جب اُن پر اتنی دیر تک دن کی گرمی اور آفتاب کی لپٹ پڑتی تو خشک ہو کر جل جاتے۔

علیٰ ہذا القیاس رات ہے کہ اگر اسی قدر (سو گھنٹے یا دو سو گھنٹے) بڑھ جاتی تو تمام قسم کے حیوانات کو چلنے پھرنے اور طلب معاش میں کوشش کرنے سے باز رکھتی یہاں تک کہ بھوکے ہی مر جاتے۔ اور نباتات کی تو حرارت طبعیہ (حرارت عزیزیہ) ہی فنا ہو جاتی یہاں تک کہ ان میں عفونت پیدا ہوتی اور پھر وہ خراب ہو جاتے جیسا کہ تم اُن نباتات کو دیکھتے ہو جو ایسے مقامات پر ہوتے ہیں جہاں دھوپ نہیں پہنچتی۔

اس گرمی اور سردی کو غور کرو کہ اپنے گھٹاؤ بڑھاؤ اور اعتدال سے سال کی چاروں فصلوں کے قائم کرنے کے لئے کس طور پر تمام عالم میں یکے بعد دیگرے آتی جاتی اور اس قسم سے اپنا عمل کرتی ہیں۔ اور دیکھو کہ ان میں مصلحت

کیا ہے۔

پھر یہ کہ اجسام کی اصلاح اور وباغت بھی اسی میں ہے (جس سے بظاہر مراد یہ ہے کہ فصلوں کے بدلنے کے ساتھ جسم کی ہلکی ہلکی جھلیاں بھی اُتر کر دوسری جھلی اور نئی کھال پیدا ہوتی ہے) جس سے اُن کا بقا اور اُن کی درستی قائم ہے کیونکہ اگر یہ گرمی اور سردی نہ ہوتی اور اجسام پر یکے بعد دیگرے ان کا توارد نہ ہوتا رہتا تو خراب و فاسد ہو جاتے۔ ٹوٹ پھوٹ جاتے، دُبلے اور لاغر ہو جاتے۔

ان دونوں (گرمی اور سردی) کے بتدریج و آہستگی ایک دوسرے میں داخل ہو جانے کو غور کرو۔ تم دیکھتے ہو گے کہ ان میں سے ایک تو تھوڑی تھوڑی گھٹتی ہے اور دوسری اُسی تدریج سے بڑھتی ہے۔ یہاں تک کہ اپنی کمی اور زیادتی کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔ اگر ایک دوسری پر یکبارگی وارد ہوتی۔ (یعنی یک دم میں گرمی بڑھ جاتی سردی گھٹ جاتی یا سردی بڑھ جاتی اور گرمی کم ہو جاتی) تو بدنوں کو اُس سے سخت نقصان پہنچتا اور بیمار ہو جاتے۔ جیسے کوئی شخص کسی گرم حمام سے ایک بارگی سرد مقام پر چلا آئے تو اُسے اُس سے نقصان پہنچے گا اور وہ بیمار ہو جائے گا۔ لہذا خالق عزوجل نے گرمی اور سردی کی یہ تدریج اس لئے قائم کی ہے کہ یک بیک آجانے سے نقصان نہ پہنچے اور یہ اُس کے یک بیک آجانے کے نقصان سے بچنا صرف اسی وجہ سے تو ہوا کہ اس میں تدبیر و حکمت تھی (پس اگر کوئی مدبر و حکیم اس کا

تدبیر کرنے والا نہ ہوتا تو کون اس بات کو سوچ سکتا تھا کہ گرمی یکبارگی نہ پڑنے لگے یا سردی یکبارگی نہ آجائے کہ اس میں جہاں کے اجسام وابدان کا نقصان ہے)۔

اگر کوئی مدعی اس بات کا دعویٰ کرے کہ گرمی وسردی کی آمد میں یہ تدریج وآہستگی آفتاب کی رفتار سے ہے کہ جس قدر بلند ہوتا رہتا اور نیچے کو جھکتا رہتا ہے۔ اُسی قدر دن میں زیادتی اور کمی ہوتی ہے تو اُس سے یہ سوال کیا جائے گا کہ آفتاب کی رفتار جو بہ تانی وآہستگی ہے اور بتدریج بلندی وپستی کی طرف آتا جاتا ہے اس کا سبب کیا ہے پھر اگر وہ یہ کہے کہ اس کا سبب مشرق ومغرب کا فاصلہ ہے تو اُس سے یہ پوچھا جائے گا کہ ایسا کیوں ہوا تو یہ سوال اسی طرح ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ قایل ہو جائے کہ ضرور اس میں اختیار وعمد وتدبیر سے کام لیا گیا ہے (خود بخود) ایسا نہیں ہوا۔

(دیکھو) اگر گرمی نہ ہوتی تو سخت اور کڑوے پھل کبھی پختہ اور نرم اور شیریں نہ ہوتے جس سے تر اور خشک دونوں حالتوں میں تفکر کر سکتے ہیں اور اگر سردی نہ ہوتی تو زراعت میں اس قدر بالیاں نہ نکلتیں اور نہ اس کثرت سے پیدا وار ہوتی جو غذا اور تخم پاشی کے لئے کافی ہو سکتی۔

کیا تم دیکھتے نہیں کہ گرمی اور سردی میں کس قدر فوائد ہیں، اور باوجودیکہ ان دونوں میں بہت سے نفع اور فائدے ہیں۔ پھر یہ بھی ہے کہ بدنوں کو ان سے

تکلیف بھی ہوتی ہے۔ حالانکہ یہ تکلیف بھی فائدے سے خالی نہیں) اور اس میں
غور کرنے والوں کے لئے عبرت ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ تمام فعل عالم اور
عالم والوں کی بہتری کے لئے کسی حکیم کی تدبیر سے ہوئے ہیں۔

ہوا میں حکمتیں

مفضل! میں تم کو ہوا اور اس کی حکمتوں کی خبر دیتا ہوں۔ کیا تم دیکھتے نہیں
کہ جب یہ ٹھہر جاتی ہے تو کیسی بےچینی پیدا ہوتی ہے جو جان لینے کے قریب ہو جاتی ہے۔
صحیح آدمیوں کو بیمار، مریضوں کو لاغر، پھلوں کو خراب اور بقولات کو متعفن کر دیتی
ہے۔ بدنوں میں وبا، غلوں میں فسادات پیدا کر دیتی ہے تو اس سے یہ بات ظاہر
ہے کہ ہوا کا چلنا خلق کی بہبودی کے لئے حکیم کی تدبیر سے ہے۔ (نہ آپ سے آپ)

آواز میں کلمات کا اثر ہوا میں نہ رہنا اس کی لطیف حکمت ہے۔

ہوا کی ایک اور خاصیت تم سے بیان کرتا ہوں۔ آواز (ایک اثر و کیفیت
ہے) جو اجسام کے باہم ہوا میں ٹکر کھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور ہوا اس کو کانوں
تک پہنچاتی ہے (یہ مسئلہ بھی مسلمات فلاسفہ سے ہے کہ جب تک ہوا میں تموج
نہیں پیدا ہوتا اس وقت تک آواز نہیں سنائی دیتی) اور تمام انسان اپنی
ضرورت اور معاملات کے متعلق دن بھر اور رات کے کچھ حصہ تک گفتگو کرتے رہتے
ہیں تو اگر کلام کا اثر ہوا میں باقی رہتا جیسے تحریر کاغذ پر لکھی رہ جاتی ہے تو تمام
عالم اس سے بھر جاتا اور اس سے اہل دنیا کو بےچینی پیدا ہوتی۔ گرانی ہوتی۔
اور ان کو اس بات کی ضرورت ہوتی کہ ہوا بدل جائے اور نئی ہوا آئے۔
(جس میں نئے کلام اثر دیا ہوں کیونکہ پہلی ہوا تو آوازوں سے بھری ہوئی ہے اور

کاغذ اس سے مملو ہیں لہذا انہی باتوں کے لئے کسی اور ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اور
یہ ضرورت اُس ضرورت سے کہیں زیادہ ہے جو کاغذ کے تبدیل میں ہوتی ہے۔
کیونکہ تحریر کی بہ نسبت زبانی باتیں زیادہ کی جاتی ہیں۔ لہذا خلاق حکیم جل قدرہ
نے ایک ایسا خفی کاغذ بنایا ہے جو کلام کی اتنی دیر تک حامل رہے جتنی دیر میں
اہل عالم کی ضرورت پوری ہو پھر اُس کے بعد مٹ جائے اور وہ ویسی ہی نئی کی نئی
صاف کی صاف ہو جائے۔ اور ہمیشہ اُن کلاموں کی حامل ہوتی رہے جو اس میں
واقع ہوتے ہیں۔

تمہارے لئے تو یہی نسیم جسے ہوا کہتے ہیں اور اس میں جو مصلحتیں ہیں عبرت
حاصل کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہ ہوا اجسام و ابدان کی زندگی کا باعث ہے اور بیرونی
جانب سے ہے۔ اسے ہم سانس کے ذریعہ سے جذب کرتے ہیں اور اندرونی جانب
سے جب یہ روح سے ملتی ہے تو حیات کی قائم رکھنے والی ہوتی ہے (اگر سانس کے
ذریعہ سے تازی ہوا پھیپھڑے تک نہ جایا کرے اور اندرونی بخارات نہ نکلتے
رہیں تو چند منٹ میں آدمی مر جائے) اسی ہوا کے اندر آوازیں واقع ہوتی ہیں
جنھیں یہ دور دور تک پہنچا دیتی ہے۔ یہی ہوا ایک مقام سے دوسرے مقام تک
خوشبوؤں کو اُڑا کر لے جاتی ہے۔ دیکھو جب ہوا چلتی ہے تو تمہاری ناک تک کیسی
کیسی خوشبوئیں اُڑا اُڑا کر لاتی ہے۔ اسی طرح آواز کو بھی۔ اور یہی ہوا گرمی اور سردی
کی بھی حامل ہوتی ہے جو یکے بعد دیگرے بہبودی عالم کے لئے آتی جاتی رہتی (گرمی

سردی اور گرمی اسی ہوا ہی قائم رہتی ہے۔ اگر عالم میں ہوا نہ ہوتی تو کبھی گرمی اور سردی بھی نہ ہوتی پڑھو فلسفہ طبعیات تب تم کو اس کا مزا آئے گا)۔

اسی سے چلنے والی ہوا بھی پیدا ہوتی ہے (جس کی حرکت بدنوں کو محسوس ہوتی ہے اور جو درختوں کو ہلاتی ہے) جو اجسام سے فسادات کو دفع کرتی۔ اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر ابر کو اڑا کرلے جاتی ہے تاکہ اس کا فائدہ عام ہو اور وہ گھرے ہوں ان سے مینہ برسے۔ پھر انھیں منتشر کر کے خفیف ہلکا بادل کر دیتی ہے تو منتشر ہو جاتے ہیں۔

درختوں میں پھل پھول پیدا کرتی کشتیوں کو چلاتی۔ غذاؤں کو نرم و لطیف بناتی۔ پانی کو ٹھنڈا کرتی آگ کو بھڑکاتی۔ تر چیزوں کو خشک کرتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ زمین کی تمام چیزوں کو قائم و زندہ رکھتی ہے۔ اگر یہ چلنے والی ہوا نہ ہو تو نباتات خشک (پژمردہ) ہو جائیں۔ حیوانات مرجائیں اور تمام چیزیں خراب ہو جائیں۔

مفضل! خدائے تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ان جواہر اربعہ (عناصر اربعہ) میں فکر کرو جنھیں اس نے اس لئے پیدا کیا ہے تاکہ جو ضرورت ان کی ہے وہ بفراغت پوری ہو منجملہ ان کے یہ زمین اور اس کی چوڑائی ہے۔ پس اگر یہ زمین اتنی چوڑی نہ ہوتی تو آدمیوں کے مکانات۔ زراعت۔ چراگاہوں جنگلوں۔ بنوں۔ بڑی قدر والی جڑی بوٹیوں اور معدنیات گراں قیمت کے

لئے کیوں کر کافی ہوتی ؟

شاید ایک شخص ان چٹیل میدانوں اور وحشتناک بیابانوں سے نفرت کر سکتا اور کہہ سکتا ہے کہ ان میں فائدہ ہی کیا ہے۔ تو اُس سے یہ کہا جائیگا کہ یہی تو وہ اپنے وطنوں کو تبدیل کرنا چاہیں تو یہاں آکر رہ سکتے ہیں۔ ایک کتنے ہی بیابان اور کتنے ہی میدان تھے۔ جن میں محلات بن گئے اور انسانوں کے ان میں آجانے سے اور مستقل ہونے سے کتنے ہی باغ لگ گئے اور اگر زمین کی اتنی وسعت نہ ہوتی تو آدمی ایسے ہوتے جیسے کسی تنگ قلعہ میں بند کر دیئے گئے ہیں۔ کیوں کہ جب کوئی امران کو اس بات پر مجبور کرتا کہ اپنے وطن کو چھوڑ کر کہیں اور آباد ہوں۔ تو اُن کو کوئی چارہ کار نہ ہوتا۔ سوائے اس کے کہ اسی اپنے وطن میں بیٹھے رہیں۔

پھر یہ سوچو کہ زمین جو اس حالت پر پیدا کی گئی ہے جس پر اب ہے کس طور سے قایم و ساکن پیدا کی گئی ہے کہ تمام چیزوں کے لئے جائے استقرار اور وطن ہو سکے اسی وجہ سے انسان اپنی ضرورتوں کے لئے اُس پر چلنے پھرنے اور اپنے آرام کے لئے بیٹھنے اور اپنے نفس کو راحت دینے کھیتی بونے اور اپنے کاموں کو استحکام کے ساتھ کرنے پر قادر ہو سکا۔ ورنہ اگر یہ متحرک اور ادھر اُدھر جھکتی رہتی تو کبھی جھکتی رہتی تو کبھی اُن کو ممکن نہ ہوتا کہ اُس پر مضبوط عمارت بنا سکتے۔ اُس پر تجارت صیاغت وغیرہ کر سکتے۔ بلکہ ایسی صورت میں جب کہ زمین ہر وقت

ہلتی ہی رہتی تو ان کی زندگی بھی گوارا طور پر بسر نہ ہوتی (کیونکہ اُس کی ہر وقت
کی حرکت سے سخت بے چینی رہا کرتی اور اکثر اوقات لوگ چلتے چلتے
گر پڑا کرتے) آپ اُن زلزلوں سے سمجھ لو جو تھوڑی ہی دیر کے لئے
ہوتے ہیں۔ پھر بھی جن لوگوں پر اُس کا اثر پہنچتا ہے وہ اپنے گھروں کو
چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں (پس اگر ہر وقت زمین ہلا ہی کرتی تو کس طرح
قرار لے سکتے اور کیوں کر آرام مل سکتا۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ آخر زمین کو زلزلہ کیوں آتا ہے تو اس کو یہ
جواب دیا جائے گا کہ زلزلہ اور نیز ایسی ہی اور چیزیں (مثلاً سخت آندھی
گہن کا لگنا۔ بے حد ستاروں کا ٹوٹنا۔ آسمان پر خوفناک سُرخی کا نمودار
ہو جانا وغیرہ وغیرہ) ایک قسم کی نصیحت اور تخویف ہیں۔ تاکہ لوگ اُس سے
ڈر کر معصیتوں سے باز آئیں۔ علیٰ ہذا القیاس جو آفتیں اور بلائیں۔ اُن کے
جسم اور مال پر وارد ہوتی ہیں وہ بھی اسی حکمت سے ہیں کہ اس میں اُن کے
لئے بہبودی اور ان کی درستی ہے گر وہ (ان چیزوں سے عبرت حاصل
کر کے) نیک بن جائیں تو ثواب و جزا کا ذخیرہ اُن کو آخرت میں اتنا ملے جس کے
برابر دُنیا کی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ ثواب اُن کو
دنیا ہی میں فوراً دے دیا جاتا ہے۔ اگر یہ دیکھا جاتا ہے (یعنی خدائے تعالےٰ
کے نزدیک ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عوام و خواص کی بہبودی اس میں ہے۔

پھر یہ زمین بذاتہ بارد یابس ہے (ٹھنڈی اور خشک ہے) اسی طرح پتھر بھی بارد یابس ہے (صرف اس میں اور پتھر میں اتنا فرق ہے کہ اس میں زمین کی بہ نسبت زیادہ خشکی ہے۔ تو کیا تم جان سکتے ہو کہ اگر تھوڑی سی اور خشکی زمین میں پیدا کر دی جاتی جس سے وہ پتھر ہو جاتی تو کیا ان نباتات وغیرہ کو اُگا سکتی جن سے حیوانات کی زندگی ہے اور کیا اس پر کھیتی کرنی یا عمارت بنانی ممکن ہوتی؟

کیا تم دیکھتے نہیں کہ کس طور پر اُس کی یبوست پتھر کی یبوست سے کم ہوئی اور نرمی و رخاوت اس میں قرار دی گئی۔ (تا کہ اُس پر اعتماد ہو سکے۔ (یعنی ضروری) کام جو اس زمین کے لئے بنائے ہیں اُس کی نرمی کی وجہ سے بآسانی کئے جا سکیں۔

زمین کی خلقت میں حکیم جل قدرتہ نے ایک یہ بھی حکمت رکھی ہے کہ شمالی جانب بہ نسبت جنوبی جانب کے بلند ہے۔ پھر خدائے عز و جل نے ایسا کیا ہی کیوں؟ اسی لئے نہ تا کہ پانی تمام روئے زمین پر بہہ کر اُسے سیراب کر سکے۔ اور آخر میں سمندر کی طرف بہ جائے جیسے چھت کی ایک سمت بلند اور ایک سمت بناتے وقت پست کر دی جاتی ہے تا کہ پانی اُس پر سے بہ جائے ٹھہرا نہ رہے۔ اسی طرح بعینہ اسی غرض کے لئے زمین کا شمالی حصہ جنوب کی سمت کی بہ نسبت بلند کر دیا گیا۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا تو پانی تمام روئے زمین پر پھیلا پڑا ٹھہرتا۔ لوگوں کو کام کے سے روکتا۔ رستے کاٹتا۔

زمین میں نرمی کی حکمت ... [illegible]

زمین کی دوسری حکمت

راہیں بند کر دیتا۔ (اس سے زمین کی کرویت (گولائی) میں فرق نہیں آتا اس لئے کہ زمین اگرچہ واقع میں گول ہے لیکن اسی کے ساتھ پانی کے کرے سے نیچے ہے اور پانی دراصل اس سے اوپر ہے لیکن خداوند تعالے نے اپنی قدرت سے صرف اس لئے کہ اس پر بھی چند قسم کے مخلوقات کی خلقت ہو سکے اور وہ اس پر رہ کر زندہ رہ سکیں اس کا نصف شمالی حصہ پانی سے بلند کر دیا ہے اور باقی پانی میں غرق ہے تاکہ اس جزیرہ نما حصہ میں آبادی ہو سکے علی ہذا القیاس اور جزائر بھی اسی غرض سے پانی کے باہر کر دئے گئے ہیں۔ ورنہ باقاعدہ اس سے اوپر پانی ہونا چاہیے تھا اور اسے اس کے نیچے رکھنا چاہئے تھا) اگر اس مسئلہ کو خوب سمجھنا چاہتے ہو تو علم ہیئت کی کتابیں دیکھیں۔

پانی کی حکمتیں

پھر یہ پانی (منجملہ عناصر اربعہ کے تیسرا عنصر ہے) اگر اس کثرت سے نہ ہوتا اور چشموں وادیوں اور نہروں کے ذریعہ سے نہ بہتا تو انسانوں کو جو اپنے پینے اور اپنے چوپاؤں اور مویشیوں کو پلانے زراعتوں اور درختوں اور غلوں کو سیراب کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اس میں بہت بڑی تنگی واقع ہوتی اور نیز جو وحشی طیور اور درندے پیتے ہیں یا مچھلیاں اور پانی کے جانور اس میں رہتے ہیں۔ ان کے لئے سخت مشکل اور ضیق ہو جاتی۔

اس کے علاوہ اس میں اور بھی فوائد ہیں جنہیں تم جانتے تو ہو مگر ان کی عظمت اور وقعت سے غافل ہو تو دیکھو کہ علاوہ اس بزرگ اور گراں قدر

فائدے کے جو اس میں ہے اور وہ یہ کہ اسی کے ذریعہ سے تمام روئے زمین کے
حیوانات اور نباتات زندہ ہیں۔ یہ اور اور پینے کی چیزوں میں بھی شامل کیا
جاتا ہے (مثلاً ستو میں یا دوا میں) تاکہ وہ نرم ہو جائیں اور پینے والے کو گوارا
معلوم ہوں۔ (۳) اسی سے بدن اور لباس کا میل صاف کیا جاتا ہے۔ (۴) اسی
سے مٹی تر کی جاتی ہے تاکہ ظروف وغیرہ بنانے کے قابل ہو جائے۔ (۵) اس سے
آگ کا ضرر دفع کیا جاتا ہے۔ جب کبھی مشتعل ہو جائے۔ اور لوگ اُس سے
تکلیف پانے لگیں۔ (۶) اسی سے تھکا ہوا آدمی اپنی تعب و تکلیف سے آرام
پاتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور بہت سے اغراض ہیں جن کی عظمت و قدر کو
تم اُسی وقت جان سکتے ہو جب اُس کی ضرورت پڑے۔

پھر بھی اگر تم کو کچھ شک پڑتا ہو کہ اس قدر کثیر پانی کیوں دریاؤں
میں پیدا کیا گیا اور کہو کہ اس سے کیا فائدہ ہے؟ تو معلوم کرو کہ یہی پانی دریا
کے بہت سی قسم کے جانوروں اور مچھلیوں کا ماویٰ و مسکن ہے۔ یہی موتی۔ یاقوت
عنبر اور اقسام اقسام کی چیزوں کا معدن ہے جو دریاؤں سے نکالی جاتی
ہیں۔ اسی کے کنارے پر عود بخوری اور طرح طرح کی خوشبودار چیزیں اور
جڑی بوٹیاں پیدا ہوتی ہیں (اگر اس کثرت سے پانی نہ ہوتا تو یہ چیزیں کیونکر
مہیا ہو سکتی تھیں) پھر یہ بھی کہ آدمیوں کا مرکب ہے (اس پر سوار ہو کر اس
ملک سے اس ملک میں جاتے ہیں) ان تجارتوں کا محل ہے جو دور دور کے

شہروں سے لائی جاتی ہیں مثلاً چین سے عراق اور عراق سے چین اور خود عراق سے عراق (بصرہ سے کوفہ میں اور کوفہ سے بصرہ دجلہ اور فرات کے ذریعہ سے) اگر سوائے پشت انسان و حیوانات کے اور کوئی ان تجارتی اشیاء کا محل (اٹھانے کا آلہ) نہ ہوتا تو تجارت خراب ہو جاتی اور تجارتی اشیاء اپنے ہی شہروں میں رہ جاتیں اور اپنے ہی ملک والوں کے ہاتھ میں رہتیں کیونکہ ان کی بار برداری کی اُجرت اُن کی قیمتوں سے زیادہ ہو جاتی۔ پھر تو کوئی بھی اُن کے کہیں لے جانے کا ارادہ نہ کرتا۔ اور اس سے وہ خرابیاں پیدا ہوتیں ۱ تو یہ کہ بہت سی ایسی چیزیں نہ مل سکتیں جن کی آدمیوں کو ضرورت پڑا کرتی ہے (مثلاً فرض کیجئے۔ دوائیں ایک بنانے کی ہے یا عود ہندی ہے۔ یا آلوئے بخارا ہے یا اور بلاد یورپ والشام کی غذائی یا دوائی چیزیں ہیں۔ اگر یہ صرف پیٹھوں ہی پر لاد کے لائی جایا کرتیں سمندروں کا درمیانی واسطہ نہ ہوتا جس پر سے کشتی کے ذریعہ سے لاتے ہیں تو کاہے کو ہندوستان تک یہ چیزیں پہنچ سکتیں اور کہاں اہل ہند کو ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا) ۲ اُن لوگوں کی معاش کا سلسلہ قطع ہو جاتا جن کی زندگی اسی پر بسر ہوتی ہے کہ وہ ان تجارتی اشیاء کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر لے جاتے اور اُس کے نفع سے بسر اوقات کرتے ہیں۔

اسی طرح ہوا ہے کہ اگر اس کثرت سے نہ ہوتی تو تمام آدمیوں کا دم

اس دھوئیں اور بخارات سے گھٹ جاتا جو اِس فضا میں بھرے رہتے ہیں۔
اور نہ اُس میں اس قدر وسعت ہوتی کہ اُس سے گہرے اور ہلکے بادل بن
سکتے۔ جواب اس ہوا کے استحالہ سے آہستہ آہستہ ابر بن جایا کرتے ہیں۔
اس سے پہلے بھی اس کے حالات ایسے بیان کر دیئے گئے جو کافی ہیں۔

آگ کے عنصر کی بناوٹ

آگ کا بھی یہی حال ہے (کہ مصلحت و حکمت کے ساتھ ضرورت کے
کے موافق بنائی گئی ہے) کہ اگر یہ اس طرح پھیلی رہتی جیسے پانی اور ہوا ہے
تو عالم اور اُس میں کی چیزیں جل جائیں۔ اور کوئی چارہ کار اس سے
نہ تھا کہ اوقات معینہ پر اس کا ظہور ہوا کرے کیوں کہ اکثر کاموں میں اس سے
فائدہ ملتا ہے۔ لہٰذا یہ لکڑیوں کے اندر مخزون کی گئی جو اُس وقت نکالی جاتی
ہے جب کہ اس کی ضرورت پڑتی ہے۔ اور اس کو اس کے مادہ اور لکڑیوں
کے ذریعہ سے قائم رکھا جاتا ہے (تھوڑی آگ راکھ کے نیچے دبا رکھتے ہیں تاکہ
وقتِ ضرورت اُس سے کام لیں) جس قدر اس کے باقی رکھنے کی ضرورت
پڑتی ہے تاکہ بجھ نہ جائے۔ پس نہ تو یہ ایسی ہے کہ ہمیشہ ہی لکڑی اور مادہ
کے ذریعہ سے باقی رکھی جائے (اس خیال سے کہ اگر بجھ جائے گی تو پھر دستیاب
ہی نہ ہوگی) ورنہ اس میں زیادہ مشقت ہوتی (کیونکہ ہر وقت اس کا خیال رکھا
جاتا کہیں ایسا نہ ہو بجھ جائے اور آئندہ نہ مل سکے) اور نہ تمام عالم میں
بنی پھرتی ہے کہ وہاں کی تمام چیزوں کو جلا دے جس جگہ موجود ہو۔ بلکہ ایک

خاص اندازہ اور تھیۂ کے ساتھ قائم کی گئی ہے کہ اس کے منفعتوں سے فائدہ اُٹھایا جا سکے اور اُس کے ضرر سے بھی بچ سکیں۔

اس میں ایک اور صفت ہے۔ وہ یہ کہ اس کی خصوصیت صرف انسان سے رکھی گئی ہے۔ اور حیوانوں کو اس کی ضرورت نہیں قرار دی گئی۔ کیوں کہ آدمیوں ہی کو اس سے فائدہ ہو سکتا ہے۔ اگر یہ آگ نہ ہوتی تو بڑا سخت نقصان اس کی معاش میں واقع ہوتا۔ (مثلاً لوہے کے اشیاء بنانے میں اس سے مدد ملتی ہے۔ اگر آگ نہ ہوتی تو کیوں کر زراعت۔ عمارت۔ تجارت صناعت کے آلات بن سکتے۔ زرگری میں اس کی ضرورت ہے۔ ظروف سازی میں اس کی ضرورت ہے اور سب سے بڑھ کر تو ہر روز کھانا پکانے میں اس کی ضرورت ہے۔ پھر اگر آگ نہ ہوتی تو انسانی زندگی کس قدر تنگ ہو جاتی) لیکن رہے بہائم وہ تو اسے استعمال ہی نہیں کرتے اور نہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور چونکہ ایسا ہی خدا کی طرف سے مقدر ہو چکا تھا کہ صرف آدمی ہی اس سے فائدہ اٹھائیں لہذا انسان کے لئے ہتھیلیاں اور انگلیاں بنا دی گئیں تاکہ اُس کے روشن کرنے اور استعمال کرنے میں ان سے مدد ملے۔ اور بہائم کو یہ بات نہیں دی گئی۔ لیکن ان کو معاش کی تکلیف اور جد و جہد پر صبر کی طاقت دے دی گئی تاکہ آگ نہ ملنے سے جو انسان کو نقصان پہنچتا وہ اُن کو نہ پہنچے۔

میں تم کو اس کی ایک چھوٹی سی چیز کا نفع بتاتا ہوں جو نہایت ہی

قابل قدر و وقعت ہے۔ وہ یہی چراغ ہے (جو کہ آگ سے روشن ہوتا ہے) جسے لوگ روشن کرتے اور اس سے ضروریں شب کے وقت جس طرح چاہیں پوری کرتے ہیں۔ اگر یہ صفت نہ ہوتی تو (شب کے وقت) آدمیوں کی زندگی ایسے بسر ہوتی جیسے گویا قبر میں دفن ہیں تو کس سے ممکن ہو سکتا کہ کچھ لکھے۔ کچھ یاد کرے۔ تاریکیٔ شب میں کچھ سئے پروئے یا کپڑہ وغیرہ بنے۔ اور اس شخص کا کیا حال ہوتا جسے شب کے کسی حصہ میں کوئی درد اٹھتا یا بیماری ہوتی اور اسے ضماد لگانے یا سفوف کی یا کسی اور ایسی چیز کی ضرورت ہوتی جس سے وہ اپنا علاج کرے اور اس سے شفا حاصل کرے (تو پھر اندھیری رات میں کیا کر سکتا۔ لہٰذا خدائے تعالےٰ نے آدمیوں کو یہ سکھایا کہ تم اپنی ضرورتوں کے واسطے اس ترکیب سے روشن کر لیا کرو)۔

لیکن اس کے اور فوائد جو کھانا پکانے۔ اور بدن کو گرمی پہنچانے گیلی چیزوں کو خشک کرنے اور منجمد چیزوں کے تحلیل کرنے اور علی ہذا القیاس اور چیزوں میں ہیں وہ اس قدر ہیں جن کا شمار بھی نہیں ہو سکتا اور ایسے عیاں ہیں کہ ان کے عیاں کی بھی ضرورت نہیں۔

مفضل! آسمان کے صاف ہو جانے۔ اور مینہ کے برسنے کو سوچو (یعنی ان دونوں مختلف حالتوں کو غور سے دیکھو کہ ایک وقت آسمان صاف ہو جاتا ہے۔ دوسرے وقت ابر چھا جاتا اور مینہ برسنے لگتا ہے) کیونکہ یکے بعد

دیگرے اس عالم میں اس طور پر واقع ہوتے ہیں جس میں اس (عالم) کی بہتری ہے۔ اگر ان میں سے کوئی بھی ہمیشہ رہتا تو اس سے عالم میں خرابی پڑ جاتی۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ جب کبھی مینہ متواتر برسنے لگتا ہے تو بقولات اور سبزیوں میں عفونت پیدا ہو جاتی ہے۔ حیوانات کے بدنوں میں استرخا ہو جاتا ہے اور ہوا میں برودت بڑھ جاتی ہے تو طرح طرح کے امراض پیدا ہونے لگتے ہیں۔ رستے اور سڑکیں خراب ہو جاتی ہیں اور جب کبھی عرصہ تک آسمان کھلا رہتا ہے تو زمین خشک ہو جاتی ہے نباتات جل جاتے ہیں۔ چشمے اور ندیوں کے پانی گھٹ جاتے ہیں۔ اس سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے اور ہوا میں یبوست ہو جاتی ہے۔ تو اور مختلف قسم کے امراض حادث ہوتے ہیں۔

اور جب کہ اس طور پر یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہتے ہیں تو ہوا معتدل رہتی ہے اور ہر ایک ان میں سے دوسرے کے ضرر کو دفع کرتا رہتا ہے۔ تو تمام چیزیں باقاعدہ ٹھیک اور درست رہتی ہیں۔

اگر کوئی معترض یہ کہے کہ پھر ایسا کیوں نہیں کیا گیا کہ ان میں سے کسی میں کچھ ضرر ہی نہ ہوتا (یعنی اگر ہمیشہ مینہ برسا کرتا تب بھی آدمیوں کو نقصان نہ پہنچتا اگر ہمیشہ کھلا رہتا تب بھی ان کو کچھ ضرر نہ ہوتا) ایسا کیوں نہ ہوا۔ تو اس کو یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ اس لئے ہے تاکہ آدمی کو کسی قدر تکلیف پہنچتی رہے اور وہ معصیتوں سے باز آئے مثلاً جب انسان بیمار ہوتا ہے تلخ اور بے مزہ

دوائیں پینے کی ضرورت پڑتی ہے کہ اُس کی طبیعت ٹھیک ہو جائے اور اُس کی جو چیز (یعنی فعل طبیعت) خراب ہو گئی ہے وہ درست ہو جائے علیٰ ہذا القیاس جیسے انسان سرکشی اور غرور کرنے لگتا ہے تو اُسے ایسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے جو اُسے ذرا تکلیف پہنچائے تاکہ بدکاریوں سے باز آئے اور اُن باتوں پر اُسے قائم کر دے جس میں اُس کا فائدہ اور صلاح ہے۔ اگر کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو ہزاروں۔ لاکھوں اشرفیاں اور روپے بانٹ دے تو کیا اس سے بادشاہ کی عظمت ان کے دلوں میں نہ پیدا ہوگی اور کیا اس سے اُس کی سخاوت کا شہرہ نہ ہو جائے گا۔ حالانکہ اُس کو اس مینہ سے کیا نسبت ہے جو حد سے زیادہ سیراب کرنے والا ہے اور اسی سے شہروں اور ملکوں کی آبادی اور تمام روئے زمین کی اقلیموں میں اسی سے غلّوں کی زیادتی ہے۔ جو کہیں زیادہ ہے اُن لاکھوں کروڑوں روپے اور اشرفیوں سے۔

تم دیکھتے نہیں کہ اس تھوڑے سے مینہ کی کس قدر بڑی حکمت ہے لوگوں کے لئے وہ کتنی بڑی نعمت ہے؟ حالانکہ یہ لوگ اس سے غافل ہیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کسی کی چھوٹی سی ضرورت مینہ کے برسنے یا کہ دیر تک آسمان کے کھلنے سے رُک جاتی ہے تو ملامت کرنے لگتا ہے اور ناراض ہوتا ہے اُس ذلیل سی بات کو ترجیح دیتا ہے اور اس بڑی منفعت کی چیز کو غور نہیں کرتا جو نہایت ہی قابل قدر ہے اور جس کا انجام بہت اچھا ہے۔ یہ بات صرف اس وجہ سے

ہے کہ اُسے اس عظیم القدر نعمت اور اس کے فائدوں کی پوری معرفت نہیں ہے۔

اُس کے بلندی سے زمین پر برسنے اور اُس کی مصلحت پر غور کرو۔

صرف اس لئے بلندی سے برسایا جاتا ہے کہ اونچی اور سخت زمینوں پر بھی پڑے اور اس کو اچھی طرح سیراب کر سکے۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ کسی ایک گوشہ سے آیا کرتا تو اُن مقامات پر نہ پہنچ سکتا جو بلند ہیں اور وہاں زراعت نہ ہو سکتی دیکھو کہ وہ زمین جن میں پانی سینچ کر زراعت کی جاتی ہے وہ بہت کم ہیں (اور اگر ہیں تو اُن کی آبپاشی میں صرف کثیر پڑتا ہے جس سے کاشتکاروں کو بہت کم نفع اپنی زراعت سے ہوتا ہے لہذا ایسا مقرر کیا گیا کہ اوپر سے مینہ برسا کرے تاکہ ہر بلند و پست مقام پر پانی پہنچ جائے۔)

انہیں بارشوں کی وجہ سے آدمیوں کی وہ مشقت بھی جاتی رہتی ہے جو اُن کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر پانی کے لانے میں ہوتی۔ اور جو نزاعیں اور جھگڑے اور ایک دوسرے پر ظلم کرنا واقع ہوتا ہے کہ ایک غلبہ اور قوت والا آدمی تو پانی لے جاتا ہے اور دوسرا کمزور آدمی اُس سے محروم رہتا ہے وہ بھی رفع ہو جاتا ہے۔

پھر چونکہ (مینہ کے پانی کے لیے) یہ مقدر کیا تھا کہ اوپر سے زمین پر برسے لہذا ایسا بنایا گیا کہ چھڑکاؤ کے طور پہ زمین پر پڑے تاکہ زمین کے اندر جذب ہو کر اُسے سیراب کر سکے اور اگر زور سے بہتا ہوا آتا اور زمین پر سیل کی طرح گرتا

تو اُس میں جذب نہ ہو سکتا۔

پھر یہ بھی ہوتا کہ کھڑی کھیتیوں کو توڑ دیتا جب کہ شدت کے ساتھ سیل کی طرح برستا۔ لہٰذا ایسا مقرر ہوا کہ آہستہ آہستہ برسا کرے تاکہ بوئے ہوئے دانے اگیں۔ زمین سیراب ہو اور زمین اور کھڑی زراعتیں اس سے زندہ ہوتی رہیں۔

اس کے برسنے میں اور بھی مصلحتیں ہیں مثلاً یہ کہ بدنوں میں تری اور لینت پیدا کرتا ہے ۲ ہوا کی کدورت کو صاف کرتا ہے جس سے وبا دفع ہو جاتی ہے۔ جو ہوا کی خرابی سے پیدا ہوتی ہے ۳ درخت اور زراعت میں جو بیماری پیدا ہو جاتی ہے جس کا نام یرقان ہے اُسے دفع کر دیتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور بھی فوائد ہیں۔

پس اگر کوئی معترض یہ کہے کہ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ اس مینہ کے سبب سے کسی سال بہت سخت نقصان بھی پہنچتا ہے جب کہ یہ شدت سے پڑتا ہے یا اولے پڑتے ہیں جن سے کھیتیاں ریزہ ریزہ ہو جاتی ہیں۔ اور ہوا میں بخارات پیدا کر دیتا ہے جس سے بدنوں میں بہت سے امراض و آفات حادث ہوتے ہیں تو اُس سے کہا جائے گا کہ ہاں یہ زیادتی بھی کبھی انسان کی اصلاح اور اُس کے معصیتوں اور اُس میں پڑے رہنے سے روکنے کے لئے ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ فائدہ جو اُس کے دین کی اصلاح کے لئے ہوگا وہ (یقیناً) اُس نقصان سے بہتر ہوگا جو اُس کے مال میں واقع ہوتا ہے (یعنی

اگرچہ زیادتی بارش سے انسان کے مال کا نقصان ہو یا اُس کو بدنی تکلیف پہنچی لیکن اس سے اتنا تنبہ تو ہوا کہ خیر ہمارا کوئی ایک خالق زبردست بھی ہے جو ہمیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اور اس ڈر سے اُس نے گناہ کو چھوڑا اور اُس کے دین کی اصلاح ہوئے جس کا فائدہ ابدی اور غیر منقطع ہے۔

پہاڑوں کی خلقت اور اُن کی حکمتیں

مفضل یہ ان پہاڑوں کو دیکھو جو مٹی اور پتھر سے جما جما کر بنائے گئے ہیں۔ جنھیں غافل لوگ بیکار بلا ضرورت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اُن سے بہت کچھ فوائد پہنچتے ہیں۔ ۱؎ منجملہ اُن کے یہ ہے کہ اُن پر برف پڑتی ہے اور وہ اُن کی چوٹیوں پر باقی رہتی ہے جسے ضرورت ہو وہ اُس سے فائدہ لے سکتا ہے اور جو برف گھل جاتی ہے اُس سے کثیر پانی کے چشمے بہتے ہیں جن سے بڑی بڑی نہریں ہو جاتی ہیں ۲؎ اور ان پر ایسی جڑی بوٹیاں اور نباتات روئیدہ ہوتے ہیں جو ہموار اور نشیب زمینوں میں نہیں ہوتے ۳؎ اور اُن میں زخمی صحرا وحشیوں کے لئے غار اور درے ہیں ۴؎ دشمنوں سے بچنے کے لئے ان میں بلند قلعہ بھی بنا لیا جاتا ہے ۵؎ انہیں تراش کر مکان بناتے اور چکیوں میں صرف کرتے ہیں ۶؎ ان میں قسم قسم کے جواہرات کی کانیں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی فائدے ہیں جنھیں وہی جانتا ہے جس نے اپنے علم قدیم سابق کے ذریعہ سے ان کو اندازہ معین بنایا ہے۔

معدنیات کا بیان

مفضل یہ اُن معدنوں کو جو اُن سے مختلف قسم کے جواہر نکلتے ہیں۔

انیس سونچہ۔ مثلاً کہ چونا۔ عبیین (ایک قسم کا چونا ہے جو گچ کے کام آتا ہے) ہڑتال۔ مرداسنگ۔ پارہ۔ تانبا۔ رانگہ۔ چاندی۔ سونا۔ زبرجد۔ یاقوت زمرد۔ اور انواع واقسام کے پتھر۔ اور علیٰ ہذالقیاس جو ان سے تارکول۔ مومیائی۔ گندھک۔ نفط (ایک قسم کا تیل ہے) وغیرہ نکلتے ہیں۔ جنہیں لوگ اپنے استعمال میں لاتے ہیں۔

توکیا یہ بات کسی عقلمند سے پوشیدہ ہے کہ یہ تمام ذخیرہ آدمیوں ہی کے لئے جمع کیا گیا ہے جسے وہ نکال کر اپنی ضرورت کے وقت استعمال کرتا ہے۔

پھر یہ بھی کہ آدمیوں نے جو یہ حرص کیا کہ ہم سونا چاندی بنالیں اور اس میں کوشش صرف کی ان کو کچھ بن نہ آئی اور تدبیر ان کی قاصر رہی۔ ورنہ اگر یہ لوگ جیسا چاہتے تھے پاجاتے اور اس کا علم ان کو حاصل ہو جاتا تو لامحالہ یہ علم کھل جاتا اور تمام پھیل جاتا۔ پھر تو چاندی۔ سونا اس کثرت سے بننے لگتے کہ لوگوں کے نزدیک ان کی قدر وقیمت ہی نہ باقی رہتی۔ اور جو فائدہ خرید وفروخت اور معاملات میں ان سے پہنچتا ہے وہ بالکل فوت ہو جاتا۔ نہ بادشاہ کے پاس مال ہی آتا اور نہ کوئی اپنی اولاد کے واسطے ذخیرہ ہی کرتا۔

باایں ہمہ بھی یہ ہوا کہ آدمیوں کو تانبے (اور جست کو ملا کر) پیتل۔ جست سے شیشہ۔ رانگہ سے چاندی اور چاندی سے سونا وغیرہ بنانے کی تدبیر بتادی گئی ہے جن میں کچھ مضرت نہیں ہے۔ (کیونکہ ایسے جاننے والے اور کرنے والے کم ہیں جن کی وجہ سے ضرر عام نہیں ہے اور نہ اس سے نظام عالم میں خلل پڑتا ہے بخلاف اس کے اگر عام طور پر ہر شخص سونا چاندی بنالیا کرتا تو اولاً یہ ایک بے قدر چیز ہو جاتی۔ دوسرے معاملات وغیرہ میں اس سے مدد نہ لی جاتی۔ تیسرے کوئی اُس کو ذخیرہ نہ کرتا کیوں کہ ہر شخص اُس کا بنانا جانتا ہے۔ کیا ایسی عزیز چیز ہے جس کو ذخیرہ کیا جائے۔ وغیرہ وغیرہ نقصانات لوگوں کو پہنچتے۔

دیکھو کہ جس میں کچھ نقصان نہ تھا وہ توان کو بتا دیا گیا ہے اور جو نقصان رساں تھا (عام طور پر ہر شخص کا کیمیا گر ہو جانا) وہ انہیں نہ بتایا گیا۔

اور جو شخص کسی کان میں داخل ہو تو اُسے ایسی ایسی بڑی ندیاں دکھائی دیں گی جن میں برابر کثرت سے پانی بہہ رہا ہے نہ ان کی تہ معلوم ہو سکتی ہے اور نہ ان کے عبور کرنے کی کوئی تدبیر ہے اور اس کے بعد اُسے چاندی کے پہاڑ ہی پہاڑ سے کھڑے ہوئے ملیں گے۔

غور کرو کہ اس میں خالق حکیم کی کیا حکمت و تدبیر ہے۔ اُس نے یہ چاہا ہے کہ بندوں کو اپنی قدرت اور اپنے خزانوں کی وسعت دکھادے

تاکہ وہ جان لیں کہ اگر پروردگار چاہے کہ ہمیں پہاڑوں کے بقدر چاندی عطا کر دے تو کر سکتا ہے۔ لیکن اس میں اُن کے لئے کچھ بہبودی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس میں وہی خرابی واقع ہوتی جو ہم نے بیان کی کہ اُن جواہرات کی قدر لوگوں کی نگاہوں میں نہ رہتی۔ اور ان سے بہت کم فائدہ اُٹھاتے۔

اسے یوں سمجھو کہ کوئی نئی چیز جسے آدمی ایجاد کرتا ہے مثلاً ظروف یا اور اسباب جب تک کہ وہ نئی چیز کمیاب و نادر الوجود رہتی ہے۔ جب ہی تک نفیس و گراں قدر اور گراں قیمت ہوتی ہے اور جب پھیل جاتی ہے عام طور پر لوگوں کے ہاتھ آ جاتی ہے تو بے قدر ہو کر کم قیمت ہو جاتی ہے۔ ہر چیز اُس وقت تک نفیس سمجھی جاتی ہے جب تک کمیاب ہو۔

مفضل!۔ ان نباتات کو اور اُن کے انواع و اقسام کی ہر دو اُن کو غور کر کے دیکھو، تو غذا کے کام میں آتے ہیں۔ خشک گھانس جانوروں کی غذا میں۔ لکڑی جلانے میں۔ تختے ہر طرح کی نجاری وغیرہ کے کام آتے ہیں۔ چھال۔ پتیاں۔ موٹی جڑیں۔ پتلی جڑیں اور گوند طرح طرح کے فائدوں کے لئے ہیں۔

دیکھو کہ اگر یہ پھل جنہیں ہم اپنی غذا میں صرف کرتے ہیں ایک ہی جگہ کہیں زمین پر مل جاتے اور اُن شاخوں میں نہ لگتے جو اُن کی حامل ہوتی ہیں

تو ہماری زندگی کے امور میں کس قدر خلل واقع ہوتا۔ اگرچہ غذا تو بہم پہنچ جاتی مگر نخنے لکڑی، خشک گھاس اور تمام اُن چیزوں بھی جنہیں ہم نے بیان کیا ہے بہت بڑے بڑے فائدے ہیں اور نہایت قابل قدر و وقعت ہیں (وہ کہاں سے ہاتھ آتے اگر پھل بغیر درخت کے کسی ایک جگہ زمین پر رکھے ہوئے مل جایا کرتے)۔

علاوہ بریں نباتات میں اُس کے حسن منظر اور شادابی سے وہ لذت ملتی ہے جس کے برابر تمام جہاں کی ملاہی و ملاعب و مناظر میں سے کوئی چیز اس کے برابر نہیں ہو سکتی (درختوں کی سبزی دیکھ کر آنکھوں میں خنکی پیدا ہوتی ہے دل کو فرحت ہوتی ہے طبیعت کی پژمردگی دفع ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ)۔

مفضل! اس افزائش کو خیال کرو جو زراعت میں قائم کی گئی ہے۔ کہ ایک دانہ سے سو دانے اور کچھ کم زبیش پیدا ہوتے ہیں۔ حالاں کہ (عقلاً) تجویز یہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک دانہ سے ایک ہی دانہ پیدا ہو سکے گا۔ تو کیوں اس قدر افزائش ہو جاتی ہے اسی لئے نہ کہ غلہ میں وسعت ہو جائے کہ بیج ڈالنے کے بھی کام آئے اور کاشتکاروں کے لئے آئندہ فصل کی خوراک کا بھی سامان رہے۔

دیکھو کہ جب کوئی بادشاہ کسی شہر کو آباد کرنا چاہتا ہے تو وہ یہی راہ اختیار کرتا ہے کہ وہاں کے باشندوں کو اس قدر غلہ دیا جائے کہ جس سے بیج بو سکیں

اور زراعت کے تیار ہونے تک کھا بھی سکیں۔ تو دیکھو کہ یہ مثال کس طرح حکیم مطلق یعنی باری تعالےٰ عزاسمہ کی تدبیر میں پہلے ہی گذری کہ زراعت میں اس قدر افزائش ہونی چاہیئے تاکہ غذا اور کاشتکاری دونوں ضرورتوں کے لئے کافی ہو سکے۔ علیٰ ہذا القیاس درخت نباتات اور نخل خرما کا حال ہے کہ کثرت سے ان میں پھل لگتے ہیں۔ تم دیکھتے ہو گے کہ جڑ تو ایک ہی ہے مگر اس کے گرد کتنے اس کے بچے (شاخیں) ہیں۔ ایسا کیوں ہوا۔ اسی لئے نہ کہ لوگ اُسے توڑ کر اپنی ضرورتوں میں استعمال کریں اور دوبارہ اُس کا بیج زمین میں بو سکیں۔ اگر ایک ہی جڑ رہ جاتی۔ اُس میں شاخیں پھوٹتیں اور یہ افزونی نہ ہوتی تو بالکل ممکن نہ ہوتا کہ کسی کام یا بونے کے لئے اُس میں سے کوئی چیز توڑی جائے۔ پھر اگر ناگہانی بلا آجاتی تو اصل ہی فنا ہو جاتی تو اُس کے قائم مقام دوسرا درخت نہ ہو سکتا۔ (لہٰذا ایسا مقرر کیا گیا کہ ان کے بیج یا شاخیں آئندہ ایسے ہی درخت پیدا کرنے کے کام میں آتی رہیں سال میں یہ طاقت دی گئی کہ ویسے ہی درخت اُگائیں تاکہ اخراج مثل کا قاعدہ جاری رہے اور درختوں کی نسل نہ قطع ہو)۔

مفضل! مسور ماش۔ باقلا وغیرہ دانوں کے پیدا ہونے کو خیال کرو کہ یہ تمام دانے ایک ایسی چیز کے اندر پیدا ہوتے ہیں جو مثل پھلی کے ہوتی ہے یہ اس لئے ہے کہ ان کو ان کے سخت اور مستحکم ہونے تک

آفتوں سے حفاظت کرے۔ جیسا کہ مشیمہ (جھلی جس میں پیٹ کا بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے) جنین کے اوپر اسی غرض سے لپٹا ہوا ہوتا ہے کہ اسے ہر قسم کے صدمہ سے محفوظ رکھے) لیکن گیہوں اور اس کے مشابہ جو دانے ہیں وہ تہہ بہ تہہ اُن سخت چھلکوں کے اندر رہتے ہیں جن کے سروں پر بالیوں کی نوکیں برچھی کی طرح تیز نکلی ہوتی ہے تاکہ پرندوں کو باز رکھیں اور کاشتکاروں کو زیادہ دانے ملیں۔ اگر یہ تیز نوکیں ان پر نہ ہوتیں تو پرندے آکر بالیاں توڑ لے جاتے اور کاشتکار بیچارے دیکھتے رہ جاتے)۔

اگر کوئی معترض کہے کہ پرندے گیہوں وغیرہ دانوں کو کیا نہیں پا سکتے؟ تو اس کو جواب دیا جائے گا کہ ہاں پا تو سکتے ہیں اور یہی اُن کے لئے مقدر و معین بھی کیا گیا ہے کیونکہ پرندے بھی خدائے تعالیٰ کے مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں اور اُن کے لئے بھی پروردگار نے زمین کی پیداوار میں سے ایک حصہ قرار دیا ہے۔ لیکن یہ دانے اُن پردوں میں اس لئے محفوظ کئے گئے کہ یہ پرندے اُن پر پورا قبضہ نہ پاسکیں۔ جس سے اُن کو خواہ مخواہ توڑ تاڑ کر خراب کر دیں اور بیجا نقصان پیدا کریں۔ کیونکہ اگر یہ پرندے دانوں کو کھلا ہوا پاتے اور ان پر کوئی ایسی شے نہ ہوتی جو حایل ہو سکے تو دانوں پر ٹوٹے پڑتے یہاں تک کہ بالکل اُن کو چھان ڈالتے تو اس سے ایک یہ خرابی پڑتی کہ پرندوں کو سوء ہضم ہو جاتا اور مر جاتے۔ دوسرے یہ کہ کاشتکار بیچارے اپنے

کھیتوں سے خالی ہاتھ واپس آتے۔ لہذا یہ حفاظتیں ان دانوں پر قائم کی گئیں تاکہ اُسے بچائے رکھیں۔ اب اگر پرندے اس سے پانے بھی ہیں تو صرف تھوڑا سا جس سے زندہ رہ سکیں اور بڑا حصہ اُس کا انسانوں کے لئے بچ رہتا ہے کیوں کہ وہ اس کے زیادہ مستحق ہیں اس لئے کہ انہیں نے اس میں کوشش کی تھی اور پھر اُس سے محروم رہتے۔ حالانکہ ان کو پرندوں کی بہ نسبت ان دانوں کی زیادہ ضرورت تھی (لہذا ان کا خیال مقدم رکھا گیا)۔

درختوں اور قسم قسم کے نباتات کی پیدائش کی حکمت پر غور کرو۔ چوں کہ ان کو مثل حیوانات کے غذا کی ہمیشہ ضرورت ہوتی ہے۔ مگر حیوانوں کی طرح اُن کے نہ مُنہ تھے اور نہ حرکت کی طاقت جس سے اپنی غذا حاصل کرنے کے واسطے کوشش کر سکیں۔ لہذا ان کی جڑیں زمین میں مضبوط قایم کی گئیں تاکہ اُس سے اپنی غذا لے کر شاخوں پتیوں اور پھلوں تک پہنچائیں تو زمین اُن کے لئے مثل ماں کے ٹھہری اور جڑیں اُن کی جو بجائے مُنہ کے ہیں۔ زمین کی کھانے والی ہوئیں تاکہ اپنی غذا اُس سے لے سکیں۔ جیسے حیوانات کے بچے اپنی ماؤں کے پستان مُنہ میں لے کر دودھ پیتے ہیں۔

تم دیکھتے نہیں کہ خیموں اور چھولداریوں کی عمودیں کس طرح سے طنابوں سے باندھ کر ہر طرف سے کھینچ دی جاتی ہیں تاکہ خیمے سیدھے

کھڑے رہیں نہ گر سکیں اور نہ جھک سکیں۔ علی ہذا القیاس تم ہر ایک نبات کو بھی ایسا پاؤ گے کہ اُن کی جڑیں زمین کے اندر ہر طرف ممتد اور پھیلی ہونگی تاکہ ان درختوں کو پکڑے رہیں اور قائم رکھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اتنے اتنے بڑے کھجور کے لیے درخت اور بڑے بڑے پیڑ آندھیوں میں کیسے کھڑے رہ سکتے تھے۔

تو دیکھو کہ خلقت کی حکمت صناعت (یعنی خیمہ بنانے) کی حکمت سے کیوں کر سابق ہو گئی وہ تدبیر جسے کاری گر چھولداریوں کے قائم رکھنے میں صرف کرتے ہیں۔ اس سے پہلے وہی تدبیر و حکمت درختوں کے پیدا کرنے میں صرف کی گئی ہے۔ کیوں کہ درختوں کی خلقت (یقیناً) خیموں کے بنانے سے پہلے ہوتی ہے۔ کیا تم جانتے نہیں کہ اس کے عمود اور لکڑیاں سب درخت ہی کی ہوتی ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ صناعت اس خلقت سے لی گئی ہے نہ یہ کہ خلقت اشجار کا طریقہ خیموں کی طنابوں کو دیکھ کر قائم کیا گیا)۔

مفضل! پتوں کی پیدائش کو تامل سے دیکھو تمھیں اُن کے اندر جڑوں کی سی ایک چیز پھیلی ہوئی معلوم ہوگی تو اُس کے طول و عرض میں پھیلی ہوں گی۔ اور بعض باریک ہوں گی جو اُن موٹی رگوں کے درمیان درمیان گذری ہوں گی اور نہایت مضبوط و باریک بنی ہوں گی کہ اگر کسی ہاتھ سے

بنائی جائیں تو شاید پورے ایک سال میں ایک درخت کی پتیاں بھی آدمی نہ بنا سکتا۔ علاوہ اس کے آلات ۔ حرکت ۔ تدبیر اور کلام کی ضرورت ہوتی (ایک پوچھتا بھائی یہ پتی کیوں کر بناؤں دوسرا کہتا اس طرح بناؤ وغیرہ)۔ دیکھو تو فصل بہار کے چند ہی دنوں میں اس قدر پتیاں پیدا ہو جاتی ہیں کہ تمام پہاڑ اور نشیب کے مقامات اور زمین کے تمام قطعات بلاحرکت اور بے بولے چالے صرف ایک ارادہ کے ذریعہ سے تمام چیزوں میں نافذ ہے اور صرف ایک حکم لازم الاطاعت سے بھر جاتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ان باریک رگوں کی علت کو بھی معلوم کر لو۔ یہ اس لئے ان پتیوں کے اندر داخل کی گئیں ہیں کہ اُسے سیراب رکھیں اور پانی کو اُن تک پہنچائیں جیسے جسم کے اندر کی رگیں صرف اس لئے پھیلی ہوتی ہیں کہ اس کے ہر جزو کو غذا پہنچاتی رہیں۔

پتیوں کی موٹی رگوں میں ایک اور بھی حکمت ہے وہ یہ کہ اپنی صلابت اور مضبوطی کے ذریعہ سے پتیوں کو مضبوط پکڑے رہتی ہیں تاکہ پھٹ نہ جائیں۔ دیکھو یہ پتیاں اُن مصنوعی پتیوں سے بہت مشابہ ہیں جو کپڑے کے پارچوں سے اکثر کر بنائی جاتی ہیں اور جن میں طولاً اور عرضاً لمبی لمبی سینکیں لگائی جاتی ہیں تاکہ اس کو پکڑے رہیں اور ہلنے جلنے نہ پائے۔

پس صناعت (یعنی ہاتھ سے پتوں کا بنانا) خلقت (یعنی خدائی ساخت)

کی ایک نقل ہے۔ اگرچہ اُس کی پوری حقیقت کو نہیں پا سکتی (لوگوں نے کپڑے
اور کاغذ کے کیسے کیسے گل بوٹے جھاڑ بیل درخت بنائے مگر کجا اصلی اور حقیقی
درخت اور کجا مصنوعی۔ اوّل تو نقل ہے پورے طور پر مشابہ اصل کے نہیں ہوتی
دوسرے یہ کہ اس میں وہ فطری قوئے نہیں آسکتے جن سے اصلی درختوں کی حیات ہے)
اس گٹھلی اور بیج کی علّت کو خیال کرو کہ یہ پھل کے اندرونی حصہ میں
قرار دی گئی تاکہ اگر کوئی چیز اصل درخت کو فنا کر دے تو یہ اُس کے قائم
مقام ہو سکیں۔ (یعنی انہیں زمین میں بوئیں جس سے ویسا ہی درخت پھر تیار
ہو سکے) جیسے کوئی نہایت نفیس چیز جس کی ضرورت بہت پڑا کرتی ہو کئی کئی مقام
پر رکھ دی جاتی ہے تاکہ اگر کوئی حادثہ ایک مقام پر پڑے تو وہ شے دوسرے
مقام پر مل سکے۔ (اسی طرح یہ گٹھلیاں اور بیج ہزاروں پھلوں کے اندر پیدا
کر دئے گئے تاکہ اگر ایک نہ اُگے تو دوسرا اُگ آئے اور وہ نہ ہو تو تیسرا
اور علیٰ ہذا القیاس۔

پھر یہ بھی ہے کہ اپنی صلابت اور سختی سے پھلوں کی نرمی اور رقیق نہ ہونے
کو روکے رکھتے ہیں۔ اگر یہ بیج اُس کے اندر نہ ہوتے تو یہ پھل کھل جاتے
اور پھٹ جاتے۔ تو پھلوں میں جلد خرابی پیدا ہو جاتی۔

بعض بیج اور گٹھلیاں ایسی بھی ہیں کہ کھائی جاتی ہیں اور اُن سے تیل
بھی نکالا جاتا ہے جو مختلف مصلحتوں میں کام آتا ہے!! اور جب تم کو گٹھلی اور

بیج کی غرض معلوم ہو گئی تو اس پر غور کرو کہ چھوارے کی گٹھلی کے اوپر مغز خرما۔ اور انگور کے بیج کے اوپر مغز انگور کیا چیز ہے اور اس کا فائدہ کیا ہے اور اس شکل پر کیوں نکلتا ہے۔ حالانکہ ممکن تھا کہ اس کے ساتھ ساتھ وہ شے پیدا ہوتی جو کھانے میں نہ آتی جیسے سرو اور چنار وغیرہ میں ہوتا ہے۔ اسی لئے تو لذیذ کھانے کی چیزیں اس کے اوپر پیدا ہوتی ہیں کہ انسان اس سے فائدہ اٹھائے۔

درختوں میں جو اور کئی قسم کی حکمتیں رکھی گئی ہیں ان پر غور کرو تم انہیں دیکھو گے کہ ہر سال ان پر ایک مرتبہ خزاں آتی ہے تو ان کی حرارت عزیزیہ اس کی شاخوں میں محبتس ہو جاتی ہے اور اس کے اندر پھلوں کے مادے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان پر بہار آتی ہے اور پتیاں نکل آتی ہیں اور تمہیں طرح طرح کے میوے دیتے ہیں۔ جیسے تم کبھی اپنے سامنے قسم قسم کے کھانے رکھتے ہوں جنہیں ہاتھ سے باری باری پکایا ہو (اسی طرح یہ مختلف قسم کے پھل ہیں) تو دیکھو کہ شاخیں اپنے پھل لے کر تمہارے سامنے آتی ہیں گویا وہ تمہیں ان پھلوں کو اپنے ہاتھ سے دے رہی ہیں۔

اور تم پھولوں کو دیکھتے ہو کہ تمہارے سامنے اپنی شاخوں پہ آتے ہیں گویا وہ خود اپنے تئیں تمہارے روبرو پیش کرتے ہیں۔ یہ کس کا اندازہ قائم کیا ہوا ہے کس نے ایسا بنایا ہے۔ اسی نے جو مقدر و حکیم ہے اور اس میں غرض

مغز انگور و خرما
درختوں کی خزاں اور بہار میں حکمتیں

کیا ہے؟ یہی نا کہ آدمی ان پھلوں اور پھولوں سے تفکر کرے۔ تعجب ہے ان آدمیوں سے کہ بجائے اس نعمت کے شکریہ ادا کرنے کے خود منعم ہی کا انکار کرتے ہیں۔

اس انار کو خیال کرو اور دیکھو کہ اس میں کیا عمدہ تدبیر و حکمت ہے۔ تم اس کے اندر یہ دیکھتے ہو گے کہ چاروں طرف جمی ہوئی (زرد زرد دیوار کی جو مثل پردے کے ہیں) جھلیاں اور تہ بتہ دانے چنے ہوئے کھڑے ہوئے معلوم ہوں گے جیسے کسی نے ہاتھ سے چن دیا ہے۔ اور تم دانے کو دیکھتے ہو گے کہ کئی حصوں پر بٹا ہوا ہے۔ اور اس کا ہر حصہ ایک بنے ہوئے پردے میں لپٹا ہوا ہے جو نہایت ہی عجیب و لطیف طور بنایا گیا ہے اور اوپر کا چھلکا ان سب کو سمیٹے ہوتے ہیں۔

اس صناعی میں حکمت یہ رکھی گئی ہے کہ انار کا مغز صرف دانہ ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے کہ صرف دانے ایک دوسرے کو بڑھا نہیں سکتے تھے۔ لہذا یہ جھلی (شحم) اس کے اندر قایم کی گئی کہ اس کو غذا رسانی کیا کرے۔ تم دیکھتے نہیں کہ ان دونوں کی جڑیں اس شحم میں کیسی جڑی ہوئی ہیں۔ پھر ان پر یہ پردے اس لئے قائم کئے گئے کہ ان کو سمیٹے اور پکڑے رہیں۔ متحرک ہونے نہ پائیں اور ان سب کے اوپر ایک مستحکم چھلکا اوڑھا دیا گیا تاکہ آفتوں سے ان کو بچائے رکھے۔

یہ تو انار کی بہت سی صفتوں میں سے تھوڑی سی صفت ہے اس میں اور بھی بہت سی باتیں ہیں جنہیں وہ شخص بیان کر سکتا ہے جسے طول کلام مقصود ہو لیکن میں نے جس قدر تم سے بیان کر دیا اتنا ہی دلیل اور عبرت حاصل کرنے کے لئے کافی ہے۔

مفضل! اس کمزور یقطین (ہر بیلدار درخت جس میں تنہ نہ ہو) کو دیکھو کہ ایسے ایسے بڑے بڑے کدو، ککڑیاں۔ خربزے کا متحمل رہتا ہے اور اس میں کیا کیا حکمتیں اور تدبیریں ہیں از بسکہ اس کے لئے یہ مقدر کیا گیا تھا کہ ایسے بڑے بڑے کا متحمل ہوگا تو اس کا درخت بھی زمین پر پھیلا ہوا بنایا گیا۔ اور اگر سیدھا درخت ہوتا جیسے زراعت اور اشجار ہوتے ہیں تو یہ ان پھلوں کا متحمل نہ ہو سکتا۔ اور قبل پختہ ہونے اور ان کے حد تک پہنچنے ہی کے ٹوٹ پڑتا تو دیکھو کہ کس طرح زمین پر پھیلتا ہے تاکہ اس بوجھ اپنے پھلوں کو رکھے اور اس کی طرف سے زمین ہی ان پھلوں کی متحمل رہے تم دیکھتے ہو گے کہ کدو اور خربزے کی جڑیں زمین پر بچھی ہوئی ہیں اور ان کے پھل زمین پر اس کے گرد پھیلے ہوئے ہیں۔ جیسے کوئی بلی ہے کہ لیٹی ہوئی ہے اور اس کے پھلوں میں اس کے بچے ہیں۔ جو دودھ پی رہے ہیں (یہی بعینہ مثال کدو کے بیل اور اس کے پھلوں کی ہے)

غور کرو کہ یہ تمام قسم کی بیلیں انہیں فصلوں میں پیدا ہوتی ہیں جو ان کے لئے مناسب ہے مثلاً سخت گرمی اور حرارت کے اشتعال کے وقت تو کس طرح سے لوگ

ان کو نہایت شوق اور خوشی کے ساتھ لیتے ہیں۔ اور اگر جاڑوں میں پیدا ہوا کرتے تو انسانوں کو اُن سے نفرت ہوتی۔ اور انہیں دیکھتے ہی ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ علاوہ اس کے ان سے جاڑوں میں بدنوں کے اندر بیماریاں پیدا ہو جاتیں۔

دیکھو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جاڑوں میں ککڑیاں تیار ہو جاتی ہیں تو لوگ اُس کے کھانے سے بچتے ہیں۔ البتہ وہ حریص آدمی جسے اپنے نقصان اور خرابی کی پروا نہیں ہوتی ضرور کھالیتا ہوگا۔

مفضل! کھجور کے درختوں کو خیال کرو۔ چوں کہ ان میں ایسے مادہ درخت ہوتے ہیں جنہیں حمل رکھانے کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اُن کے واسطے نر بھی پیدا کئے گئے جو بغیر باغبانی اور بونے کے حمل قائم کرسکیں۔ تو ان میں سے جو درخت نر ہیں وہ حیوانات کے نروں کے مانند ہیں کہ دوسروں میں حمل قائم کرتے ہیں خود حامل نہیں ہوتے (درخت خرما کی دو قسمیں ہیں نر۔ اور مادہ۔ جب تک نر کے پھول مادہ پر نہیں ڈالے جاتے تب تک مادہ میں اچھے پھل نہیں لگتے اسی کا نام تدبیر ہے اسی کو تلقیح بھی کہتے ہیں چونکہ اس بات کی شناخت ہندوستانیوں کو نہیں ہے اور نہ وہ مادہ خرما کو مدبّر کرنا جانتے ہیں اسی سبب سے جو کھجور کے درخت ہندوستان میں ہیں ان میں اچھے پھل نہیں لگتے)۔

تنہ درخت خرما کی ساخت کو غور سے دیکھو کہ کیسا بنا ہے۔ تم اسے ایسا پاؤ گے کہ تانے بانے کے ساتھ بنا ہوا ہے حالانکہ اس میں لمبے لمبے تاگے نہیں ہیں۔ پھر ایسا بنایا گیا جیسے ہاتھ سے کپڑے بنے جاتے ہیں، یہ اس لئے ہے تاکہ سخت اور مضبوط رہیں اور نخل ہو جانے کے بعد بھاری بھاری خوشوں کے اٹھانے اور تند ہواؤں کے چلنے اور تحریک کی وجہ سے ٹوٹ نہ جائیں، اور پودے تنہ دار درخت ہو جانے کے بعد چھتوں اور پلوں وغیرہ کے کام آسکیں۔ جو ان سے بنائے جاتے ہیں تم اس کے اندر دیکھو گے کہ جیسے تانے بانے کے اجزا ایک دوسرے سے متداخل ہوتے ہیں اسی طرح طولاً اور عرضاً اس کے اجزا بھی متداخل ہیں اور پھر اس میں اس قسم کا استحکام ہے کہ آلات بنانے کے کام میں آتا ہے اگر اس میں پتھر کی سی سختی ہوتی تو چھتوں وغیرہ میں جہاں لکڑیاں صرف کی جاتی ہیں مثلاً دروازے جالیاں تخت وتابوت۔ صندوق وغیرہ کام نہ آسکتے۔

لکڑی میں ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ وہ پانی پر تیرتی ہے اور ہر شخص اس بات کو جانتا ہے مگر اس کی جلالت قدر کو نہیں سمجھتا (کہ اس سے کتنے فائدے اس کو پہنچتے ہیں) اگر یہ صفت اس میں نہ ہوتی تو کشتیاں اس سے کیونکر بن سکتیں جو پہاڑ کے سے بوجھ اٹھاتے ہیں اور انسان کو یہ آسانی اور قلت مشقت ایک شہر سے دوسرے شہر میں تجارتی اسباب کے لے جانے کے لئے کہاں سے

حاصل ہوتی اور کیسی دشواری ان کو اشیائے تجارت کی باربرداری میں ہوتی یہاں تک کہ بہت سی چیزیں کسی کسی شہر میں بالکل مفقود ہو جاتیں یا یہ کہ بہت مشکل سے دستیاب ہو سکتیں۔

ان جڑی بوٹیوں کو غور کرو اور یہ کہ ان میں سے ہر ایک کو کیا کیا خاصیتیں دی گئی ہیں اور کیا کیا کام بعض بعض دواؤں میں کرتی ہیں۔ یہ بوٹیاں جوڑوں کے اندر راہ تر جاتی ہیں اور ان میں سے غلیظ اور خراب مادوں کو نکالتی ہیں۔ جیسے کہ شاہترہ ہے اور بعض مرہ سودا کو دفع کرتی ہیں جیسے افیتمون۔ بعض ریاح کو تحلیل کرتی ہیں جیسے سکنجبین بعض ورم کو تحلیل کرتی ہیں جیسے عنب الثعلب (علیٰ ہذا القیاس اور جو ان کے تاثیرات وافعال ہیں۔

کس نے ان میں یہ قوتیں قرار دیں اسی نے نا، جس نے ان کو فائدہ کے لئے پیدا کیا ہے اور کس نے آدمیوں کو ان کے سمجھنے کی قوت دی اس نے نہ جس نے ان دواؤں میں یہ خاصیتیں رکھیں بھلا بالفرض اور بخت واتفاق سے کیونکر یہ باتیں معلوم ہو سکتی تھیں جیسا کہ قائلین بخت واتفاق (دہریے) کہتے ہیں۔

اچھا اسے مان لو کہ انسان ان چیزوں کو اپنے ذہن و ذکاوت فکر و تجربہ سے سمجھ گیا لیکن حیوانات انہیں کیونکر سمجھے (حالانکہ ان میں انسان کا سا فہم و ذکا نہیں ہے) یہاں تک کہ بعض درندے جب زخمی ہو جاتے ہیں تو اپنا علاج بعض بعض جڑی

بوٹیوں سے کر لیتے اور تندرست ہو جاتے ہیں۔ اور بعض پرندے جب اُنہیں قبض ہوتا ہے تو دریا کے پانی سے حقنہ لیتے ہیں اور صحیح وسالم بن جاتے ہیں۔ ایسی ہی اور بہت ہی چیزیں ہیں۔

شاید تم کو یہ شک ہوتا ہو کہ صحراؤں اور میدانوں میں جو نباتات اوگتے ہیں جہاں نہ کوئی آدمی نہ آدم زاد ان کا کیا فائدہ ہے بالکل فضول وبیکار ہیں! حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ انہیں وحشیوں کی خوراک ہے اور اُن کے دانے پرندوں کی غذائیں ہیں اور اُن کی لکڑیاں اور شاخیں ایندھن کے کام آتی ہیں۔ لوگ انہیں استعمال کرتے ہیں۔

اس میں اور بھی کئی باتیں ہیں ۱؎ یہ کہ ان سے بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے ۲؎ ان سے کھال کو دباغت (صاف کرنا) دی جاتی ہے ۳؎ ان سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اور بھی ان کے مصالح ہیں۔

تمھیں معلوم نہیں کہ تمام نباتات سے زیادہ ذلیل وحقیر خیر بیکہ بردی[۱] وغیرہ ہے ان میں بھی کئی کئی قسم کے فوائد ہیں ۱؎ ان سے کاغذ بنائے جاتے ہیں جن کی ضرورت بادشاہوں اور رعایا تک کو ہوتی ہے ۲؎ انہیں سے چٹائیاں بنائی جاتی ہیں جنہیں تمام قسم کے لوگ استعمال کرتے ہیں ۳؎ انہیں کے ڈھکنے بنائے جاتے ہیں جن سے ظروف کو ڈھکتے ہیں ۴؎ انہیں کو

---

[۱] بردی۔ ایک قسم کی نبات ہے جو عراق میں پیدا ہوتی ہے۔

شیشے وغیرہ کے ظروف کے اندر جو صندوقوں میں رکھے جاتے ہیں بھردیتے ہیں
تاکہ عیب دار نہ ہوں، ٹوٹیں نہیں۔ ایسے ہی اور بھی فوائد ہیں۔

پس عبرت حاصل کرو اِن قسم قسم کے اغراض و فوائد سے جنہیں تم
چھوٹے سے جسم اور بڑے جسموں میں دیکھتے ہو اور نیز اُن چیزوں سے جن کی
کوئی قدر و قیمت نہیں اور جن کی قدر و قیمت ہے۔ ان سب میں زیادہ
بیقدر سرگین و براز ہے جس کے اندر خساست اور نجاست دونوں ہی
جمع ہیں اور پھر اُن کی فوائد پر غور کرو جو ان سے زراعتوں۔ بقولات اور
سبزیوں کو پہنچتے ہیں۔ اور یہ ایسے فائدے ہیں جن کے برابر کوئی فائدہ ہو ہی
نہیں سکتا۔ یہاں تک تو ہے کہ کوئی ترکاری اچھی اور بہتر ہوتی ہی نہیں
جب تک کھاد نہ ڈالی جائے۔ جسے لوگ گندی چیز سمجھتے ہیں اور اُس کے
پاس بھی جانے سے نفرت کرتے ہیں۔

یہ بھی جان لو کہ کسی شے کی قدر محض اُس کی قیمت ہی سے نہیں ہوتی۔
بلکہ یہ دونوں باتیں دو بازاروں کے لحاظ سے الگ الگ اس کی دو قیمتیں
ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کسب معاش کے بازار میں بیقدر ہوتی ہے
اور وہی علم کے بازار میں نفیس سمجھی جاتی ہے (ایک علمی کتاب کا ورق کوئی
بڑھئی کیا جان سکتا ہے کہ اس کی قیمت کیا ہے لیکن ایک عالم جان سکتا ہے کہ
اس کی برابر دنیا میں کوئی چیز نہیں سلطنت بھی اس کی قیمت کے لئے کافی

نہیں)۔

ایسا ہونے پائے کہ تم کسی چیز کو اُس کی قیمت کے کم ہونے کی وجہ سے بے قدر سمجھو (کیوں کہ ہر چیز کا سودا الگ، بازار الگ، خریدار الگ ہیں) دیکھو اگر کیمیا گروں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ انسان کے گوہ میں کیا خاصیت ہے تو اُسے بہت ہی گراں قیمتوں خریدنے لگیں اور اُس کے دام بڑھا دیں (واقعی یہ بات ہے کہ علم کیمیا میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اکثر نسخے اُس کے بغیر انسانی براز کی مدد کے تیار نہیں ہو سکتے)۔

مفضل کہتے ہیں کہ اتنے میں زوال کا وقت آ گیا۔ مولا نماز کے لئے اُٹھے مجھ کو فرمایا تم کل صبح کو میرے پاس انشاءاللہ آنا۔ میں وہاں سے بہت ہی خوش خوش واپس آیا کہ کیا کیا باتیں حضرت نے مجھ کو بتائیں۔ اور عطا فرمائیں۔ اور خدا کا شکر یہ ادا کر رہا تھا کہ کیا کچھ نہیں اُس نے مجھ کو (حضرت کے ذریعہ سے) مرحمت فرمایا۔ اور یہ شب نہایت سرور کے ساتھ بسر کی۔

چوتھا جلسہ

آپ نے پہلے یہ حمد و نعت فرمائی۔ منا التحمید والتسبیح و التعظیم والتقدیس للاسم الاقدس والنور الاعظم العلی العلام ذی الجلال والاکرام و منشئ الانام و مفنی العوالم والله هو و صاحب السر المستور والغیب المحظور والاسم المخزون والعلم المکنون و صلاته و برکاته علی مبلغ وحیه و مودی رسالته الذی ابتعثه بشیرا و نذیرا و داعیاً الی الله باذنه و سراجا منیرا لیهلک من هلک عن بینه و یحیی من حی عن بینه فعلیه و علی آله من بارئه الصلوات الطیبات والتحیات الزاکیات النامیات و علیه و علیهم السلام والرحمته والبرکات فی الماضین و الغابرین ابد الآبدین و دهر الداهرین و هم اهله و مستحقه (پھر فرمایا)۔

مفضل! میں نے تم سے خلقت کی دلیلیں اور شواہد درستی تدبیر و ارادہ کی بابت (یعنی ہر چیز اپنے موقع سے نہایت درست پیدا کی گئی۔

اور بالقصد و ارادہ خلق ہوتی ہے نہ آپ سے آپ) جو انسان۔ حیوان۔ نباتات اور درخت وغیرہ میں ہے ایسی مفصل بیان کردی ہیں کہ عبرت حاصل کرنے والوں کے واسطے عبرت ہوسکے۔

اب میں تم سے ان آفات و حوادث کا مفصل ذکر کرتا ہوں، جو بعض اوقات واقع ہوتے ہیں) اور جنہیں ان جاہل لوگوں نے انکار خلق و خالق و عمد و تدبیر کا ذریعہ بنایا ہے۔ (یعنی کہتے ہیں اگر کوئی خالق ہے جس نے عالم کو خلق کیا ہے اور اس کی تدبیر اور بالقصد بنانے سے یہ عالم پیدا ہوا ہے تو کیوں اس کی مخلوقات پر وقتاً فوقتاً آفتیں اور مصیبتیں آتی رہتی ہیں وہ کیوں نہیں انہیں روکتا؟)۔

اُن مکارہ و مصائب کو بھی مفصل بیان کروں گا جنہیں معطلہ اور مانویہ فرقے نے بالکل نہیں مانا ہے۔ اور موت و فنا کا بھی ذکر کروں گا جسے اس فرقے نے ناپسند بات کہی ہے۔ اور جو کچھ اصحاب طبایع (اطباء قدیم دہریین) نے کہا ہے اور جن لوگوں نے یہ کہہ دیا ہے کہ اشیائے عالم عرض و اتفاق (یعنی بے بنائے) سے پیدا ہوگئی ہیں۔ تاکہ ان کے کلام کے رد کرنے کے لئے یہ بیان کافی ہوسکے۔ خدا انھیں قتل کرے کہاں بہکے چلے جاتے ہیں۔ چند جاہل آدمیوں نے ان حوادث کو جو بعض اوقات واقع ہوتے ہیں مثلاً وبا۔ یرقان (یا زرد بخار یا) (درختوں میں جو زردہ لگ جاتا ہے)

اولے باری۔ ٹڈیاں۔ خلق وخالق وتدبیر کے انکار کا ذریعہ قایم کرلیا ہے۔ (کہتے ہیں کسی نے ان کو پیدا ہی نہیں کیا کوئی ان کا خالق نہیں۔ کوئی حکمت صرف نہیں کی گئی)۔

اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ اگر کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے کوئی مدبر عالم نہیں ہے تو اس سے اور زیادہ سخت حادثے کیوں نہیں واقع ہوتے۔ مثلاً آسمان ہی زمین پر گر پڑے۔ زمین ہی دھنس جائے۔ آفتاب طلوع ہی نہ کرے۔ نہریں بالکل سوکھ جائیں کہ ہونٹ تر کرنے کے لئے پانی ہی دستیاب نہ ہو سکے۔ ہوا ساکن ہو جائے یہاں تک کہ تمام چیزیں فاسد و برباد ہو جائیں۔ سمندروں کا پانی زمین پر بہہ کر اسے غرق ہی کر دے (ایسا کیوں نہیں ہوتا کس نے روکا ہے۔ کون اس پردے میں ہے جس کی تدبیر چل رہی ہے جب تم یہ کہتے ہو کہ اگر کوئی مدبر و خالق ہوتا تو اس قدر ٹڈیاں نہ آتیں اور ہمارا ایسا نقصان نہ ہوتا مانی وبا نہ پھیلتی جس میں ہماری لاکھوں جانوں کا نقصان ہوتا ہے۔ اولے نہ پڑتے جس سے ہمارے غلے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ اگر واقعی یہ بات صحیح ہے تو آسمان ہی کیوں نہیں ایک بارگی پھٹ پڑتا جس سے تمام عالم فنا ہو جاتے۔ سمندر ہی ایک مرتبہ کیوں نہیں ابل آتا جس سے تمام زمین تہ آب ہو جائے۔ ہوا ہی کیوں نہیں ساکن ہو جاتی جس سے دم کے دم میں تمام عالم کے زندہ مر جائیں۔

ایسا کیوں نہیں ہوتا؟ معلوم ہوا کہ نہیں۔ کوئی نہ کوئی اس کا مدبّر مصلح موجود ہے، جو ایسا ہونے نہیں دیتا جس سے یہ مقصود ہے کہ تمام عالم فنا نہ ہو جائے نسل منقطع نہ ہو۔ واقعی تباہی نہ پڑے۔ بلکہ صرف تنبیہہ و تہدید و تخویف کی غرض سے یا خود ان کے اعمال کے نتائج سے کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے۔ کہ وبا پھیلتی ہے ٹڈیاں آکر باغوں اور زراعتوں کو کھا لیتی ہیں۔ اولے پڑ جاتے ہیں وغیرہ۔ اس سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ عالم کا کوئی مدبّر ہی نہیں ہے)۔

پھر میں یہ پوچھتا ہوں کہ اچھا یہ وبا اور ٹڈیاں ہمیشہ کیوں نہیں رہتیں کہ تمام عالم ہی فنا ہو جاتا۔ بلکہ کبھی کبھی آجاتی ہیں۔ پھر ٹھہرتی نہیں بلکہ چلی جاتی ہیں۔ (اگر کوئی مدبّر عالم اور اس کا خالق نہیں ہے جو یہ چاہتا ہے کہ تمام جہان تباہ و برباد نہ ہو تو کون ان ٹڈیوں کو ہمیشہ زراعتوں پر ٹوٹ پڑنے سے روکتا ہے۔ آخر ہر سال ہر فصل میں یہ ٹڈیاں کیوں نہیں آتیں)۔

تم دیکھتے نہیں کہ ان تمام آفات و حوادث عظیمہ سے عالم کی حفاظت کی جاتی ہے (آسمان نہیں پھٹ پڑتا۔ زمین نہیں دھنس جاتی، سمندر نہیں اوبل آتے وغیرہ وغیرہ) کہ اگر ان میں سے کوئی بھی اس جہان میں واقع ہو تو جہان بالکل ہی نیست و نابود ہو جائے۔ لیکن بعض بعض اوقات تھوڑی تھوڑی سی یہ آفتیں آجاتی ہیں وہ بھی صرف آدمیوں کی تادیب و اصلاح کی غرض سے پھر یہ نہیں ہوتا کہ قائم رہیں۔ بلکہ جس وقت انہیں اپنے بچاؤ سے یاس ہو جاتی ہے

اُسی وقت یہ بلائیں ان سے دفع ہوجاتی ہیں۔ لہذا ان مصائب کا واقع ہونا ان کے لئے موعظہ ہے اُن کا دفع ہو جانا اُن کے لئے رحمت ہے۔

جس طرح مانویہ[1] نے ان مصایب و مکارہ کو ناپسندیدہ امر سمجھا ہے جو آدمیوں پر واقع ہوتے ہیں اسی طرح معطلہ نے بھی ان مصائب کی حقیقت کو نہیں پہچانا اور انہیں فضول بتایا ہے۔ دونوں یہی کہتے ہیں کہ اگر عالم کا کوئی خالق۔ رؤف۔ رحیم ہوتا۔ تو اس میں یہ ناپسندیدہ اُمور واقع ہی نہ ہوتے۔ اس کلام کا قایل اسے اس طرف لے جاتا ہے کہ مُناسب یہ تھا کہ انسان کی زندگی اس دنیا میں بے کھٹکے بے غم و رنج ہوتی"۔

حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو انسان خود پسندی و سرکشی سے ایسی حالت میں ہوجاتا کہ وہ حالت نہ تو اُس کے دین و مذہب کے لئے مناسب ہوتی اور نہ اُس کی دنیا کے لئے۔ جیسا کہ تم اکثر نازپروردہ اور آسایش دامن میں نشوونما پائے ہوئے لوگوں کو دیکھتے ہو کہ ان کی کیا حالت ہوجاتی ہے یہاں تک کہ بعضے تو (ایسے بدہوش اور سرکش ہوجاتے ہیں کہ) اپنا آدمی ہونا ہی بھول جاتے ہیں اور یہ کہ وہ کسی کے پالے ہوئے ہیں بھی یا نہیں۔ (بلکہ غایت نخوت سے اپنے تئیں

---

[1] مانویہ۔ مجوسیوں کا وہ فرقہ ہے جو حکیم مانی کا تابع ہے جو اپنے زمانہ میں اعلیٰ درجہ کا مصور و نقاش تھا۔ ۱۲۔

واجب التعظیم سمجھنے لگتے ہیں۔ جیسے تم نے اکثر بد مغز امراؤ روسا کو دیکھا ہوگا بلکہ بعض تو اپنے تئیں خدا ہی جاننے لگتے ہیں۔ کیا تمھیں اس کی مثالیں یاد نہیں ؟) اور اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ آئندہ ان کو کوئی ضرر و رنج پہنچ سکتا ہے یا نہیں۔ یا کوئی بلا ان پر نازل ہوگی یا نہیں۔ اور یہ کہ انہیں کسی ضعیف پر رحم کرنا ضروری ہے یا نہیں یا کسی فقیر کی غمخواری لازم ہے یا نہیں ان کو کسی مبتلائے مصیبت پر غمگین ہونا کسی ضعیف پر مہربانی کرنی کسی گذیدہ پر عطوفت کرنی ہی یاد نہیں رہتی۔ لیکن جب کوئی مصیبت اُن پر پڑتی ہے اور اُس کی تکلیف اُنہیں محسوس ہوتی ہے تب نصیحت پکڑتے ہیں اور جس قدر ناواقف یا غافل تھے اُس سے بہت زیادہ ہوشیار ہوجاتے ہیں اور بہت سی ایسی باتیں کرنے لگتے ہیں جن کا کرنا اُن کے لئے (پہلے ہی سے) ضروری تھا۔ (اگر ان پر یہ مصائب نہ ڈالے جاتے تو یوں ہی یہ خدا بنے رہتے۔ نخوت میں عمر بسر کرتے کسی پر رحم نہ کھاتے کسی کی غمخواری نہ کرتے تو کیا یہ بات ان کے دین یا دنیا کے لئے مناسب ہوتی ہرگز نہیں بلکہ دین کے ساتھ دنیاوی خرابیاں بھی واقع ہوتیں کہ آخر لوگ انسے نفرت کرنے لگتے اور درپے آزار ہوتے۔ اور نیز ایسے ایسے خود پسند آدمیوں کے وجود سے صناعت تجارت۔ علم۔ عمل۔ معاملات وغیرہ سب میں خلل پڑتا۔ لنظام عالم ہی دگرگوں ہوجاتا۔)

جو لوگ ان باتوں کا انکار کرتے ہیں۔ لغو سمجھتے ہیں۔ ان کی مثال

(صاف) اُن بچوں کی سی ہے جو کڑوے اور بدمزہ دواؤں کی مذمت کرتے اور نقصان رساں غذاؤں کے روکے جانے سے خفا ہوتے ہیں۔ ادب اور کام کرنے کو ناپسند کرتے ہیں۔ صرف یہ اچھا جانتے ہیں کہ چھوٹے کھیلا کریں لغویات میں پڑے رہیں۔ ہر قسم کی کھانے پینے کی چیزیں استعمال کریں مگر وہ نہیں جانتے کہ یہ بیہودگی اور بیکاری نشوونما میں اخلاق و عادات میں کیا خرابی پیدا کرے گی اور یہ لذیذ مگر نقصان رساں کھانے انہیں کن کن بیماریوں اور دکھوں میں مبتلا کریں گے علم سیکھنے میں اُن کے لئے کیا بہبودی ہے دواؤں میں اُن کے لئے کیا کیا فوایدہیں اگرچہ تھوڑی سی بدمزگی طبیعت بھی اُس میں ملی ہوئی سہی۔

اگر وہ (دہریہ) یہ کہیں کہ پھر انسان گناہوں سے معصوم ہی کیوں نہ رکھا گیا کہ خدائے تعالیٰ کو اس بات کی ضرورت ہی نہ ہوتی کہ وہ اُن کو ان مصائب سے تنبیہ کرے تو اُن سے یہ کہا جائے گا (یعنی یہ جواب دیا جائے گا) کہ ایسی صورت میں نہ تو انسان نیکی کرنے پر قابل تعریف ہوتا اور اس پر ثواب کا مستحق ہوتا کیوں کہ آدمی قابل تعریف اور مستحق ثواب تو جب ہی ہوتا ہے کہ باوجود گناہوں پر قادر ہونے اور اس کے اسباب مہیا ہونے کے صرف پروردگار کی خوشی اور رضامندی کے لئے اُن گناہوں سے باز رہتا ہے اگر اُس میں گناہ کا مادہ ہی نہ ہوتا اور پھر وہ گناہ نہ کرتا تو اس کی تعریف ہی کیا تھی)۔

پھر اگر وہ یہ کہیں کہ اس کا انتہائی لذت و آسائش پر پہنچنے کے بعد نقصان ہی کیا ہوتا جو نیکی کرنے سے قابل تعریف نہ ٹھہرتا اور ثواب کا مستحق نہ ہوتا۔ تو انہیں یہ جواب دیا جائے گا کہ (اس بات کو) کسی صحیح العقل اور صحیح الجسم آدمی کے سامنے پیش کرو کہ وہ آرام سے بیٹھا رہے اور تمام اس کی ضروریات بے کوشش و استحقاق کے اس کو ملتی رہیں تو دیکھو کہ آیا اس کا دل قبول کرتا ہے یا نہیں (وہ ہرگز قبول نہ کرے گا) بلکہ تم اسے ایسا پاؤ گے کہ تھوڑی سی چیز جو اس کو حرکت و کوشش سے ملے گی اس کے لئے زیادہ باعث خوشی و سرور ہو گی بہ نسبت اس بہت سی شئے کے جو بے کوشش و استحقاق اس کے ہاتھ آجاوے۔

علیٰ ہذا القیاس آخرت کی نعمتیں بھی ان لوگوں کے نزدیک اسی وقت کامل ہوں گی جب کہ انہیں کوشش و استحقاق کے بعد پائیں۔

تو انسان کو اس بارے میں دو قسم کی نعمت دی گئی ہے۔ یہ کہ اس دنیا میں اس کی کوشش کرنے پر بہت سا ثواب مہیا کیا گیا ہے مثلاً یہ کہ اس کو یہ راہ بتادی گئی ہے کہ اسے کوشش و استحقاق سے حاصل کرے تاکہ اس کوشش کے بعد جو چیز اس کو ملے اس سے اس کو پوری خوشی اور سرور حاصل ہو (یہ ایک قدرتی بات ہے کہ آدمی جو کسی چیز کو بے کوشش یا بے استحقاق پاتا ہے اس کی بالکل قدر اس کو نہیں ہوتی۔ بہ خلاف اس کے کہ کوشش اور

استحقاق کے بعد اُس کو حاصل ہو تو اُس کی بڑی قدر ہوتی ہے اور خدائے تعالیٰ کی نعمتیں جو اس کو اب گناہوں سے اپنے تئیں باز رکھنے اور نفس پر جبر کرنے کی وجہ سے ملیں گی وہ اُس کے نزدیک زیادہ قابل وقعت ہوں گی بہ نسبت اس کے کہ اس کو اپنے نفس کو روکنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی خود بخود ہی ایسا ہوتا کہ کسی ناجائز چیز کی طرف رغبت نہ کرتا پھر اُسے خدائے تعالیٰ کی نعمتیں آخرت میں دی جائیں تو اُسے کچھ قدر نہ ہوتی۔ اور اب جو جزا و ثواب پائے گا چونکہ اُس نے بڑی کوشش اور استحقاق کے بعد پایا ہے زیادہ قابل وقعت سمجھے گا) پھر اگر وہ یہ کہیں۔ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ بعض آدمی (بفرض عدم عصمت) بے استحقاق بھی کسی اچھی چیز کے پا جانے پر خوش ہو جاتے ہیں۔ تو اُن لوگوں پر کیا حجت ہو گی جو اسی طرح (بے سعی و کوشش ہی) نعیم آخرت کے پا جانے پر خوش اور راضی ہوں تو انہیں یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ ایسا مضمون ہے کہ اگر لوگوں کو (بغیر عدم عصمت) اسی بات کا یقین ہو جائے کہ ہمیں بے مشقت (بے عبادت وطاعت) ہی نعیم آخرت مل جائے گی تو نہایت شرارت اور خرگرفتگی کے ساتھ فواحش و محرمات کرنے لگتے۔ پھر کون ایسا ہوتا جو اپنے نفس کو فواحش سے روکتا یا امور خیر میں سے کسی امر خیر کے لئے مشقت اُٹھاتا۔ جب کہ اُسے یہ معلوم ہو جاتا کہ میں تو لامحالہ نعیم آخرت پاؤں گا (خواہ نیکی کروں یا نہ کروں خواہ بدی کروں یا نہ کروں) یا کسے اپنی جان۔ اپنے مال اپنے عیال پر اطمینان ہو سکتا کہ لوگ انہیں

نقصان نہ پہنچائیں گے جب کہ ان کو حساب و عقاب کا خوف ہی نہ ہوتا ظاہر ہے
کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو جاتا کہ ہم چاہے برائی کریں یا بھلائی جنت ضرور
پائیں گے تو انہیں کسی کے مال و عیال و جان کے نقصان پہنچانے میں کیا باک ہوتا۔
اور پھر کسی ایک کو دوسرے سے اطمینان ہی کب ہو سکتا تھا کہ یہ ہمیں نہ ستائے گا) تو
اس کا ضرر اسی دنیا میں قبل آخرت کے تمام لوگوں کو پہنچ جاتا دیکھئے تو سہی کتنی بڑی
یہ تکلیف ہے کہ آدمی کسی وقت مطمئن بیٹھ ہی نہیں سکتا اس سے بڑھ کر کیا ضرر
ہو سکتا اور اس سے زیادہ کس چیز سے نظام عالم میں خلل پڑ سکتا۔

پھر تو اس میں عدل و حکمت دونوں ایک ساتھ ہی معطل ہو جاتے (اس لئے جو
کہ برائی کرے وہ بھی نعیم آخرت پائے جو اچھائی کرے وہ بھی تو انصاف کہاں رہا)
اور اس بے قاعدگی اور خلاف حکمت و صواب اور بے محل کام کی تدبیر پر طعن
کرنے کا موقع خدا کہنے والا کر سکتا لو صاحب کیا اچھی آپ کی خدا سنی ہے کہ ظالم
و مظلوم عاصی و مطیع جو کچھ تھا جو سب ایک لاٹھی ہانکے گئے سب کو نعیم آخرت
سے مستفیض کیا گیا اچھی تدبیر نکالی۔ لہٰذا انسان ایسا پیدا کیا گیا کہ اس میں قوت
گناہ کرنے اور اس سے باز رہنے عبادت کرنے اور اس سے باز رہنے کی ہو اور
پھر عقل اور رسول کے ذریعہ سے ہر چیز کی بھلائی برائی بھی بتادی گئی تاکہ اب
جو باوجود قوت معصیت کے یا باوجود قوت ترک عبادت کے محض معصیت کو
فعل بد اور عبادت کو فعل نیک۔ اور باعث خوشنودی خدائے تعالیٰ سمجھ کر عمل

کرے گا تو ثواب ہوگا اور اگر نہ کرے گا تو عذاب کا سزاوار ہے گا۔ یہ دونوں ہی قسم کے کام اُس کے اختیار اور عقل پہ چھوڑے گئے ہیں تاکہ سزا یا جزا جس کے مطابق کام کرے اُس کا فائدہ یا نقصان اس کے ذاتی فعل کا نتیجہ ٹھہرے)۔

یہ (دہریہ) اُن مصائب و تکالیف سے بھی بحث کرتے ہیں جو (کبھی) عام طور پر واقع ہوتی ہیں نیک و بد سب اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں یا نیک ہی آدمی مبتلا ہوتا ہے اور بدکار بچ جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ حکیم کی تدبیر نے اس بات کو کیوں کر جائز کیا (جیسا کہ تم کہتے ہو کہ عالم کو کسی مدبر حکیم نے پیدا کیا ہے) اور اس میں دلیل و حجت کیا ہے؟ تو ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ مصائب اگرچہ نیک و بد سب پر پڑ جاتے ہیں۔ اگر اس میں معبود حقیقی نے دونوں قسم کے آدمیوں کی بہتری قرار دی ہے نیکوں کو جو مصائب و تکالیف پہنچتے ہیں تو اُن کو وہ نعمتیں پھر مل جاتی ہیں جو اُس سے پہلے اُن کے پاس تھیں تو ان کے صبر و شکر کا باعث ہوتی ہے۔ رہے بدکار لوگ تو جب ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اُن کے طغیان و سرکشی کو توڑ دیتی ہے اور معصیتوں اور فواحش سے اُن کو باز رکھتی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس ان دونوں قسموں کے آدمیوں کے لئے جو مصایب سے بچ رہتے ہیں ان کے لئے بھی اس میں (برابر) صلاح و بہبودی قرار دی ہے۔

ابرار کے لیے تو اس وجہ سے کہ وہ جس حالت نیکی و صلاح میں

ہیں اُس پر خوش ہوتے ہیں اور زیادہ اُن کو رغبت اور بصیرت پیدا ہو جاتی ہے (جب وہ دیکھتے ہیں کہ ہم کو اللہ نے اسس بلا سے محفوظ رکھا)۔

اور فجار کے لئے اس وجہ سے کہ وہ اپنے پروردگار کی مہربانی اور اور بخشش کو سمجھتے ہیں کہ بلا استحقاق ان کو اس بلا سے اُس نے محفوظ رکھا اس سے ان لوگوں کے ساتھ مہربانی کرنے اور جس نے اُن سے کوئی برائی کی ہے اُس سے درگذر کرنے پر آمادگی ہوتی ہے۔

شاید کوئی معترض یہ کہے کہ اس قسم کی بلائیں تو ان کے اموال پر واقع ہوتی ہیں لیکن پھر اُن کے اجسام پر کیوں مصیبتیں ڈالی جاتی ہیں، جن سے وہ تلف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کبھی جل جاتے ہیں۔ کبھی ڈوب جاتے ہیں۔ کبھی رَو میں بہہ جاتے ہیں۔ کبھی زمین میں دھنس جاتے ہیں۔ تو ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ اس میں بھی خدائے تعالےٰ نے دونوں قسم (نیک و بد) کے آدمیوں کے لئے بہتری قرار دی ہے۔

نیکوں کے لئے تو اس سبب سے کہ وہ اس دُنیا کو چھوڑ کر اس کے مکروہات اور تکلیفات سے نجات پا جاتے ہیں۔

اور فجار کے لئے اس سبب سے کہ اُن کے بارِ گناہ کم ہوتے ہیں اور وہ اور زیادہ گناہ کرنے سے بچ جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خالق تعالےٰ

اپنی حکمت و قدرت سے ان تمام امور کو خیر و منفعت ہی کی طرف پھیرتا ہے۔ جیسا کہ ہوا جب کسی درخت کو توڑ دیتی ہے تو ایک اچھا کاریگر اسے مختلف طرح کے منافع میں صرف کر لیتا ہے۔ اسی طرح مدبر حکیم ان مصایب کو جو آدمیوں کے مال اور اجسام پر واقع ہوتے ہیں تمام انہیں کے فوایدو منافع کی طرف مصروف کر دیتا ہے۔

پھر اگر کوئی یہ کہے کہ اچھا آدمیوں پر یہ حوادث کیوں پڑتے ہیں تو ان سے یہ کہا جائے گا کہ اس لئے تاکہ اپنی طول سلامتی کی وجہ سے معصیت کی طرف نہ مایل ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ بدکار لوگ تو خوب ہی معصیت کرنے لگیں اور نیک آدمی نیکی کی کوشش کرنے میں سستی کریں۔ کیوں کہ یہ دونوں باتیں (فاجروں کا آرام کی وجہ سے معصیتوں میں مبتلا ہونا اور اور نیکوں کا نیکی کرنے میں سستی کرنے لگنا) ایک ساتھ ہی آدمیوں پر اس وقت غالب آجاتی ہیں جب کہ وہ خوش عیش اور آرام میں ہوتا ہے۔ اور یہ حوادث ان کو (ان دونوں باتوں سے روکتے رہتے ہیں۔ اور ایسی چیزوں پر ان کو تنبیہ کرتے ہیں جن میں ان کی بہتری ہو۔ پس اگر بالکل تکالیف سے خالی کر دیے جائیں تو حد سے زیادہ سرکشی اور معصیت کرنے لگیں۔ جیسا کہ گزشتہ زمانہ کے لوگوں نے کیا۔ یہاں تک کہ ان کو طوفان کے ذریعہ سے ہلاک کر دینا اور زمین کو ان سے پاک کر دینا ہی ضروری ہوا۔

ان منکرین عمد و تقدیر کے دل میں ایک بات بسی ہوئی ہے۔ وہ کیا؟ وہ موت و فنا ہے ان کا خیال یہ ہے کہ چاہئے تھا تمام آدمی ہمیشہ زندہ رہتے۔ کسی پر کوئی آفت و بلا نہ آتی (اُن کے خیال میں مرنا تدبیر کے خلاف ہی اس لئے کہہ دیا کہ اگر کوئی مدبر عالم (جس۔ نے اُس کی ساخت کو حکمت سے بنایا ہے) ہوتا تو کیوں آدمی مرتے"

تو اب چاہئے کہ اس امر کو انتہا تک پہنچا دیا جائے۔ اور پھر دیکھا جائے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔

تمھیں دیکھو کہ اگر تمام جہان کے آدمی ہمیشہ زندہ رہتے کوئی ان میں سے نہ مرتا تو کیا زمین اُن پر تنگی نہ کرنے لگتی جو یہاں تک کہ ان کو رہنے کے لئے مکان۔ زراعت کے لئے کھیت اور زندگی بسر کرنے کی تمام چیزیں نہ مل سکتیں اس وقت باوجودیکہ موت اُن کو فنا کر رہی ہے پھر بھی مساکن و مزروعات کی بابت لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ باہم جنگ قایم ہو جاتی ہے اور خونریزیاں ہوتی ہیں۔ تو اس وقت ان کا کیا حال ہوتا جبکہ پیدا تو ہوتے جاتے مگر کوئی نہ مرتا (تو کیا اس وقت ایک چپہ بھر زمین بھی باقی رہتی جس میں یہ لوگ مکانات بنا سکتے۔ زراعت کر سکتے۔ آخر یہ تمام آدمی کہاں رہتے۔ آج تو مر جاتے ہیں اس پر دشواریاں پیش آ رہی ہیں جب کوئی مرتا ہی نہیں تو کتنے مشکلات کا سامنا ہوتا) ؎۲ اور ان پر حرص و طمع و قساوت

قلبی غالب آجاتی (مرنے کا ڈر تو ہے ہی نہیں۔ باز پرس کا خیال ہے ہی نہیں پھر کیوں نہ حرص و طمع (قساوت غالب ہو گی) پس اگر ان کو یہ اطمینان ہو جاتا کہ اب ہم مر یں ہی گے نہیں تو کوئی شخص کسی ایک چیز کے پا لینے پر قناعت نہ کرتا (بلکہ چاہتا اور ملے اور ملے) اور نہ کسی مانگنے والے کو کوئی چیز دینی گوارا کرتا۔ اور نہ کسی حادثے اور واقعے کے پڑنے کے بعد تسلی ہوتی۔ (اب تو یہ ہے کہ چونکہ اپنے ہی مرنے کا خیال لگا ہوا ہے ۱۰۲ جو سے کسی حادثہ کا چنداں اثر نہیں ہوتا جس سے تسلی ہی نہ ہو سکے) ۳ ایسی زندگی سے اور نیز تمام امور دنیا سے تنگ آجاتے جب کہ وہ شخص جس کی عمر طولانی ہو جاتی ہے اپنی زندگی سے تنگ آ کر موت کی تمنا کرنے لگتا ہے اور دنیا سے راحت چاہتا ہے۔

پس اگر وہ یہ کہیں (یعنی دہریہ یہ کہیں) کہ (اس صورت میں) چاہیے تھا کہ خدا تعالیٰ سے تمام مکروہات اور بیماریاں اٹھا دی جاتیں تاکہ موت کی آرزو نہ کرتے اور نہ اس کے مشتاق ہوتے (اب تو صرف بوڑھاپے اور بیماریوں کی وجہ سے موت کی تمنا کرنے لگتے ہیں) تو (اس کا جواب وہی ہے) جو ہم نے بیان کر دیا کہ پھر تو وہ سرکشی اور تمردی میں پڑ جاتے جو انہیں ایسے امور پر آمادہ کرتی جس سے دین و دنیا دونوں میں خرابی پڑتی۔

اور اگر وہ (دہریہ) یہ کہیں کہ اچھا پھر ان کی نسل ہی نہ بڑھتی تاکہ مساکن و معاش کی ان کو تنگی نہ ہوتی۔ تو ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ اس صورت میں

اس قدر مخلوقات عالم میں داخل نہ ہوتے اور خدا تعالےٰ کی نعمتوں اور بخششوں سے دونوں جہان میں محروم رہ جاتے جب کہ عالم میں سوائے ایک قرن کے دوسرا داخل ہی نہ ہوتا اور نہ اُن میں توالد و تناسل ہوتا) (حالانکہ قانون انصاف بلکہ قانون اختیار و کمال ذات کے بالکل برخلاف ہے کہ صرف ایک ہی قرن کے پیدا کرنے پر پروردگار عالم اکتفا کرتا اور آیندہ نسلوں کو جن کا پیدا ہونا ممکن ہے نہ پیدا کرتا تو آیندہ نسل والے اُس کے کمال کے فیوض سے بالکل محروم رہتے (دیکھو فلسفہ ابتدائے خلق۔ یہ بڑا غامض اور پھر لطیف مسئلہ ہے)۔

پھر اگر وہ کہیں کہ جس قدر انسان آئندہ پیدا کرے گا اور کر چکا اُن سب کو ایک ہی قرن میں پیدا کر دیتا۔ (تو وہ خرابی نہ ہوتی جو آپ نے بیان فرمائی کہ اتنی مخلوقات خدا کی نعمتوں کے حاصل کرنے سے محروم رہتے)۔

تو اُن کو یہ جواب دیا جائے گا کہ پھر تو وہی پہلی بات لازم آتی جو ہم نے بیان کر دی ہے کہ اُن کے رہنے سہنے کے لئے مکانات اور بسر بود زندگی کی تنگی ہوتی (کہاں روئے زمین پر اتنی جگہ ملتی کہ اتنے بے شمار آدمی اُس میں مکان بنا سکتے زراعت کر سکتے۔ چل پھر سکتے) پھر اگر ایک ہی مرتبہ اوّل سے آخر تک کے آدمی پیدا کر دئے گئے ہوتے اور ان میں توالد و تناسل نہ ہوتا تو وہ دلچسپی جو قرابت اور قرابت مندوں سے حاصل ہوتی ہے

جاتی رہتی ۔ اور سختی و شدت کے موقع پہ مدد کن سے لی جاتی ۔ بچوں کی پرورش میں جو کیفیت و سرور حاصل ہوتا ہے وہ کہاں سے ملتا (اور اگر توالد و تناسل نہ ہوتا تو آخر یہ آیندہ نسل کس سرزمین پر جا کر آباد ہوتی ۔ جب کہ پہلوں ہی کے لئے یہ زمین کفایت نہیں کر سکتی ۔)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکمت و تدبیر کے خلاف جدھر خیالات جاتے ہیں سب غلط ہیں اور حماقت اور لغو ہیں ۔

شاید کوئی معترض ایک اور رُخ سے اس تدبیرِ الٰہی پر اعتراض کرے اور کہے کہ کیوں کر معلوم ہو کہ عالم میں کوئی مدبر و خالق بھی ہے حالانکہ ہم اس دنیا میں دیکھتے ہیں کہ جو آدمی غالب ہوا اُسی نے چھین لیا (جس کی لاٹھی اُس کی بھینس) قوی تو ظلم کرتا ہے ۔ غصب کرتا ہے ۔ اور کمزور مظلوم رہتا ہے ۔ ذلیل ہوتا ہے ۔ نیک تو فقر اور بلاؤں میں مبتلا رہتا ہے ۔ اور ایک فاسق آدمی نہایت تندرست اور خوشحال رہتا ہے ۔ جو کوئی بدی یا ہتک حرمت کرتا ہے اُسے جلد سزا نہیں ملتی ۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر کوئی عالم میں تدبیر ہوتی (یعنی کوئی مدبر ہوتا جس کی کارروائی اور تدبیر اس عالم میں چلتی ہوتی) تو باقاعدہ کام ہوا کرتے ۔ نیکوں کو روزی ملتی ۔ بدوں کو محروم رکھا جاتا ۔ قوی کو ضعیف پر ظلم کرنے سے روکا جاتا ۔ جرائم کو جلد سزا مل جاتی ۔"

تو اس کے جواب میں یہ کہا جائے گا کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو نیکوکاری کی قدر ہی جاتی رہتی جس سے خاص انسان ہی کو فضیلت دی گئی ہے۔ باقی مخلوقات میں یہ صفت نہیں ہے اور نیکی و عمل خیر پر محض ثواب و معبود حقیقی کے وعدوں پر بھروسہ کر کے اپنے نفس کو آمادہ کرنے کی کچھ وقعت ہی نہ ہوتی ۔ (اس لئے کہ جب مجبور کر کے پروردگار عالم لوگوں سے کام لیتا کہ قوی آدمی ضعیف پر ظلم نہ کر سکے ۔ نیکوں کو صرف روزی ملے ۔ بدوں کو قطعی محروم رکھا جاوے ۔ تو پھر عمل خیر پر ثواب ہی کس رخ سے ملتا اور انسان کس بھروسہ پر یہ ارادہ کرتا) ۱ اور پھر تو تمام آدمی مثل چوپاؤں کے ہو جاتے ۔ جن کی سیاست عصا اور علف کے ذریعہ سے کی جاتی ہے کہ ہر دم ۔ کبھی چھری دکھائی جاتی ہے کبھی چارہ دکھایا جاتا ہے جب جا کر ٹھیک رہتے ہیں ۔ (اسی طرح اگر آدمیوں کا بھی انتظام من جانب اللہ ہوتا تو ان میں اور باقی حیوانات میں کیا فرق رہتا) ۲ نیز عذاب و ثواب کا مرحلہ ہی یک قلم نہ دارد ہو جاتا ۔ پھر انسان کی خلقت ہی لغو و بیکار ہو جاتی) اور کوئی شخص ثواب و عتاب کا یقین کر کے کوئی عمل ہی نہ کرتا انسانیت سے نکل کر بہایم بن جاتے ۔ ۳ پھر کوئی شخص منعمات غائبہ (نعمہائے آخرت) کو جانتا ہی نہیں ۔ صرف موجود و معلوم کی بنا پر کام کرتا (جب یہ دیکھتا کہ اگر میں ظلم کر دوں گا تو ابھی مار کھاؤں گا اور اگر نیک کروں گا تو ابھی رفاہ

حاصل ہو جائے گا تو سارے ثواب و جزا کا خاتمہ اسی دنیا کی موجودہ حالت پر ہو جاتا۔ نعیم ابدی آخرت کا کسی کو خیال بھی نہ آتا۔ (۲) اس سے یہ بھی خرابی پیدا ہوتی کہ ایک نیکوکار آدمی صرف اس لئے نیکی کرتا کہ مجھے روزی ملے۔ اسی دنیا میں وسعت ہو اور بدکار آدمی ظلم و فواحش سے صرف اس سبب سے بچتا کہ اگر نہ بچوں گا تو اسی وقت کوئی سزا یا بلا مجھ پر نازل ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ لوگوں کے تمام افعال صرف حاضر و معلوم (ثواب و عقاب دنیاوی) کی بنیاد پہ واقع ہوتے۔ خدائے تعالیٰ نے جو ان کاموں میں ثواب و عقاب مقرر کیا ہے اس کے یقین کا ایک شائبہ بھی ان کاموں میں نہ ہوتا۔ نہ وہ آخرت کے ثواب اور وہاں کی دائمی نعمتوں کے مستحق ہی ہوتے۔

با ایں ہمہ اس معترض نے جس فقیری و تونگری، تندرستی و بلا کا ذکر کیا ہے بالکل خلاف قیاس ہی نہیں ہے۔ بلکہ ایسا بھی واقع ہوتا ہے اور جیسا لوگ سمجھتے ہیں ویسا بھی ہوتا ہے۔ تم دیکھتے ہو گے کہ اکثر نیکوکاروں کو مختلف تدبیروں سے دولت بھی حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ ایسا نہ ہوتا تو لوگوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھ جاتی کہ کافروں ہی کو روزی ملتی ہے اور نیکوکار محروم رہتے ہیں۔ تو سب لوگ بدکاری ہی اختیار کر لیں نیکی کریں ہی نہیں۔ نیز تم دیکھتے ہو گے کہ فاسقوں کو اسی دنیا میں سزا مل جاتی ہے جب کہ ان کی سرکشی

حد کو بڑھ جاتی اور لوگوں کو اور خود اُن کو اُن سے زیادہ ضرر پہنچنے لگتا ہے جیسا کہ فرعون کو غرق کر دیا گیا۔ جنت النصر کو مسخ کر دیا گیا۔ بلبیس کو قتل کیا گیا۔

اور اگر کسی ایسی مصلحت سے جسے بندے نہیں جانتے بعض شریروں کو سزا دہی میں مہلت دی گئی یا بعض نیکوں کی جزا آخرت پر ٹالی گئی (رکھی گئی) تو اس سے تدبیر تو باطل نہیں ہوتی (یعنی اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ عالم کا کوئی خالق و مدبر ہی نہیں) کیونکہ ایسی باتیں تو بادشاہان دنیا میں بھی ہوتی ہیں (کہ کسی کو جلد سزا دی۔ کسی کو دیر میں کسی کو اُس کے اچھے کام کا جلد بدلا دیا۔ کسی کو کسی مصلحت سے دیر میں عوض دیا) مگر اس سے اُن کی تدبیر میں تو خلل نہیں پڑتا۔ بلکہ جن کاموں میں اُنھوں نے تاخیر یا تعجیل کی ہے اُسے تدبیر کے موافق اور ٹھیک رائے کے مطابق سمجھا جاتا ہے اور جب کہ شواہد شہادت دے رہے ہیں اور اُن کا قیاس (قانون عقل) یہ واجب کر رہا ہے کہ اشیائے عالم کا کوئی نہ کوئی خالق و مدبر ہونا چاہیئے تو اُسے اپنی مخلوق کی تدبیر و اصلاح سے کیا چیز مانع ہے کیونکہ انسانی قیاس ہرگز نہیں سمجھتا کہ کسی چیز کا صانع ہو وہ اپنی مصنوع کو یونہیں مہمل چھوڑ دے۔ البتہ عجز یا جہالت یا شرارت سے تو چھوڑ سکتا ہے۔ مگر یہ باتیں خدائے تعالےٰ کی صنعت میں کہاں وہاں

تو عجز و جہالت و شرارت محال ہی ہے (نہ خدا۔ تعالےٰ اپنی مخلوقات کی اصلاح سے عاجز ہے نہ اُسے اپنے مخلوقات کے حال سے جہالت ہے اور نہ معاذ اللہ اس میں شر و فساد ہے۔

اور یہ عجز و جہل و شرارت کی وجہ اصلاح و تدبیر نہ کرتی) اس سبب سے ہے کہ عاجز تو اس بات پر قادر ہی نہیں کہ ایسے ایسے عجیب و با جلالت و بزرگ مخلوقات پیدا کر سکے اور جاہل کو راستی و حکمت کا رستہ ہی نہیں معلوم ہوتا۔ شریر شخص ایسی مخلوقات عجیبہ و نفیسہ پیدا ہی کیوں کرنے لگا۔

اور جب یہ بات اس طرح قایم ہوئی (جو ہم نے بیان کی کہ عدم اصلاح و تدبیر صرف جہالت و عجز و شرارت سے ہوتی ہے اور خالق عالم ان تینوں باتوں سے پاک ہے) تو لازم ہوا کہ ان مخلوقات کا خالق لامحالہ ان کی تدبیر و اصلاح کرے۔ اگرچہ اُس تدبیر کی حقیقت و راہ لوگوں کو نہ معلوم ہو سکے۔ کیونکہ اکثر بادشاہوں کی تدبیروں کو بھی تو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے اور نہ اُس کے اسباب کو جانتے ہیں۔ اس سبب سے کہ وہ بادشاہوں کے دل کی باتوں اور بھیدوں کو نہیں جانتے ہوتے۔ اور جب جان لیتے ہیں تو اُسے بالکل صحیح اور ٹھیک پاتے ہیں اور اس کی دلیل امتحان ہے (جانچ لو۔ امتحان کر لو۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے)۔

اور اگر تم کو کسی دوا یا غذا میں شبہ ہو اور دو یا تین طرح سے (مثلاً) ثابت ہو جائے کہ یہ حار ہے یا بارد (گرم مزاج ہے یا سرد مزاج) تو کیا تم اس تجربہ سے یہی حکم نہ لگاؤ گے اور کیا اپنے شبہ کو (جو اُس میں پیدا ہوا تھا اب بھی) اپنے دل سے نہ نکالو گے؟ تو پھر یہاں کیوں نہیں تجربہ سے کام لیتے اور کیوں نہیں سمجھتے کہ جو کچھ پروردگار عالم کرتا ہے وہ عین مصلحت مخلوقات کے واسطے ہے)۔

پھر ان جاہلوں (دہریوں) کا کیا حال ہے کہ باوجود اتنے کثیر ثبوتوں کے جو اپنی زیادتی کے سبب شمار بھی نہیں ہو سکتے۔ جہان کے لئے خالق و مدبّر کے قایل نہیں ہوتے۔ (میں تو کہتا ہوں کہ) اگر آدھا جہان اور جو کچھ اس کے اندر ہے ایسا ہوتا کہ بظاہر اُس میں راستی و درستی نہ پائی جاتی تب بھی عقل و علم کی شان نہ تھی کہ اس عالم کے اہمال کے قایل ہوتے (جب) جائے کہ اس جہان کی تمام چیزیں حکمت و تدبیر سے مملو ہیں۔ اس پر یہ لوگ اُس کا کوئی خالق نہیں مانتے اہمال ہی کے قایل ہیں) اس لئے کہ اُس دوسرے آدھے میں تو ایسی درستی و استحکام ہے جو فوراً ایسی بات (بے خالق کے پیدا ہو جانا) کہنے سے روکتا ہے۔ تو اب کیوں کر یہ بات کہی جا سکتی ہے جبکہ تفتیش و غور و فکر سے دیکھا جائے تو اُس کی تمام چیزیں نہایت ہی صواب و

درستی پر قایم ملیں گی۔ یہاں تک کہ کوئی ایسی چیز نہیں جو دل میں آتی ہو۔
اور وہ مخلوقات الٰہیہ میں اُس سے بہتر اور صحیح طور پر موجود نہ ہو
د تم امتحان کر لو۔ جانچ لو کسی چیز کو دل میں خیال کرو کہ جہاں میں یہ بات
نہیں مگر جس وقت تم تلاش کرو گے ویسی ہی بلکہ اُس سے بہتر تمھیں دکھائی
دے گی۔ حیوانات۔ نباتات۔ جمادات اور اُن کے حالات و
اوصاف و آثار و خواص کو ذرا عبرت سے دیکھو تو پھر تمھیں اپنے خیال
کی آپ آزمائش ہو جائے گی کہ کہاں تک صحیح ہے اور کہاں تک غلط۔
مفضل! اس بات کو معلوم کرو کہ یونانی زبان میں اس عالم کا
مشہور و معروف نام "قوسموس" ہے۔ جس کے معنی "زینت" ہے اور
اسی طرح فلاسفہ و مدعیان علم حکمت نے نام رکھا ہے اسی سبب
سے تو اس کا یہ نام رکھا ہے کہ اس کا انتظام (صحیح و) باندازہ (صحیح) ہونا
پایا ہے تو پھر اس کا نام تقدیر و نظام ہی کیوں نہ رکھا کہ قوسموس
(زینت) نام رکھا تاکہ اس بات کو ظاہر کریں کہ اس عالم میں جو صواب
و اتفاق ہے وہ نہایت ہی حسن و بہار پر قایم ہے۔
مفضل! مجھے ایسے لوگوں سے (سخت) تعجب ہوتا ہے کہ فن
طب کی غلطی کے تو قایل نہیں ہوتے باوجودیکہ غلطیاں دیکھتے ہیں
اور عالم کے اہمال کے قایل ہوتے ہیں۔ حالانکہ اُس کی کوئی چیز

مہمل نہیں دیکھتے۔

بلکہ مدعیان حکمت کے اخلاق سے مجھ کو تعجب ہوتا ہے کہ خلقت کی حکمت کو جانتے نہیں اور خالق جل شانہ کی مذمت میں زبان درازی کرتے ہیں۔ بلکہ اس مخذول مانی سے تعجب ہے کہ اسرار علم کی واقفیت کا دعوی کرتا ہے اور خلقت کے دلایل حکمت سے ناواقف ہے کہتا ہے کہ اس خلقت میں غلطی و خطا ہے۔ اور خالق تبارک و تعالی کو جاہل بتاتا ہے۔

ان سب سے زیادہ تعجب تو ان معطلہ سے ہوتا ہے جو اس بات کے خواستگار ہیں کہ اس کو (خدائے تعالے کو) آنکھ سے دیکھ لیں جو عقل سے کبھی نہیں معلوم ہو سکتا۔ اور جب یہ ممکن نہ ہوا تو انکار ہی کر بیٹھے (کہ عالم کا کوئی خالق نہیں) اور جھٹلانے لگے۔ کہتے ہیں کہ ہماری سمجھ میں کیوں نہیں آتا عقل میں یہ بات کیوں نہیں آئی۔

(بھائی اس کا جواب تو یہ ہے) کہ وہ مرتبۂ عقل سے بالاتر ہے (اس لئے تمھاری سمجھ میں نہیں آتا) جیسا کہ آنکھ ان چیزوں کو نہیں دیکھ سکتی جو اس کی طاقت سے باہر ہیں۔ (اسی طرح عقل بھی اس شے کو نہیں سمجھ سکتی جو قوت ادراک عقل سے بالاتر ہے) (اس سے مراد حضرت کی حقیقت ذات خدائے تعالے کا علم ہے جو انسان کی

عقل میں نہیں آسکتا۔ نہ یہ کہ اُس کے وجود کا بھی علم نہیں ہو سکتا آخر اتنے موجودات و عجائب عالم اُس کے وجود ہی کے تو دلائل و شواہد ہیں)۔

مثلاً اگر تم کسی پتھر کو ہوا میں اُڑتا ہوا بلند دیکھو تو ضرور جانو گے کہ اسے کسی پھینکنے والے نے پھینکا ہے۔ یہ بات آنکھ سے تو نہیں محسوس ہوئی بلکہ عقل سے معلوم ہوئی کیوں کہ عقل ہی اس بات کی تمیز کرتی اور جانتی ہے کہ پتھر خود بخود بلندی پر نہیں جا سکتا۔ دیکھو تو سہی کہ نظر اس حد پر آ کر ٹھہر گئی اور آگے نہ بڑھ سکی (یعنی نظر اس بات کو نہیں محسوس کر سکی کہ اس پتھر کا کوئی پھینکنے والا ہے۔ بلکہ عقل نے اسے سمجھا۔ آنکھ نے تو صرف پتھر کو اوپر جاتے ہوئے دیکھا تھا)۔ علیٰ ہذا القیاس عقل بھی معرفت خالق عالم میں اپنی حد پر ٹھہر جاتی ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی لیکن ہم کہتے ہیں کہ جس عقل نے یہ سمجھا ہے کہ مجھ میں نفس اور جان ہے حالانکہ نفس کو دیکھا نہیں اور نہ کسی اور حاسہ نے محسوس کیا۔ وہی عقل خالق کو اس طرح پر پہچانتی اور جانتی ہے جس سے اُس کو وجود خالق کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور اس طرح پر نہیں کر سکتی کہ اس کے تمام صفات کو ادراک کرے (جیسے اپنی روح اور اپنے نفس کی حقیقت کا کوئی شخص

پورا ادراک نہیں کر سکتا کہ وہ کیا ہے۔ کس چیز سے بنا ہے البتہ اتنا جانتا ہے کہ مجھ میں روح ہے مگر یہ کہ کیا ہے اس کا علم نہیں ہو سکتا۔

اب اگر وہ یہ کہیں کہ بندہ ضعیف کو اُس خدا نے اس بات کا مکلف ہی کیوں کیا کہ عقل لطیف سے اُس کی معرفت حاصل کرے حالانکہ وہ پورے طور پر اسے نہیں پہچان سکتا۔ تو اُن کو یہ جواب دیا جائے گا کہ بندوں کو معرفت حاصل کرنے کی اُسی قدر تکلیف دی گئی ہے جس قدر اُن کے امکان میں ہے اور جہاں تک پہنچنے کی ان کو طاقت ہے۔ وہ یہ ہے کہ اُس کے وجود کا یقین کریں اس کے اوامر و نواہی پر عمل کریں۔ انہیں یہ تو تکلیف نہیں دی گئی کہ اس کی صفات (اور ذات) پر احاطہ حاصل کرلیں۔ چنانچہ کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو اس بات کے جاننے کی تکلیف نہیں دیتا کہ وہ جانیں بادشاہ بلند قد ہے یا پست قد ہے۔ گورا ہے یا گندمی رنگت کا ہے۔ صرف اس بات کا ان کو مکلف کرتا ہے کہ اُس کی سلطنت کو دل سے مانیں اور اُس کے احکام پر عمل درآمد کریں۔ دیکھو کہ اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کے دروازے پر آکر یہ کہے اپنے تئیں میرے سامنے پیش کر (مجھے دکھا دے) تاکہ میں تجھ کو اچھی طرح پہچان لوں ورنہ تیرا حکم نہ مانوں گا۔ تو بیشک اس نے

اپنے تئیں آپ سزا دلوائی (لامحالہ اس جرأت پر بادشاہ اُس کو سزا دے گا) اسی طرح جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں تو خالق کے وجود کا اقرار ہی نہ کروں گا۔ جب تک اُس کی کُنہ و حقیقت کو معلوم نہ کرلوں گا وہ خدائے تعالےٰ کو اپنے سے ناراض کرتا ہے۔

اگر وہ یہ اعتراض کریں کہ آخر تم اُس کے صفات تو بیان کرتے ہو۔ کہتے ہو اللہ۔ جواد ہے۔ حکیم ہے۔ کریم ہے۔ عزیز ہے۔

تو اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ صفات اقرار ہیں (یعنی یہ وہ صفات ہیں جن کا اقرار ہم کو لازم ہے) صفات احاطہ نہیں ہیں۔ کیوں کہ ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ وہ حکیم ہے لیکن ہم اُس کی کُنہ کو نہیں جانتے (کہ کس طرح کا حکیم ہے۔ یہ صفت اس میں کس طور پر ہے۔ اس صفت کی اُس کی ذات میں کیا ماہیتہ ہے) اسی طرح قدیر و جواد۔ وغیرہ صفات ہیں۔ جیسا کہ ہم لوگ آسمان کو دیکھتے ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ اس کا مادہ کیا ہے۔ کس چیز سے بنا ہے۔ اور دریا کو دیکھتے ہیں مگر یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ اس کی انتہا کہاں تک ہے۔ بلکہ خدائے تعالےٰ شانہٗ تو ان مثالوں سے بھی لاانتہا بالاتر ہے اس لئے کہ تمام مثالیں اُس کی مثال بننے سے قاصر ہیں۔ البتہ اتنا ہے کہ عقل کو اُس کی معرفت کی طرف ذرا لے جاتی ہیں۔ سداد و رہبری کرتی ہیں)۔

اب اگر وہ یہ کہیں کہ پھر اس میں اختلاف ہی کیوں ہے۔ تو ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ خیالات اُس کی عظمت کی حد تک نہیں پہنچ سکتے اور اُس کی معرفت کے حاصل کرنے میں اپنی مقدار سے زیادہ تعدی کرتے ہیں۔ اُس (خدا) کی پوری حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اُس سے (بلکہ) اُس سے کم درجہ سے بھی عاجز ہیں۔

اس کی مثال آفتاب ہے تم دیکھتے ہو کہ تمام جہان پر اپنی روشنی ڈالتا ہے حالاں کہ اُس کی حقیقت کسی کو بھی نہیں معلوم ہوئی (تو جب ایک معمولی مخلوق آفتاب کی حقیقت و ماہیت نہیں معلوم ہو سکی تو خالق کی حقیقت کو کوئی کیوں کر جان سکتا ہے) اسی وجہ سے اس کی بابت بہت سے قول ہیں اور فلسفیوں نے اس کے بیان میں اختلاف کئے ہیں کسی نے تو یہ کہہ دیا کہ وہ ایک فلکی جسم خول دار آگ سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں منہ ہے جس سے یہ روشنی پھیلتی اور شعاع نکلتی ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ وہ ایک ابر (سفید) ہے۔ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ وہ شیشہ سے مشابہ ایک جسم ہے۔ نار یہ عالم کو قبول کرتا ہے اور پھر اُسی ناریت کی شعاع عالم پر ڈالتا ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ کہہ دیا کہ وہ شے صاف و لطیف ہے پانی بستہ ہو کر بنا ہے۔ کچھ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ آگ کے

بہت سے اجزا ہیں جو ایک مقام پر مجتمع ہو گئے ہیں۔ کچھ لوگوں کی یہ رائے ہے کہ عناصر اربعہ کے علاوہ یہ اور ہی عنصر ہے۔

پھر ان لوگوں نے اس کی شکل (وہیئت) میں اختلاف کیا ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ یہ بمنزلہ ایک چوڑے صفحے کے ہے۔ اوروں نے یہ رائے دی ہے کہ آفتاب مثل ایک لڑھکنے والی گیند کے ہے۔ علےٰ ہذا القیاس اس کی مقدار میں اختلاف کیا ہے۔ کسی کا تو یہ دعویٰ ہے کہ آفتاب زمین کے برابر ہے اوروں نے یہ کہا ہے کہ زمین سے چھوٹا ہے۔ کسی نے یہ کہا ہے کہ اس جزیرہ عظیمہ (غالباً زمین مراد ہے) سے بڑا ہے۔ علم ہندسہ والوں نے کہا ہے کہ آفتاب بہ نسبت زمین کے ایک سو ستر درجہ بڑا ہے۔

ان کے اس (قدر) اختلاف اقوال سے یہ بات ثابت ہوئی کہ یہ لوگ اس کی واقفیت امر پر واقف نہیں ہوئے۔ اور جب کہ اس آفتاب کی حقیقت معلوم کرنے سے عقلیں عاجز رہیں جسے آنکھیں دیکھتی اور احساس اسے ادراک کرتا ہے۔ تو اسے کیوں کر محسوس کر سکتے ہیں جو حس سے محسوس ہی نہیں ہو سکتا اور وہم و خیال سے مخفی و مستتر ہے۔

پھر اگر کہیں کہ آخر کیوں مخفی و مستتر ہے تو ان کو یہ جواب

دیا جائے گا کہ وہ کسی تدبیر و حیلہ سے مخفی نہیں ہوا وہ اس طرح پوشیدہ نہیں ہے جیسے کوئی دروازوں اور پردوں کے پیچھے آدمیوں کی نگاہ سے چھپنے کے لئے پوشیدہ ہوتا ہے۔ بلکہ ہم جو کہتے ہیں کہ وہ (خدائے تعالیٰ) نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔ اُس کا مطلب یہ ہے کہ اُس تک وہم وخیال پہنچ نہیں سکتے۔ وہ ان کے ادراک سے زیادہ لطیف ہے۔ جیسے نفس (نفس ناطقہ۔ روح) لطیف ہے (اور اسی وجہ سے آنکھ اُسے دیکھ نہیں سکتی) حالانکہ یہ بھی خدا کے مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے پھر بھی وہم وخیال کے ادراک سے بالاتر ہے۔

اب اگر وہ کہیں کہ اچھا وہ لطیف ہی کیوں ہے۔ حالانکہ وہ اس سے زیادہ بالاتر ہے۔ تو یہ سوال نہایت ہی غلط ہوگا۔ کیونکہ جو شخص تمام اشیاء کا خالق ہے۔ اُس کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ ہر شے سے مبائن (اور غیر ہو) اور ہر چیز سے بالاتر ہو سبحانہٗ وتعالےٰ (عما یشرکون)۔

اب اگر وہ یہ کہیں کہ اُس کا مبائن وبالاتر ہونا تمام اشیاء سے کیوں کر معلوم ہوا تو اُن کو اس کا یہ جواب دیا جائے گا کہ کسی شے کے معلوم کرنے کا حق چار طریقے سے پورا ہوتا ہے (یعنی چار طریقے ہیں) ۱: یہ کہ دیکھا جائے کہ آیا وہ شے موجود ہے یا موجود نہیں ہے ۲: یہ

معلوم کیا جائے کہ وہ شے فی نفسہٖ فی حد ذاتہ کیا چیز ہے ۳ یہ کہ وہ شے کیوں کر ہے اور اس کی صفت کیا ہے۔ ۴ یہ معلوم کیا جائے کہ وہ کس وجہ اور کس سبب سے ہے۔ ان چاروں باتوں میں سے کوئی ایسی نہیں ہے جس کو کوئی مخلوق اپنے خالق کے متعلق پورے طور پر معلوم کر سکے۔ سوائے اس کے کہ اس قدر جانے کہ وہ موجود ہے۔ بس (اور اس سے زیادہ کوئی نہیں جان سکتا کہ خدائے تعالیٰ کیا چیز ہے) اب اب اگر ہم یہ کہیں کہ وہ کیوں کر اور کیا چیز ہے تو اُس کی کُنہ کا جاننا اور اُسے کامل طور پر معلوم کرنا محال ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ کیوں اور کس سبب سے ہے؟ تو یہ سوال خدائے تعالیٰ کی صفت میں بالکل ساقط اور غلط ہے اس سبب کہ وہ (جل شانہ) ہر چیز کی علت اور اس کا سبب ہے کوئی اور شے اس کی علت اور اُس کا سبب نہیں ہے (تو بھلا اُس میں کیوں اور کیوں کر کو کیا دخل ہو سکتا ہے)۔

پھر آدمیوں نے جو اس قدر معلوم کر لیا ہے کہ وہ (خدائے تعالیٰ) موجود ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ یہ بھی جان لیں کہ وہ کیا چیز ہے اور کیوں ہے۔ جیسا کہ نفس کے وجود کا جاننا اس بات اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ اُس کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے کہ وہ کیا چیز ہے۔ اور کیوں کر ہے۔ (کیونکہ ہر شخص اس بات کو جانتا ہے کہ ہم میں

روح ونفس موجود ہے۔ مگر آج تک کسی کو یہ نہ معلوم ہوا کہ نفس وروح کی حقیقت کیا ہے۔ اُس کی واقعی کیفیت کیا ہے) علیٰ ہذا القیاس اور روحانی لطیف اشیاء ہیں (کہ اُن کا وجود تو معلوم ہے مگر حقیقت اُن کی کسی نے اب تک نہ جانی۔ اسی طرح پروردگار عالم کا وجود تو معلوم ہو گیا مگر اس کی حقیقت نہیں معلوم ہو سکتی کیونکہ وہ کسی حاسہ سے محسوس نہیں ہو سکتا۔

پھر اگر وہ یہ کہیں کہ تم تو اس کی عدم معرفت (بسبب قصور علم کے) کی نسبت ایسا بیان کرتے ہو کہ گویا وہ ایک نامعلوم چیز ہے تو اُن کو یہ جواب دیا جائے گا کہ ایک راہ سے تو واقعی ایسا ہی ہے۔ (یعنی) جب کہ عقل اُس کی کُنہ وحقیقت کی معرفت اور اُس کی واقفیت کا علم حاصل کرنا چاہئے (تو ضرور وہ اس راہ سے بالکل نامعلوم ہے) اور دوسری راہ سے وہ ہر قریب سے بھی زیادہ قریب ہے جب کہ دلائل شافیہ کے ذریعہ سے اُس کے وجود پر استدلال کیا جائے گا (تو اُس کا وجود ایسا ثابت ہوتا ہے کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہی موجود ہے اور واقعی بھی ایسا ہی ہے) پس ایک جہت سے تو وہ کالواضح ہے اور کسی پر بھی مخفی نہیں ہے (علم من حیث الوجود) اور ایک جہت سے بالکل غامض ہے کہ اُسے کوئی بھی ادراک نہیں کر سکتا (من حیث الحقیقۃ

والماہیتہ) یہی حال عقل کا بھی ہے کہ شواہد و دلائل سے اُس کا وجود معلوم ہے مگر اُس کی ذات (وحقیقت) مخفی ہے۔

مگر اصحاب طبائع (طبیعیین جنہیں نیچری بھی کہتے ہیں جن کا مدار صرف ظاہری سائنس پر ہے) تو یہ کہتے ہیں کہ طبیعت کوئی ایسا فعل کرتی ہی نہیں جو بے معنی اور بیکار ہو اور نہ کسی ایسی چیز کو چھوڑتی ہے جس سے کسی چیز کا مل ہونا فی حد ذاتہ وطبیعتہ ہونا ہو۔

ان کا یہ خیال ہے کہ امتحان (وتجربہ) اس پر شاہد ہے (کہ دراصل فاعل و خالق اشیاء طبیعت ہے اور وہی ہر چیز کو بطور اکمل پورا کر دیتی ہے) ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ کس نے طبیعت کو یہ حکمت اور تمام اشیاء کے حدود پر اطلاع بخشی بے اس کے کہ کسی کام کے حد اعتدال و قابلیت سے قدم آگے نہ بڑھائے (اور جو کرے وہ بالکل باقاعدہ اور درست ہی ہوا کرے) حالانکہ یہ ایک ایسی بات ہے کہ عقلوں کو بہت سے تجربوں کے بعد بھی نہیں حاصل ہوتی (اور طبیعت غیر مدرک نے بے کسی تجربہ اور امتحان کے ایسے محکم و متبقن وباتدبیر و حکمت افعال کرنے شروع کر دئے۔ یہ بالکل خلاف قیاس ہے)۔

پس اگر وہ یہ کہیں کہ طبیعت حکیم ہے اور ایسے افعال پر قادر

ہے تو انھوں نے جس کا انکار کیا تھا اُسے مان لیا کیوں کہ یہی تو خالق کی بھی صفت ہے (کہ وہ حکیم و قادر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ وہ اُس کا نام طبیعت رکھتے ہیں اور ہم اُس کو اللہ، معبود، حکیم، قادر وغیرہ کہتے ہیں) اور اگر وہ اس بات کا انکار کر دیں (کہ طبیعت میں حکمت و قدرت پائی جاتی ہے) تو یہ حکیمانہ خلقت بلند آواز سے پکار کر کہہ رہی ہے کہ ضرور یہ کسی ایسے خالق کا فعل ہے جو بڑا حکمت والا ہے (کیونکہ جب طبیعت حکیم و قادر نہ ہوئی تو ضرور یہ افعال کسی حکیم ہی کے ہوں گے کیوں کہ وہ حکمت و تدبیر سے بھرے ہوئے ہیں۔

قدماء میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو عمد و تدبیر کے منکر تھے۔ وہ اس بات کے قایل تھے کہ اشیاء عالم بالعرض و بالاتفاق پیدا ہوگئی ہیں۔ (یعنی بلا ارادہ اتفاقاً پیدا ہوگئی ہیں جیسے کسی کو زمین کھودنے سے اتفاقاً خزانہ مل جاتا ہے حالانکہ کھودنے والے کا ارادہ نہیں ہوتا کہ میں خزانہ نکالوں گا) ان کی دلیل یہ تھی کہ اشیاء سے بیچے خلاف مجرائے عرف و عادت پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے انسان کبھی ناقص پیدا ہوتا ہے۔ کبھی ایک انگلی ہی زاید ہوتی ہے۔ یا بدہیئت عبد الخلق ہوتا ہے۔ اُس کو انھوں نے اس بات کی دلیل ٹھہرائی تھی کہ اشیائے عالم کسی کے ارادہ و تدبیر سے نہیں پیدا ہوتے (کیوں کہ مدبر و مرید ایسا نہیں کر سکتا کہ کسی میں پانچ انگلیوں کی جگہ چھ

پیدا کر دے۔ کسی میں ایک سر کے بدلے دو سر پیدا کر دے۔ کسی کو ایک ہی ہاتھ کا پیدا کرے کسی میں چار ہاتھ بنا دے) بلکہ محض بالعرض اور اتفاقی طور پر پیدا ہوئے ہیں"۔ ارسطاطالیس نے ان کے کلام کو (آسی زمانہ میں) رد کر دیا تھا۔ اُس نے یہ جواب دیا تھا کہ جو چیز کبھی اتفاقی طور پر ہو جاتی ہے اس کے کچھ خاص خاص اسباب ہوتے ہیں جو طبیعت کو عارض ہو جاتے اور اس کو اُس کے اصلی افعال سے ہٹا دیتے ہیں۔ (مثلاً قوت مولدہ جو رحم میں ہے اس کا بہ سبب اپنی کمزوری کے کامل صورت پیدا کرنے سے قاصر رہنا۔ یا کثرت حرارت اور اضطراب فعل کی وجہ سے ایک کی جگہ دو کا ہو جانا وغیرہ) تو وہ اتفاق کبھی بمنزلہ امور طبیعتہ کے نہیں ہو سکتا۔ جو ایک ہی طور پر برابر ہمیشہ جاری رہے۔ حالانکہ اے مفضل! تم قسم قسم کے حیوانات کو دیکھتے ہو کہ اکثر ایک ہی صورت اور ایک ہی قانون پر چلے جاتے ہیں۔ مثلاً انسان ہی ہے کہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے دو ہاتھ ہوتے ہیں دو پاؤں ہوتے ہیں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں جیسا کہ عام طور پر لوگوں میں موجود ہے۔ مگر (کبھی کبھی) جو اُس کے برخلاف ہو جاتا ہے وہ کسی علت کی وجہ سے ہو جاتا ہے۔ جو رحم یا مادہ میں ہوتی ہے جس سے جنین بنتا ہے۔ جیسے صناعتوں میں ہوتا ہے کہ کاری گر تو چاہتا ہے میں اس چیز کو ٹھیک اور با قاعدہ بناؤں مگر اُس کے آلہ میں کوئی نقصان پیدا

ہو جاتا ہے جس سے وہ کام کر رہا ہے (تو اس کی صنعت میں عیب رہ جاتا ہے)
اسی طرح حیوانات کے بچوں میں بھی کچھ ایسے ہی اسباب پیدا ہو جاتے ہیں (جنہیں
ہم نے بیان کیا) جن سے بچہ ناقص یا زاید یا بد ہیئت پیدا ہوتا ہے۔ اور اکثر
باقاعدہ اور درست پیدا ہوتے ہیں۔ جن میں کوئی عیب نہیں ہوتا۔

پس جس طرح بعض کاموں میں کسی سبب سے کوئی خرابی واقع ہو جاتی ہے
مگر موجب اہمال نہیں ہوتی اور نہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس کا
کوئی صانع نہیں ہے۔ اسی طرح بعض امور جو افعال طبعیہ میں کسی
مانع وہارج کی وجہ سے واقع ہو جاتے ہیں وہ بھی اس بات کا سبب
نہیں ہو سکتے کہ کل کے کل بالعرض اور اتفاقاً پیدا ہوتے ہوں پس جو
شخص کسی امر کے برخلاف طبیعت (و قانونِ قدرت ظاہری) ہو جانے
کی وجہ سے یہ کہتا ہے کہ تمام چیزیں بخت و اتفاق سے پیدا ہو گئی
ہیں اُس کا یہ کلام غلط اور فاسد ہے۔

اب اگر وہ یہ کہیں کہ پھر اشیاء عالم میں ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بعض ناقص
اور بعض تام پیدا ہوتے ہیں تو ان کو یہ جواب دیا جائے گا کہ یہ اس لئے
ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اشیاء عالم کا وجود طبیعت کی مجبوری کے
سبب سے نہیں ہے اور یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ اگر طبیعت کی طرف سے
ہو تو سب میں مساوات ہی ہو۔ جیسا کہ ان کہنے والوں نے کہا ہے۔ بلکہ خالق

حکیم کے ارادے اور تقدیر سے ایسا ہوا ہے کہ اُس نے طبیعت کو ایسا بنایا کہ اکثر تو ایک ہی قاعدہ اور قانون پر چلا کرے اور کبھی کسی سبب سے اُس قانون سے ہٹ بھی جائے جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ طبیعت بھی کسی غیر کے تصرف میں ہے اس میں کسی غیر کی تدبیر و حکمت نے کام کیا ہے یہ بھی کسی اپنی حد کے کمال تک پہنچنے اور اپنے عمل کو پورا کرنے میں خالق کے پیدا کرنے اور اُس کی قدرت کی محتاج ہے تبارک اللہ رب العالمین۔

مفضل! میں نے جو تمہیں دیا ہے اُسے لو اور جو میں نے بخشا ہے (تعلیم کیا ہے) اُسے یاد کر لو۔ اور اپنے پروردگار کا شکر ادا کرو۔ اور اُس کی نعمتوں کی حمد بجالاؤ اُس کے دوستوں کی اطاعت کرو۔ میں نے تم سے عالم کے مخلوق ہونے کی دلیلیں اور درستی تدبیر و ارادہ کے شواہد بہت سے ہیں جن میں سے تھوڑا سا اور کل میں سے ایک جزو بیان کیا ہے۔ اسے سوچو اور اس میں غور کرو اس سے عبرت حاصل کرو۔

مفضل کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی مولا انشاء اللہ آپ کی مدد سے میں اس امر پر قادر ہوں گا اور اسی مطلب تک پہنچ جاؤں گا اُس وقت آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر رکھا اور فرمایا احفظ بمشیۃ اللہ ولاتنس انشاء اللہ تو میں بیہوش ہو کر گر پڑا (اس کے

سب آپ کو علم نفس والے خوب سمجھیں گے) جب میں ہوشیار ہوا تو آپ نے فرمایا۔

مفضل! اب تم اپنے تئیں کیسا پاتے ہو۔ میں نے عرض کی اپنے مولا کی مدد اور تائید سے اس کتاب سے میں مستغنی ہو گیا جسے میں نے لکھا ہے اور ایسا مجھے حفظ ہو گیا ہے گویا میں اسے اپنی ہتھیلیوں کے لکھے ہوئے سے پڑھ رہا ہوں پس میرے مولا (خدائے تعالےٰ) ہی کے لئے شکر و حمد ہے۔ جیسا وہ مستحق ہے۔

پھر آپ نے فرمایا:۔

مفضل! اپنے دل کو مطمئن کر لو اور اپنے دماغ و عقل و اطمینان کو مجتمع کر لو۔ تو میں انشاءاللہ تم سے ملکوت آسمان و زمین اور جو کچھ ان کے درمیان اور اُن کے اندر خدائے تعالےٰ نے عجائب مخلوقات اور اقسام ملائکہ و صفوف ملائکہ پیدا کئے ہیں اور سدرۃ المنتہیٰ تک اُن کے مقامات و مراتب مقرر کئے ہیں اور تمام مخلوقات جن و انس سے لے کر زمین کے ساتویں طبقے اور تحت الثریٰ تک سب بیان کر دوں گا تاکہ (تمھیں معلوم ہو) جو کچھ تم نے اس وقت یاد کر لیا ہے۔ وہ بہت سے جزوں میں سے

ایک جزو ہے۔

اچھا اب جاؤ۔ جب تمہارا جی چاہے خدا حافظ و ناصر ہے۔ [illegible]
نزدیک تمہارا بڑا مرتبہ ہے اور مومنین کے دلوں میں تمہاری قد[illegible]
ایسی ہی ہے جیسے پیاس میں پانی کی دگی جو میں نے وعدہ کیا[illegible]
اُس کی درخواست مجھ سے نہ کرنا۔ جب تک میں خود تم سے
نہ کہوں۔

مفضل کہتے ہیں۔ میں حضرت کے پاس سے وہ شے لے کر [illegible]
کہ کوئی بھی ایسی شے لے کر نہ واپس آیا ہوگا۔

(والحمد للہ اولاً و اٰخراً و ظاہراً و باطناً و ھو علیٰ کل شیٍٔ قدیر)